باب ۱

مسرور میاں کے جانے کے بعد پہلی مرتبہ شہاب منزل پر رونق نظر آئی تھی ورنہ تو مسرور میاں کے جاتے ہی اس حویلی کے در و دیوار پر اداسیاں جیسے گہری ہوتی چلی گئی تھیں۔ بھائی کے جاتے ہی نغمہ کی تمام دلچسپیاں اور شوخیاں نہ جانے کہاں کھو گئی تھیں ان بڑے بڑے سجے سجائے کمروں سے زندگی سے بھرپور قہقہے جیسے روٹھ گئے تھے جیسے یہ تمام رنگینیاں مسرور ہی کے دم سے تھیں' اور اب اس کے امریکہ جاتے ہی ان رنگینیوں کے رنگ یک دم ہی پھیکے پڑ گئے تھے' اور پھر دھیرے دھیرے یہ رنگینیاں اس حویلی کے لیے بالکل ہی اجنبی بن کر رہ گئی تھیں۔

لیکن ان دنوں شہاب منزل کی کھوئی ہوئی مسرتیں لوٹ آئی تھیں کڑکڑاتے جاڑوں کی اس اندھیری رات میں شہاب منزل خوشیوں کا گہوارہ بنی ہوئی تھی۔ باہر جاڑے کی ٹھٹھرتی رات لحظہ بہ لحظہ تاریک اور اداس ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اور حویلی کے بھاری پردوں سے چھن چھن کر آنے والی روشنی کی کرنیں اس سیاہ رات کی چادر پر کچھ اس قسم سے ٹیڑھی میڑھی لکیریں بنا رہی تھیں جیسے کسی اناڑی مصور نے ابسٹریکٹ آرٹ کی سعی لاحاصل کی ہو' اندر کمروں میں فرانسیسی طرز کے بنے ہوئے آتشدان دہک رہے تھے' اور ان آتشدانوں کے گرد مخملیں صوفوں پر ڈبکی ہوئی وہ تینوں بالکل ایرانی بلیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

''اف کیسی سردی ہے''۔ عائشہ نے جھرجھری لے کر اپنی اونگھتی آنکھیں وا کر دیں۔ اور قریب پڑا ہوا ریشمی کشن اٹھا کر زانو پر ڈال لیا۔ نغمہ اور صالحہ اپنی اپنی جگہ

کسمسا کر رہ گئی تھیں۔ انہوں نے عائشہ کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔

عائشہ پھر آنکھیں بند کر کے خیالات میں کھو جانا چاہتی تھی لیکن کار کی آواز نے چونکا دیا۔

''شاید طاہر بھائی آ گئے ہیں؟'' اس نے زانو پر پڑا ہوا کشن اٹھا کر بغل میں دبا لیا اور صوفے پر بازو کے سہارے نیم دراز ہو گئی۔

''میرے اللہ باہر کس قدر کہر گر رہا ہے۔ لیکن بھائی جان موسم کی کیا پروا کرتے ہیں؟'' صالحہ نے اپنی نیند سے بوجھل آنکھیں اوپر اٹھائیں' اور نغمہ ایک لمبی سی جمائی لیتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔ اور دور پڑا دوپٹہ اٹھا کر بے پروائی سے شانوں پر ڈال لیا۔

طاہر بھائی بھاری قدم اٹھاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ایسٹر اور فیلٹ میں کسی انگلش فلم کا ڈینگو دکھائی دے رہا تھا۔ فلیٹ اور دستانے اتار کر اس نے قریبی صوفے پر ڈال دیا اور خود دونوں ہاتھ ملتا ہوا نغمہ والے صوفے پر سکڑتا ہوا جا بیٹھا۔ نغمہ اور بھی سکڑ کر بیٹھ گئی۔

''کیسی رہی پکچر؟'' عائشہ نے ایک لمبی جمائی لیتے ہوئے پوچھا' اونگھتی ہوئی محفل دھیرے دھیرے جاگ رہی تھی۔

طاہر نے ایک بھرپور نگاہ نغمہ کے چہرے پر ڈالی اور مسکرا دیا..... ''پکچر بڑی لاجواب تھی تم لوگوں سے کہا تھا لیکن.....'' صالحہ چمک کر بول اٹھی..... ہائے اللہ یہ نغمہ باجی نے خواہ مخواہ انکار کر دیا تھا' ورنہ ہم تو ایسے موقعے خدا سے مانگتے ہیں''۔

نغمہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ عائشہ بول اٹھی۔

''دراصل بھائی جان ہم لوگوں کو لے جانا ہی نہیں چاہتے تھے''۔

''نہیں نہیں یہ بات نہ تھی'' طاہر نے بات بدلتے ہوئے کہا..... اگر آپ تینوں چلی چلتیں تو ضرور لے جاتا''۔

''میں پکچر بہت کم دیکھتی ہوں''۔ نغمہ نے بڑی آہستگی سے کہا اور وہاں سے اٹھنا چاہا.....

نغمہ کو کھسکتے دیکھ کر طاہر ایک دم بول اٹھا۔

''کیا آپ میرے لیے کھانا لینے جا رہی ہیں''؟

نغمہ یہ سن کر جل ہی تو گئی' اس کا ملکوتی چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا' لیکن اس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

''نہیں مجھے تو نیند آ رہی ہے آپ کا کھانا ڈرائنگ روم میں میز پر خانساماں نے لگا رکھا ہے''۔ اور وہ کمرے سے نکل گئی۔ وہ نہ چاہتی تھی کہ یہاں ٹھہر کر طاہر کی باتوں کا نشانہ بنے۔

اس کے کمرے سے نکلتے ہی عائشہ نے طاہر سے کہا جانے بھائی جان آپ نغمہ کو کیوں تنگ کرتے ہیں۔

تو اسے تنگ کرنا کہتے ہیں؟ طاہر نے بڑی ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''وہ بڑی حساس اور شرمیلی ہے بھائی جان''۔ عائشہ نے ہر لفظ پر زور دیتے

طاہر کو سمجھانا چاہا۔ ''ہو گی''۔ طاہر نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ''لیکن میرے خیال میں یہ سب دکھاوا اور بناوٹ ہے۔ کہیں کالج میں پڑھنے والی لڑکیاں بھی یوں ذرا سی بات پر شرماتی ہیں کیا؟ کیوں صالحہ''؟ طاہر نے اپنے ساتھ صالحہ کو بھی ملانا چاہا جو آنکھیں بند کیے جانے کیا سوچ رہی تھی۔ وہ اپنے نام پر یک دم چونک گئی۔

''عائشہ باجی ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں بھائی جان! بیچاری نغمہ باجی تو بالکل چھوئی موئی کا پھول ہے جہاں ہاتھ لگایا فوراً سمٹ سکڑ گیا۔ اور وہ پھر اونگھ گئی''۔ طاہر مسکراتا ہوا اٹھ کر ڈرائنگ روم میں چلا گیا اور جاگتا ہوا کمرہ پھر سو گیا۔

نغمہ کی خالہ نفیسہ بیگم ان دنوں افریقہ سے آئی ہوئی تھیں۔ روپے پیسے کی فراوانی تھی' اپنی امارت پر انہیں بڑا ناز تھا۔ وہ ہر چیز کی وقعت کا اندازہ روپے پیسے سے لگاتی تھیں ان کا مقولہ تھا کہ دنیا کی ہر شے دولت کے بل بوتے پر خریدی جا سکتی ہے پیسہ ہی ان کے لیے سب کچھ تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور شے کی پابند نہ تھیں۔

آج سے بارہ برس قبل نفیسہ بیگم جب اپنے شوہر مظاہر علی کے ہمراہ افریقہ جا رہی تھیں تو سب کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اب نفیسہ بیگم دوبارہ اس سرزمین پر قدم نہ رکھیں گی۔ رفتہ رفتہ یہ یقین اور بھی پختہ ہوتا چلا گیا۔ لیکن اس کی اس اچانک آمد نے ہر ایک کو جہاں حیران کر دیا تھا وہاں خوشیوں سے بھی مالا مال کر دیا تھا مدت کی بچھڑی ہوئی نفیسہ بیگم جب وطن پاکستان پہنچیں تو عزیز و اقربا نے ہاتھوں ہاتھ لیا

مظاہر علی کاروبار کے چکروں میں ایسے پھنسے تھے کہ وہ تو نہ آ سکے تھے۔

نفیسہ بیگم کی بڑی آؤ بھگت کی گئی۔ اور وہ سمجھیں کہ تمام خاندان ان کی دولت کی وجہ سے ان کی خوشامد کرنے لگا ہوا ہے۔ اور جب خاندان والوں کو اس بات کا علم ہوا کہ افریقہ والی خالہ یاں اپنے لڑکے طاہر اور لڑکی عائشہ کی شادی کی غرض سے تشریف لائی ہیں تو ان کے گھروں میں جہاں لڑکے اور لڑکیاں تھیں ایک عجیب افراتفری پھیل گئی۔ ان کوئی ان دونوں گراں مایہ ہیروں کا خریدار دکھائی دینے لگا تھا۔ اور اس طرح افریقہ کی خالہ کی وقعت اور بڑھ گئی تھی۔

لیکن عائشہ کے لیے وہ رشتہ افریقہ ہی سے طے کر کے چلی تھیں۔ طاہر کے لیے لڑکی کی انہیں واقعی ضرورت تھی۔ اگر عائشہ کے لیے ریاض کے حق میں اعلان کر کے افریقہ والی خالہ خاندان بھر کے لڑکے والوں کا منہ بند کر چکی تھیں۔ تو نغمہ کو دیکھنے کے بعد طاہر کے لیے بھی رشتہ کی خلش قدرے کم ہو چکی تھی۔ لیکن وہ خاندان کے دوسرے لڑکیوں والے گھرانے بھی ٹھوک بجا کر دیکھنا چاہتی تھیں۔

حیدر اور صالحہ کے لیے ابھی وہ کوئی رائے نہ رکھتی تھیں ان کی شادیوں کے لیے وہ دوبارہ آنے کا خیال رکھتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ شہاب منزل میں دن رات دھما چوکڑی مچی رہتی تھی۔ خاندان برادری کی لڑکیاں افریقہ والی خالہ نفیسہ بیگم اور ان کے بچوں سے ملنے کے بہانے نک سک سے درست ہو کر بن سنور کر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں آگے پیچھے بھاگتی دوڑتی دکھائی دیتی تھیں۔ مائیں پان کھاتی ہوئی آنکھوں آنکھوں میں انہیں ہدایات دیتی رہتیں۔ اور

پھر رات گئے آتشدان کے گرد محفلیں صوفوں پر دبکے ہوئے اونگھتے جاگتے شعر و شاعری کی محفلیں گرم رہتیں ہر کوئی طاہر کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی چبھتا ہوا شعر پڑھ دیتی۔

طاہر ڈائننگ روم سے کھانا کھا کر پھر دوبارہ کمرے میں لوٹا تو عائشہ اور صالحہ کو صوفوں پر لیٹے ہوء دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے دونوں کو آواز دی۔ صالحہ اور عائشہ چونک پڑیں۔

''اے اٹھو جاؤ اپنے اپنے کمروں میں اب تو رات کافی بھیگ گئی''۔

وہ دونوں اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

اور نغمہ ان سب سے دور بستر پر لیٹی سوچ رہی تھی کہ یہ طاہر نہ جانے کیوں اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔ ہر وقت تنگ ہی کرتے رہتے ہیں۔ ہر بات میں خواہ مخواہ مذاق کا پہلو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مذاق ایسا تھرڈ کلاس کہ توبہ جیسے کوئی ان پڑھ کوئی بہت ہی زٹیل قسم کا مذاق کرے۔ گفتگو میں بھی بناوٹ اور تصنع..... افریقہ کے جنگلوں میں رہ کر جنگلیوں جیسا ہی مذاق کرے گا۔ اس کے ذہن کے کسی گوشے سے آواز آئی۔ وہ خود بخود مسکرا دی۔ اس کے ذہن میں اچانک ہی نفیسہ بیگم کا خاکہ ابھرتا چلا آیا۔ جو ہر بات میں اس پر واری صدقہ ہوتی جاتی تھیں۔ ان کے دل میں جو کچھ بھی تھا وہ ان کی آنکھوں سے عیاں ہوتا ہے لیکن وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ کیسے بچے؟ وہ کتنی بار اپنے آپ سے یہ سوال کر چکی تھی لیکن اس کا دماغ ان سوالوں کا جواب دینے سے قاصر تھا۔ آج بھی وہ

انہی سوالوں میں الجھی جانے کب نیند کی وادیوں میں کھوگئی۔

اتوار کی وہ دوپہر بڑی حسین اور رومان پرور تھی۔ لان میں دور تک گلاب کے پھول عجیب بہار دکھا رہے تھے۔ شہاب منزل کے اندر اور باہر آج بڑی گہما گہمی تھی۔ اندر نوکر چاکر ہر چیز کو الٹ پلٹ کر کے ترتیب دے رہے تھے۔ نفیسہ بیگم نے تو نوکروں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ لیکن نجمہ بیگم کی سنجیدگی اور بردباری قائم تھی۔ وہ اپنے مخصوص تدبرانہ انداز میں نوکروں کو وقتاً فوقتاً ہدایت دے دیتیں۔ شہاب الدین ابھی تک کچہری سے نہیں لوٹے تھے۔

ان سب گہما گہمیوں سے دور لان میں ہرے بھرے سبزے پر حیدر، صالحہ، عائشہ اور نغمہ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ طاہر کی عدم موجودگی نغمہ کے لیے بڑی فرحت بخش تھی۔ وہ بند کلی فوراً کھل اٹھتی لیکن طاہر کے آتے ہی جیسے اس پر اوس پڑ جاتی۔ خود تو وہ سنجیدہ اور خاموش طبیعت تھی۔ لیکن حیدر کی شرارتیں وہ پسند کرتی تھی۔ اس کی شرارتوں میں بھول پن اور بے ساختگی تھی۔ بناوٹ کا عنصر تک نہ ہوتا۔ لیکن طاہر کی حرکتوں اور گفتگو میں بناوٹ اور تصنع بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ اب دونوں گھٹنوں پر اون کا لچھا چڑھائے گولا لپیٹ رہی تھی۔ عائشہ اپنے گلابی ڈوپٹہ میں کرن ٹانک رہی تھی۔ اور صالحہ اپنے کٹے بالوں میں کرلنگ ہئر کلپ لگا رہی تھی۔ اور حیدر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ یہ تینوں تو اپنے اپنے کاموں میں محو ہیں اسے اس وقت کیا کرنا چاہیے۔

نغمہ نے دو ایک مرتبہ گولا لپیٹتے ہوئے حیدر کا جائزہ لیا۔ وہ کرسی کی پشت سے

سر لگائے آنکھیں بند کیے خاموش لیٹا تھا۔

نغمہ نے اسے چھیڑا حیدر تم جا کر نفیسہ خالہ کا ہاتھ کیوں نہیں بٹاتے؟ اور کچھ نہیں تو باہر کا کام ہی نوکروں کے سر پر کھڑے ہو کر کرا لو۔

حیدر نے بڑی بیزاری سے آنکھیں کھول کر نغمہ کو گھورتے ہوئے عجیب سا منہ بنایا جیسے بہت سی کونین اس کے منہ میں انڈیل دی گئی ہو۔ وہ پھر آنکھیں بند کرتے ہوئے بولا میرا تو اس وقت بھی دل چاہ رہا ہے کہ پالنے میں لیٹ کر بوتل سے دودھ پیوں''۔

وہ تینوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

''تو کیا ہوا حیدر! آج ہی تمہارے لیے فیڈر منگوا دیں گے''۔ نغمہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہم'' باجی سچ ایک آپ ہی قدر دان ملی ہیں ورنہ یہ سب تو مجھے وقت سے پہلے بڈھا بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور وہ پھر آنکھیں بند کر کے کرسی پر لڑھک گیا۔

عائشہ نے ٹانکہ بھرتے ہوئے نغمہ سے کہا تم اس کو منہ نہ لگایا کرو۔ یہ تو نرا بھانڈ ہے بھانڈ۔ اس کو تو جو جی میں آتا ہے بک دیتا ہے۔ نہ کسی بڑے کا لحاظ اور نہ کسی چھوٹے کا خیال۔

نغمہ مسکرا دی شاید اسے کوئی بات یاد آ گئی تھی۔ وہ عائشہ کے کان کے پاس منہ لے جا کر بولی چلو تمہارا کہا مان لیا میں حیدر کے منہ نہیں لگتی۔ تمہارے منہ لگتی ہوں۔

تم سناؤ آج تو تمہاری ساس صاحبہ تشریف لا رہی ہیں۔ کہو کیا تواضع کرو گی ان کی عائشہ تو شرما کر رہ گئی صالحہ ایک دم بول اٹھی۔

''نغمہ باجی وہ کس قدر موٹی ہیں''۔

ارے ارے تم بالکل فکر نہ کرو صالحہ رانی ہم تمہاری ساس بالکل ہی پتلی سی تلاش کریں گے۔ نغمہ نے ادھر بھی وار کر دیا۔

صالحہ چڑ گئی۔ عائشہ ہنس کر بولی ہاں اگر ساس موٹی تازی ہو گی تو تم یوں انکار کر دینا کہ نہ بھئی میں اس لڑکے سے شادی نہیں کرتی اس کی اماں موٹی ہیں۔

عائشہ نے منہ بنا کر صالحہ کے انداز کی نقل اتاری۔

اور اگر دبلی پتلی اماں کا بیٹا خود موٹا تازہ ہوا تو حیدر نے دھیرے سے لقمہ دیا۔

نغمہ اور عائشہ کا تو مارے ہنسی کے برا حال ہو گیا۔

صالحہ تیزی سے بول پڑی۔ منہ دھو رکھو بھیا۔ پہلا موقعہ تو مجھے ملے گا۔ خدا کی قسم وہ جمنا پاری بھینس جیسی دلہن تلاش کروں گی کہ تم بھی کیا یاد کرو گے''۔

اچھا بھئی تم تلاش کر لینا تو مجھے بلوا بھیجنا'' حیدر نے کرسی پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ میں تو چاند نگر کی گڑیا کی تلاش میں جا رہا ہوں''۔

بھیا ذرا منہ دھو کر جانا۔ بوتل سے دودھ پیتے وقت دودھ گر گیا تھا۔ ایسا نہ ہو۔ چاند نگر کی گڑیا شکل دیکھ کر ہی ڈر جائے۔ صالحہ نے پیچھے سے ہانک لگائی لیکن وہ مغربی برآمدے سے ہوتا ہوا اندر جا چکا تھا۔

صالحہ نے اپنی گول گول آنکھیں گھما کر عائشہ کو گھورا اور بولی!

''ہاں تو نغمہ باجی حیدر بھیا تو گئے چاند نگر اب ذرا چاکلیٹ کھانے کا بندوبست کیا جائے''۔

''میں سمجھی نہیں.....'' نغمہ نے حیرانی سے پوچھا۔

اور عائشہ نے خشمگین نگاہوں سے صالحہ کو گھورا۔ وہ شاید صالحہ کی بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھی صالحہ نے مسکراتے ہوئے عائشہ کی طرف دیکھا.....''

گھورتی کیوں ہو باجی۔ اور پھر نغمہ سے مخاطب ہو گئی۔ ''نغمہ باجی کسی تھا چاکلیٹ کھانے کا۔ ایک ذرا سی عائشہ باجی کی جھلک ریاض بھائی کو دکھا دی اریا جب کبھی زیادہ مہربانی کی تو ایک دوسرے کی ملاقات کرا دی۔ اور ملاقاتی سے چاکلیٹ کا ڈبہ وصول کر لیا۔ خود بھی کھایا اور انہیں بھی کھلایا.....''۔

عائشہ نے لپک کر ایک دھپ صالحہ کی کمر پر رسید کی۔ آپ خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ گئی ہیں۔

لو وہ ڈھٹائی سے ہنس دی۔ بھلا باجی نغمہ سے کیا پردہ۔ اور پھر سوچتے ہوئے خود ہی بولی ''ہو سکتا ہے ان کو بھی میری ضرورت پیش آ جائے۔ کیوں ٹھیک ہے نا نغمہ باجی'' صالحہ کی چھٹی حس پوری طرح کام کر رہی تھی۔ اس نے دونوں پر بھرپور وار کر کے دونوں کو ہی لاجواب کر دیا تھا۔

عائشہ نے ایک اور دھپ اس کی کمر پر مارا۔ خدا پناہ دے اس شیطان کی.....

نہ نہ آگے اور کچھ نہ کہنا۔ جب تک تمہارے بیٹا نہیں ہوتا۔ میں خالہ بننے سے رہی۔ اور جب تک تمہارا بیٹا واقعی شیطان نہ ہو۔ شیطان کی خالہ بننے کا سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا کیوں نغمہ باجی ٹھیک ہے نا.....''۔

عائشہ تو بس جز بز ہو کر رہ گئی۔ نغمہ کو ہنسی آ گئی تھی۔ عائشہ کو بھی اب یہاں سے بھاگ جانے ہی میں عافیت دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے دوپٹہ کی کرن بھی وہ سوئی دھاگہ پٹاری میں رکھ ہی رہی تھی کہ نفیسہ بیگم ہانپتی کانپتی اپنی ساڑھی کا پلو سنبھالتے وہاں آن پہنچیں۔

''ارے لڑکیو تین بجا چاہتے ہیں۔ اور تم لوگ ابھی تک اسی طرح بیٹھی ہو چلو جلدی سے تیاری کرو''۔

وہ جیسی بوکھلائی ہوا کے گھوڑے پر سوار آئی تھیں ویسے ہی واپس چلی گئیں۔

وہ تینوں بھی ان کے پیچھے پیچھے اندر کی طرف لپکیں۔ عائشہ اور صالحہ مغربی برآمدہ عبور کر کے اندر چلی گئی۔ لیکن نغمہ تھوڑی دیر کے لیے گلاب کی کیاری کے پاس رک گئی۔ اس نے اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے گلاب کے پودے میں ایک ننھا سا گلاب رکھا ہوا تھا۔ اس کے وہ پھول توڑا اور بالوں میں لگاتی ہوئی اندر کی طرف بڑھی تھی کہ طاہر کو برآمدے میں کھڑا دیکھ کر وہ ٹھٹھک گئی۔ گھبراہٹ میں پھول ہاتھ سے گر گیا۔ اس نے گرے ہوئے پھول کو اٹھانا بھی مناسب نہ سمجھا۔ اور جلدی جلدی سر پر ڈوپٹہ درست کرتی ہوئی وہ بجائے مغربی برآمدے میں سے گزرنے کے جنوبی برآمدے میں سے ہوتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کمرے میں آ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور بددلی سے بستر پر گر گئی۔

اردگرد کے کمروں میں ایک شور بپا تھا۔ سب ہی تیاریوں میں مشغول تھے۔

عائشہ اور صالحہ کی آوازوں سے زیادہ تر حیدر کی چیخ و پکار تھی۔ نہ جانے اس کی کیا چیز گم ہو گئی تھی جس کی تلاش میں وہ شور مچا مچا کر ہلکان ہوا جا رہا تھا۔ دوسری طرف نوکروں کا ایک ہنگامہ تھا۔ اور ان سب سے بڑھ کر نفیسہ بیگم کی بدحواسی تھی جو دوسروں کو بھی بدحواس کیے دے رہی تھی۔

نغمہ لیٹے لیٹے اپنے کپڑوں کے بارے میں سوچنے لگی۔ یوں اس کے پاس ڈھیروں عمدہ عمدہ سوٹ اور ساڑھیاں تھیں۔ لیکن وہ کوئی شوخ کپڑا پہننا نہ چاہتی تھی۔ وہ یہ نہ چاہتی تھی کہ طاہر کی نگاہوں کا نشانہ بنے۔ اسے طاہر کی تپتی ہوئی آنکھوں سے وحشت ہونے لگتی تھی۔ اور اس کے مذاق سے اسے الجھن ہونے لگتی تھی۔ نہ جانے وہ یہی سوچتے سوچتے کب اونگھ گئی تھی کہ اس کی پھوپھی زاد بہن فریدہ نے اسے آ کر جھنجھوڑ ڈالا۔ یہ اچھی شرافت ہے کہ اتنی بڑی تقریب ہو رہی ہے مہمان آنے شروع ہو گئے ہیں اور یہ جناب ابھی تک سر منہ لپیٹے پڑی ہیں۔

ارے فریدہ تم..... نغمہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ ''میں تو سمجھی تھی بھونچال آ گیا ہے''۔

''ابھی آیا تو نہیں لیکن اگر تم نے اٹھنے میں دیر لگائی تو سچ مچ زلزلہ آ جائے گا''۔

نغمہ فریدہ کے آ جانے سے خوش ہو گئی تھی۔ وہ اس کی پھوپھی زاد بہن ہونے کے علاوہ راز دار سہیلی بھی تھی۔ غریب ماں باپ کی لڑکی حسن میں یکتا اور حاضر جوابی میں خاندان بھر میں مشہور تھی۔

''ارے اب اٹھ بھی چکو۔ کیا منہ پھاڑے مجھے گھورے جا رہی ہو۔ فریدہ نے بلینکٹ گھسیٹ کر دور پھینکتے ہوئے کہا'' کیا تمہارے لیے بھی کوئی ضمانتی بلوایا

جائے''۔

''ہائے ظالم کیا گرم کمبل تھا.....'' نغمہ سر کو جھٹکتی ہوئی اٹھ بیٹھی تھی۔

لیکن فریدہ اس کی بات سنی ان سنی کر کے چھلاوہ کی طرح اس کی الماری پر جا پہنچی۔

''بتاؤ کون سے کپڑے پہنو گی مہارانی جی''؟

''یہی کوئی سیدھے سادھے پہن لوں گی''۔ نغمہ نے بددلی سے باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

فریدہ چونک پڑی۔

''کیوں سیدھے سادھے کیوں.....؟ یہ الماری جو بھری ہے یہ آخر کس مرض کی دوا ہے۔ وہ حیرانی سے نغمہ کا منہ تک رہی تھی.....''

''تم سمجھنے کی کوشش کیا کرو فریدہ.....'' نغمہ نے روہانسی آواز میں کہا۔

فریدہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''سمجھ گئی..... بالکل سمجھ گئی..... تم باتھ روم جاؤ میں'' اور وہ جلدی جلدی تمام کپڑوں کا جائزہ لینے لگی۔ آخر میں اس نے ایک ہلکے گلابی رنگ کا غرارہ سوٹ نکال لیا۔

نغمہ باتھ روم سے نکلی تو فریدہ کی چوائس پر پھڑک اٹھی۔ میں نے بھی یہی پہننے کا سوچ رکھا تھا''۔

میں نے تمہاری آنکھوں میں پڑھ لیا تھا۔ فریدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ نغمہ

بھی مسکرا دی۔

نغمہ بال سنوار رہی تھی کہ صالحہ فیکس فیکٹر کا اشتہار بنی کمرے میں آ دھمکی.....

''ارے نغمہ باجی آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں'' اور نغمہ جو اس کی بھڑک دیکھ کر بھونچکی کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی مسکراتی ہوئی بولی.....

''ماشاءاللہ تم نے تو ہار سنگار میں آج سب کو مات کر دیا ہے''۔

''موقع شناس ہیں۔ دیکھ لینا آج کسی نہ کسی کی نظر انتخاب ان پر بھی پڑ جائے گی''۔

فریدہ کے اس جملے پر صالحہ کٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ بغیر جواب دیے جھینپتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔

نغمہ نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا۔ اور اپنے گھنے سیاہ بالوں کی ایک ڈھیلی ڈھالی چوٹی گوندھ کر بڑی لاپروائی سے پشت پر گرا دی۔ بالکل ہی ہلکا سا زیور پہنا۔ آنکھوں میں کاجل لگا کر وہ ڈریسنگ کے سامنے سے اٹھ کھڑی ہوئی''۔

فریدہ جو خاموشی سے بیٹھی اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولی ''کاش میرا کوئی بھائی ہوتا تو.....''

نغمہ نے ایک زوردار چٹکی بھرتے ہوئے کہا۔

چوٹی..... اللہ میاں گنجے کو ناخن نہیں دیتا۔ چل آ چلیں.....

''اوئی ظالم.....'' فریدہ نے بازو سہلایا۔ تو نے تو گوشت نوچ کھایا.....

''اور نہیں..... تو میں پیاس سے گلے لگا لیتی'' نغمہ اسے گھسیٹتی ہوئی بڑے حال

کی طرف لے آئی۔

مہمان خواتین کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ نفیسہ بیگم اپنے موٹے ڈیل اور ٹھگنے قد پر فرشی غرارہ لپیٹے فٹ بال کی طرح لڑھکتی پھر رہی تھیں۔ اپنے ہونے والے داماد اور اپنی عمارت کا تذکرہ ورد زبان تھا۔

اے میرے ہاں اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ ایک سے ایک اعلیٰ لڑکا وہاں بھی مل سکتا تھا۔ لیکن عائشہ کے پاپا تو ریاض کچھ ایسے پسند آ گئے تھے کہ فوراً ہی حامی بھر لی تھی۔ وہ تو شادی بھی افریقہ میں ہی کیے ڈال رہے تھے میں اڑ گئی۔ بھلا دیکھو تو سہی کہیں شادی بیاہ کا لطف وطن سے باہر بھی آیا ہے''۔ ایک خاتون جوان کی دولت سے کافی مرعوب دکھائی دے رہی تھیں انہوں نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی.....

''جی ہاں آپ نے یہ بہت اچھا کیا۔ بھلا دیس سے باہر شادی بیاہ کا کیا مزہ''

اور نفیسہ بیگم تو گویا کھل اٹھیں۔ انہوں نے بڑی محبت پاش نظروں سے ان خاتون کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا.....

''اے ہاں بہن جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا شادی بیاہ تو اپنے عزیزوں میں بھلے لگتے ہیں''۔

فریدہ نے نغمہ کو ٹھونکا دیا .....

''یہ خالہ جان کیسی باتیں کر رہی ہیں.....''

نغمہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

کار کے لمبے ہارن نے سمدھنوں کے آنے کی اطلاع دی۔ نفیسہ بیگم اپنے بھاری بھرکم وجود کو طلسمی مخمل کے دوشالے میں لپیٹیں بڑے دروازے کی طرف لپکیں۔ ان کے پیچھے پیچھے نجمہ بیگم معہ دو چار دوسری عورتوں کے تھیں۔

سمدھنوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ہال میں سب سے پہلے ریاض کی والدہ بیگم ادریس عالم داخل ہوئیں اور ان کا لمبا چوڑا ڈیل ڈول اور شاہانہ وقار ساری محفل پر چھا گیا۔ وہ بڑے وقار سے چلتی ہوئی صوفے کی طرف بڑھیں۔ ان کے ساتھ ساتھ ان کی بڑی بہو ارجمند بانو اور ان کی لڑکی فرحانہ تھیں۔ ارجمند بانو تو اپنی ساس کے قریب ہی صوفے پر جا بیٹھیں۔ فرحانہ نے ادھر ادھر دیکھ کر اپنے لیے کوئی موزوں جگہ تلاش کرنا چاہی۔ اور جب ریحانہ اور حسنہ کو بھی فریدہ اور نغمہ کے پاس بیٹھے دیکھا تو خود بھی وہیں آ گئی۔

ابھی انہیں کھل کر باتیں کرنے کا موقع بھی نہ ملا تھا کہ نفیسہ بیگم کی آواز نے نغمہ کو چونکا دیا۔ ان کے ساتھ ایک ملازمہ بڑا سا تھال لیے کھڑی تھی۔ جس پر ایک سرخ رنگ کا خوان پوش پڑا ہوا تھا۔

''لو بیٹی تم یہ سامان لے کر عائشہ کے پاس چلی جاؤ.....''

فریدہ اور نغمہ ملازمہ کو ہمراہ لے کر اندر کی طرف چلی گئیں.....

فریدہ اور نغمہ کو ملازمہ کے ہمراہ آتے دیکھ کر عائشہ کے عرصہ سے چھلکنے کے لیے بیتاب آنسو بہہ نکلے۔

''ارے ارے تم رونے لگیں۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ یہ تو ریاض بھائی

نے تمہیں مستقل اپنے ہاں بلانے کا انتظام کیا ہے" یہ کہتے کہتے نغمہ کی آواز بھی بھرا گئی تھی..... اور پھر خود بخود ہی اس کی آنکھیں چھلک آئیں....."

فریدہ نے ملازمہ سے تھال لے کر قریبی میز پر رکھ دیا۔

اور جب فریدہ اور نغمہ اور دوسری سہیلیاں عائشہ کو اپنے جلو میں حال کی طرف بڑھ رہی تھیں تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے چاند ستاروں کے جھرمٹ میں دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا ہے۔ عائشہ آتشیں رنگ کے بھاری غرارہ سوٹ میں بڑی پیاری دکھائی دے رہی تھی۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے کسی بہت ہی مقدس ہستی کو جنت کی حوریں اپنے حلقہ میں لیے چلی آ رہی ہیں۔ یا کسی قدیم معبد میں کنواری دیوداسیاں رقص کرتی ہوئی آگے بڑھی چلی آ رہی ہیں۔ چھوٹا سا آنچل اپنی روشن پیشانی پر گرائے عائشہ اپنی مدھ بھری آنکھوں پر دبیز پلکیں جھکائے درمیانی صوفے پر بیٹھ گئی جو پہلے ہی سے اس کے لیے وقف کر دیا گیا تھا۔

گو نفیسہ بیگم تو بڑے بڑے ارمان لیے ہوئے تھیں لیکن بیگم ادریس عالم کے کہنے پر منگنی کی یہ رسم بڑی مختصر کر دی گئی تھی۔ سب سے پہلے ارجمند بانو نے عائشہ کو داہنے ہاتھ میں پلاٹینم کی ہیرے والی انگوٹھی پہنائی۔ اور پھر ان کی ساس بیگم ادریس عالم نے ایک پوری طشتری روپے نچھاور کر کے نوکروں میں تقسیم کر دیے اور عائشہ کے ہاتھ میں ایک ریشمی رومال جس میں ایک ہزار روپے تھے تھما دیا۔

اس کے بعد مہمان خواتین نے حسب توفیق روپے نچھاور کیے۔ اور بڑی بوڑھیوں نے دلہا دلہن کی درازی عمر اور کامیاب زندگی کے لیے دعا کی۔

نفیسہ بیگم نے چائے کا بڑا ہی پر تکلف انتظام کیا ہوا تھا۔ اس پر تکلف عصرانے کے بعد کافی شام گئے تک مہمان خواتین ایک ایک کر کے رخصت ہوتی چلی گئیں۔ نغمہ نے فریدہ کو روک لیا تھا۔ اور نادرہ بیگم کو نجمہ بیگم نے روک لیا تھا۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

باب ۲

خیال تھا کہ عائشہ کی منگنی کے بعد نفیسہ بیگم کچھ دنوں کے لیے اطمینان کا سانس لیں گی ۔اور یہ تمام پھیلا ہوا نظام بھی قابو میں آ جائے گا۔لیکن وہ تو جیسے نچلا بیٹھنا ہی نہ جانتی تھی۔

اگلے دن رات کو جبکہ شہاب الدین کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے سگار پی رہے تھے نجمہ بیگم نفیسہ بیگم کے قریب ہی دیوان پر گاؤ تکیہ کے سہارے بیٹھی تھیں نادرہ بیگم دمہ کی مریض قریبی کرسی پر نیم دراز لمبے لمبے سانس لے رہی تھیں ۔ ان کی آنکھیں نیم بند تھیں۔ اور ان کی سرخ شال ان کے کندھوں پر جھول رہی تھی ۔ نفیسہ بیگم کے ہاتھ مسلسل سپاری کاتے چلے جا رہے تھے ۔کمرے میں سروتے کی آواز ایک خاصی ردھم پیدا کیے ہوئے تھی۔ نفیسہ بیگم سروتہ چاندی کے خاصدان میں رکھتی ہوئی بولی.....

''نجمی بہن خدا کے فضل و کرم سے اس کام سے فراغت ہو گئی۔اب تمنا ہے کہ میرے طاہر کا گھر بھی آباد ہو جائے''۔ نادرہ بیگم نیسہ بیگم کے الفاظ سن کر چونک گئیں۔ انکی نیم بند آنکھیں وا ہو گئیں۔ اور وہ کرسی پر قدرے سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

نفیسہ بیگم تھوڑی دیر تک خاموش نجمہ بیگم کا جواب سننے کے لیے ان کا چہرہ تکتی رہیں ۔لیکن جب انہیں خاموش پایا تو خود ہی بات آگے بڑھائی.....

''نجمی بہن اگر تم مجھے نغمہ سونپ دو ۔تو ساری عمر احسان مند رہوں گی میری تو

یہ خواہش ہے کہ دونوں شادیاں اکٹھی ہو جائیں.....''

نجمہ بیگم نفیسہ بیگم کے اس سوال کے لیے بالکل تیار نہ تھی۔ انہیں یہ خیال ضرور تھا کہ نفیسہ بیگم یقیناً اس مسئلہ پر ان سے بات کریں گی۔ لیکن یہ امید نہ تھی کہ یہ بس فوراً ہی انگل رکھ دیں گی۔ وہ بڑی حیرانی سے نفیسہ بیگم کا منہ تکتی رہ گئیں۔ پھر ان کی نگاہیں شہاب الدین کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ نادرہ بیگم نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کرسی پر پہلو بدلا۔

شہاب الدین نے اپنی بند آنکھیں ایک جھٹکے سے کھول دیں نجمہ بیگم کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر وہ جلدی جلدی سگار کے کش لینے لگے پھر مسکراتے ہوئے کہا.....

بڑا نیک خیال ہے تمہارا نفیسہ بیگم۔ اور مجھے بے حد خوشی ہے کہ تم دونوں شادیاں ایک ساتھ کر کے فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتی ہو۔ پھر کچھ توقف کے بعد بولے لیکن میں نغمہ کی شادی فی الحال ابھی نہیں کرنا چاہتا۔ یہ کام مسرور میاں کے آنے کے بعد ہی طے پائے گا''۔

نفیسہ بیگم نے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی انجان بن کر کہا ''تو میں مسرور میاں کی آمد کا انتظار کر لوں گی۔ لیکن شہاب الدین یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے.....''

نہیں نہیں نفیسہ بیگم آپ اپنا بنایا ہوا پروگرام خراب نہ کریں۔ طاہر کے لیے تو ایک سے ایک عمدہ لڑکی آپ کو مل سکتی ہے.....''

نجمہ بیگم نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ خود اس رشتے کو پسند نہ کرتی تھی۔ اور

نادرہ بیگم جن کو اس جواب سے از حد خوشی ہوئی اتنی خوشی کہ اندر ہی اندر دب کر رہ گئیں۔ لیکن نفیسہ بیگم جنہیں اس جواب کی قطعی امید نہ تھی۔ ان کا تو خیال تھا کہ ان کی بے شمار دولت اور شان و شوکت دیکھ کر شہاب الدین اور نجمہ بیگم تو فوراً حامی بھر لیں گے جز بز ہو کر بول اٹھیں۔

شہاب بھائی میرے طاہر میں کوئی عیب ہے کیا..... جو آپ نے ایک دم سوچے سمجھے بغیر ٹھکرا دیا۔ ان کی آنکھوں سے جھلمل جھلمل آنسو بہہ نکلے' اگر میرے عزیز اور رشتہ دار ہی یوں کورا جواب دے دیں تو پھر بھلا دور پار کے لوگ غم بٹائیں گے۔ وہ زور زور سے بین کرنے لگیں۔ سچ ہے آج کل تو خون ہی سفید ہوتا جا رہا ہے۔ وہ ڈوپٹہ منہ میں دے کر یوں بین کرنے لگیں جیسے انہیں بہت ہی بڑا صدمہ پہنچا ہے.....

شہاب الدین نے وہاں سے چلے جانے میں ہی بہتری سمجھی وہ اپنی لائبریری میں بیٹھے۔ انہیں یہ خیال پریشان کیے ہوئے تھا کہ بات زیادہ طول نہ کھینچ لے۔ نفیسہ بیگم کوئی اور قدم نہ اٹھائیں.....

نادرہ بیگم نے اٹھ کر نفیسہ بیگم کو دلاسا دیا۔

"ارے باجی آپ حوصلہ تو کریں۔ یہ شادی بیاہ کے جوڑ تو قسمت میں لکھے ہوتے ہیں۔ اس میں اپنوں پراؤں سے شکایت مناسب نہیں نفیسہ بیگم دوپٹہ سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولیں.....

"لیکن باجی کم از کم مجھے شہاب بھائی سے تو ایسے جواب کی توقع نہ تھی۔ انہوں

نے تو مجھے یوں دھتکار دیا جیسے میں نے چھوٹا منہ اور بڑی بات کہہ دی ہو۔ ان کے اس جواب نے تو مجھے بالکل ہی ذلیل کر کے رکھ دیا ہے۔

نفیسہ بہن نجمہ نے بڑے تحمل سے کہا ''وکیل صاحب کا مقصد تمہیں ذلیل کرنا نہیں تھا۔ یہ تو تم جانتی ہو کہ وہ کبھی کبھی بڑی سی بڑی بات پر فوراً ہی فیصلہ کر دیتے ہیں اور بعض اوقات چھوٹے چھوٹے مسئلے بھی وہ دنوں سوچتے رہتے ہیں''۔

''نجمی بہن''۔ نفیسہ بیگم اب قدرے سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ ''شادی بیاہ کے معاملے میں بیوی کی رائے وزنی ہوتی ہے۔ وہ یہ معاملات زیادہ آسانی سے طے کر لیتی ہیں۔ اب تم حیدر میاں کے پاپا ہی کو دیکھ لو انہوں نے بچوں کی شادی کا تمام بار میرے سر ڈال دیا ہے۔ عائشہ کا رشتہ میں نے ہی طے کیا۔ وہ تو منہ سے ایک لفظ بھی نہ بولے۔''

''یہ سب ٹھیک ہے'' نجمہ بیگم نے ویسے ہی تحمل سے جواب دیا لیکن نفیس بہن ''وہ تو نغمہ کو ڈاکٹر بنانا چاہتے ہیں۔ اور خود نغمہ کی بھی یہی خواہش ہے''۔

نجمی بہن۔ میں تو صاف بات کہنے سے ڈرتی نہیں۔ نفیسہ بیگم نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ اب تک تو ہمارے خاندان میں لڑکیوں نے نوکری کی نہیں۔ میرے خیال میں تو لڑکی اتنی پڑھی لکھی ہو کہ گھر گرہستی اچھی طرح سنبھال لے اور یہ کالج اور آزادی کے نتائج تو برے ہی ہوتے ہیں''

''میں یہ بھی مان لیتی ہوں'' نجمہ بیگم معاملہ کو زیادہ الجھانا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ بحث جلد از جدل ختم کرنا چاہتی تھیں ''لیکن زمانے کی روش کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ

لڑکیوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیم دی جائے۔

نجمی بہن میرے خیال میں تو وہی لوگ اپنی لڑکیوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیم دلاتے ہیں جنکی لڑکیوں کی شکل وصورت میں عیب ہو جسم میں کوئی نقص ہوتا کہ یہ تمام عیب تعلیم چھپا لے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تم نغمہ کو ڈاکٹر کیوں بنانا چاہتی ہو.....''۔

یہ تو نغمہ کی اپنی خواہش ہے اور نفیس بہن یہ تمہیں معلوم ہی ہے کہ وکیل صاحب نغمہ کو کتنا عزیز رکھتے ہیں۔ اس کی بڑی سے بڑی خواہش کو فوراً ہی پوری کرتے ہیں''۔

نجمی بہن اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم بھی شہاب بھائی کی ہی ہم خیال ہو۔ اگر تم ان پر دباؤ ڈالو تو معاملہ حل ہو سکتا ہے۔

نفیس بہن..... نجمہ بیگم نے مسکراتے ہوئے بڑے میٹھے لہجے میں کہا۔

تم جانتی ہو وکیل صاحب اپنے فیصلے کے کتنے اٹل ہیں.....

نادرہ بیگم نے بھی نجمہ بیگم کی ہاں میں ہاں ملائی۔

یہ سچ ہے باجی شہاب بھائی سے اب اس مسئلے پر بات کرنا فضول ہے۔ اگر آپ پھر کبھی اس موضوع پر بات کریں گی تو وہ اور بھی ضدی ہوتے چلے جائیں گے۔

دو تین دن گھر میں کشیدگی رہی۔ نفیسہ بیگم اکھڑی اکھڑی پھرتی رہیں۔ نجمہ بیگم سے سرسری گفتگو کرتیں زیادہ سے زیادہ نادرہ بیگم کے ہمراہ دکھائی دیتیں۔

طاہر بھی نغمہ سے کافی حد تک مایوس ہو چکا تھا۔ اور جب اسے پتہ چلا تھا کہ شہاب الدین نے نغمہ کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا ہے اب زیادہ سے زیادہ فریدہ میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ اگر نغمہ سنجیدگی اور بردباری کا مجسمہ تھی۔ تو فریدہ شوخ اور چنچل دیوی تھی۔ جو بات بے بات قہقہے لگاتی تھی۔ نغمہ کے حسن میں ایک ایسی اپنائیت اور ٹھنڈک تھی جس کی لذت کا احساس بڑی دیر میں ہوتا تھا۔ لیکن فریدہ کتابی چہرہ میں ایک ایسی کشش تھی کہ دیکھنے والا فوراً ہی اس کی طرف کھنچا چلا آتا۔ اور اس مقناطیسی کشش میں طاہر کھنچتا چلا جا رہا تھا۔ وہ دن بدن فریدہ کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

اور پھر ایک دن نفیسہ بیگم کے باقاعدہ اعلان نے نغمہ نجمہ بیگم اور شہاب الدین کے سروں پر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتار دیا تھا۔ انہیں وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ نفیسہ بیگم یوں آسانی سے ٹل جائیں گی۔

نادرہ بیگم کی گردن برادری میں اونچی ہو گئی تھی اور تمام خاندان فریدہ کی خوش نصیبی پر رشک کرنے لگا تھا۔

اب نفیسہ بیگم موقع بے موقع نغمہ پر تنقید کرتیں۔ اس کی ہر بات میں مین میخ نکالتیں۔ ادھر جو نغمہ اس بہت بڑی مصیبت سے نجات مل جانے پر خوش تھی۔ نفیسہ بیگم کے ریمارکس سے کچھ پریشان رہنے لگی تھی۔ عائشہ اور صالحہ کا رویہ ایسا ہی تھا شاید وہ خود ابھی تک اس زمرہ میں شریک تھیں اور اب تو طاہر بھی موقعہ بے موقعہ کوئی نہ کوئی چھپا ہوا فقرہ چست کر دیتا جس میں طنز اور شکوہ زیادہ ہوتا تھا۔ لیکن نغمہ

کے پاس ہر بات کا جواب ایک چپ تھی۔ وہ خاموشی سے سنتی سن کر مسکراتی اور پھر نظر انداز کر دیتی۔ اور جب ان ریمارکس کا زور زیادہ ہو گیا تو وہ کالج سے آنے کے بعد زیادہ سے زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی گزارتی اور اگر طبیعت زیادہ مکدر ہوتی تو نگار کے گھر چلی جاتی تھی۔ وہ خود بھی اب ہر ایک سے بے تعلق سی رہا کرتی تھی حتیٰ کہ عائشہ اور صالحہ سے بھی وہ کھانے کی میز پر ہی گفتگو کرتی تھی

ان دنوں تو وہ ویسے بھی بہت مصروف تھی کالج میں سالانہ میوزک کنسرٹ ہو رہا تھا انتظامیہ کمیٹی کی رکن کی حیثیت سے اسے شام گئے تک کالج میں ٹھہرنا پڑتا۔ چونکہ میوزک کنسرٹ کی تمام آمدنی ایسٹ پاکستان ریلیف فنڈ میں جاتی تھی لہٰذا اس کی تیاری زیادہ جوش وخروش سے ہو رہی تھی۔ کالج سٹوڈنٹ گھر گھر جا کر ٹکٹیں فروخت کر رہی تھیں۔

میوزک کنسرٹ میں ایک دن رہ گیا تھا۔ فیروزہ، عنبر، نرگس، بلقیس، جہاں آرا، اقبال جہاں، نگہت، نسرین، مہ جبین، نگار، اور کوثر سب ادھر ادھر کاموں میں مصروف تھیں۔ کوئی حال میں کرسیاں لگوا رہی تھی کوئی اسٹیج ٹھیک کروا رہی تھی۔ کوئی گملے قطار در قطار رکھوا رہی تھی۔ اور وہ گیٹ سے لے کر حال تک رنگ برنگی جھنڈیاں لگوا رہی تھی کہ نگار دوڑی دوڑی آئی.....

نغمہ نغمہ اسکی سانس بری طرح پھول رہی تھی۔ چلو پرنسپل نے بلایا ہے وہ اپنے کمرے میں انتظار کر رہی ہے۔

کیوں خیریت تو ہے کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔ اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑا کر

اطمینان کرنا چاہا پتا نہیں چپراسن آئی تھی فیروزہ عنبر نرگس تمہارا اور میرا پیشی کا پروانہ دے گئی ہے۔تو وہ تینوں کہاں ہیں؟ نغمہ نے مٹی سے لتھڑے ہوئے ہاتھوں کو کپڑے سے صاف کر کے کپڑا دور پھینکتے ہوئے پوچھا۔

وہ تینوں تو آفس کی طرف چلی گئی ہیں۔برآمدے میں ہمارا انتظار کریں گی۔ میں تمہیں بلانے ادھر چلی آئی.....

کوئی اور مصیبت آتی نظر آ رہی ہے۔نغمہ بددلی سے دوپٹہ کاندھے پر ٹھیک کرتی نگار کے ساتھ چل دی.....

آفس کے باہر وہ تینوں بھی مل گئیں وہ پانچوں پردہ اٹھا کر اندر چلی گئیں۔

اندر جیسے پرنسپل انہی کی منتظر بیٹھی تھی۔انہیں شارے سے کرسیوں پر بیٹھنے کے لیے کہا اور پھر دراز سے کچھ ٹکٹیں نکال کر نغمہ کے آگے ڈال دیں۔

''مس نغمہ''۔پرنسپل صاحبہ نے مسکراتے ہوئے کہا یہ پچیس روپے والی دس ٹکٹیں بقایا رہ گئی ہیں۔میرا خیال ہے کہ تم فی الحال انہیں بیچنے کا بندوبست کر ڈالو تو بہت اچھا ہوگا۔باقی یہاں کا سب کام میں خود کروالوں گی''۔

''جی بہت اچھا'' نغمہ کی گھٹی سی آواز سنائی دی لیکن وہ چاروں بالکل خاموشی سے اس کے ہمراہ نکل آئیں۔

یہ بیٹھے بٹھائے اچھی مصیبت گلے آن پڑی'' عنبر جھنجھلائی ہوئی سی بولی۔

جانے ان ٹکٹوں کے لیے کہاں کہاں مارا پھرنا پڑے گا پچھلی ٹکٹیں ہی بڑی مشکل سے بکی تھیں نرگس بھی پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

ارے پگلیو نغمہ نے مسکراتے ہوئے سب سے کہا ''خدا سچے دل سے دعا مانگو کہ کوئی کروڑ پتی ایسا عقل کا کچا مل جائے جو یہ تمام ٹکٹیں خرید لے سچے پروردگار تو ہی عزت دینے والا ہے نگار کے اس جملے پر ایک قہقہہ فضا میں ارتعاش پیدا کرتا چلا گیا۔

سیٹلائٹ ٹاؤن کی مختلف کوٹھیوں میں آٹھ ٹکٹیں تو بڑی جلدی سے بک گئیں۔ لیکن آخری دو ٹکٹوں کے لیے انہیں بڑی محنت کرنا پڑی۔ کتنی ہی کوٹھیاں چھان ماریں لیکن مایوس لوٹنا پڑا۔

فریئر روڈ کے کارنر پر ایک بڑی سی سفید کوٹھی دیکھ کر سب ہی ایک ساتھ چلائیں گاڑی ادھر گھماؤ نگار اس کوٹھی میں عنبر نے کوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''جل تو جلال تو مولا تو ہی عزت دینے والا ہے'' کہتے ہوئے نگار نے گاڑی کوٹھی کے گیٹ میں داخل کر دی۔ اور ابھی گاڑی پورٹیکو تک پہنچی بھی نہ تھی کہ ایک کالا السیشن نسل کا کتا بھونکتا ہوا استقبال کے لیے لپکا۔

نگار نے گاڑی پورٹیکو میں لے جا کر کھڑی تو کر دی۔ لیکن کتے کی وجہ سے سب ہی دم سادھے بیٹھی تھیں عنبر نے جلدی سے اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ بھی چڑھا دیا تھا۔

لو اب نکلتی کیوں نہیں جاؤ نہ اندر نگار نے عنبر کو ٹھونکا دیا۔ استقبال تو بڑے ہی شاندار طریقے سے ہوا ہے۔ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے۔ کہیں یہاں بھی کسی امریکن سے پالا پڑ گیا تو جان بچانی مشکل ہو جائے گی۔

کبھی تو چپ رہا کرو نگار نغمہ نے ذرا درشتی سے کہا۔

کتے نے کال بیل کا کام تو کر ہی دیا ہے دیکھیے اب پردہ عقب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی انگریز یا امریکن نکلا تو نگار ہی کو آگے کر دیں گے۔ عنبر کے جملہ پر نگار نے کوئی ریمارکس پاس کرنے ہی والی تھی کہ سائیڈ روم کا دروازہ کھلا اور ایک صاحب ہاتھ میں اخبار لیے نمودار ہوئے۔

پورٹیکو میں کار اور کار میں ایک نہیں اکٹھی پانچ لڑکیاں دیکھ کر وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹھک گئے۔ مالک کو دیکھ کر کتا پھر بھونکتا ہوا کار کی طرف لپکا۔

انہوں نے جلدی سے کتے کو پکارا۔

گو اوے پرنس (Go away Prince) کتا مالک کی آواز سن کر دم ہلاتا ہوا لان کے ایک گوشہ میں جا دبکا۔ وہ صاحب خراماں خراماں چلتے کار کے قریب آ گئے۔

کہیے آپ کو کس سے ملنا ہے؟

سب کی سب گنگ بیٹھی تھیں۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ بات شروع کیسے کریں۔ وائٹ ہل اوور اور اسٹیل گرے کلر کی پتلون میں وہ بڑا اسمارٹ دکھائی دے رہا تھا۔ کشادہ پیشانی بڑی بڑی آنکھیں ذہانت کی غمازی کر رہی تھیں۔ اس نے باری باری سب کے چہروں کا جائزہ لیا۔ اس کی اچٹتی نگاہ نغمہ کے چہرے پر جم کر رہ گئی۔

نگار اتنی دیر میں اپنے حواس پر قابو پا چکی تھی۔ یکدم بول اٹھی۔

جی دراصل ہمیں یہاں کسی سے ملنا ملانا تو نہیں ہے۔

اس نے شوخی سے مسکراتے ہوئے فوراً کہا ''لیکن ہماری کوٹھی میں کوئی پھلدار درخت نہیں۔میرا مطلب ہے بیر اور املی وغیرہ کے درخت بھی تو نہیں جو لڑکیاں بڑے شوق سے کھاتی ہیں''۔

''معاف کیجیے گا آپ کو غلط فہمی ہوگئی ہے' نگار کی آواز میں جھلاہٹ تھی۔

اس نے بڑے اطمینان سے آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا ''چلیے مان لیتے ہیں اور پھر ایک بھرپور نظر نغمہ کے چہرے پر ڈالتے ہوئے سوال کر ڈالا۔

''کیا میں آپ کی آمد کا مقصد جان سکتا ہوں؟''

''جی میں.....نغمہ کچھ بوکھلا گئی تھی'' جی ہم لوگ یہاں ٹکٹ فروخت کرنے کے سلسلے میں آئے ہیں۔کل شام ہمارے کالج میں میوزک کنسرٹ ہو رہا ہے نا''۔

نرگس نے جلدی سے ٹکٹوں والی کاپی کھول کر آگے بڑھا دی۔کہیے آپ کو کتنے ٹکٹ دے دوں۔

عنبر اپنے ہاف کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بڑے اطمینان سے بولی ''دو دے دو نا ایک ان کا اور ایک ان کی بیگم صاحبہ کا''۔

اس نے منہ سے تو کچھ نہ کہا اور مسکراتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

نرگس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سچ مچ ہی دونوں ٹکٹیں کاٹ کر اس کے ہاتھ میں تھما دیں۔

بہت بہت شکریہ آپ کی اس دعوت کا۔اس نے عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے

مسکرا کر کہا۔ اور پھر یکدم ہی اس کے چہرے پر افسردگی کھنڈ گئی۔ اسنے بڑے ہی ملائم لہجہ میں کہا۔

''اچھا ذرا آپ یہاں لان میں تشریف رکھیں۔ اور خود جلدی جلدی قدم اٹھاتا اندر چلا گیا۔ لان میں بڑی ہی خوبصورت لان چیرز بچھی ہوئی تھیں۔ لیکن وہ کار سے نکل کر لان میں نہ بیٹھیں۔ اس کے جاتے ہی نرگس یکدم بول اٹھی بڑی عجیب اور پراسرار شخصیت ہے۔

ہاں دیکھو تو کس مزے سے دونوں ٹکٹیں لے کر چلتا بنا۔ فیروزہ سے بھی چپ نہ رہا گیا۔

مجھے تو پچاس روپے ڈوبتے نظر آ رہے ہیں۔ عنبر نے ایک سرد آہ کھینچتے ہوئے کہا۔

جانے آج صبح کس کا منہ دیکھا تھا.....؟

''چپ بھی رہو کیا بک بک لگا رکھی ہے'' نغمہ نے گھورتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی ٹھیک ہے سب چپ چاپ بیٹھ جائیں عنبر کو تو جیسے بات کہنے کا موقع مل گیا تھا۔ یہ بنو کسی کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں وہ صاحب نغمہ کو کیسے گھور رہے تھے۔

کیوں تیری شامت آئی ہے عنبر کی بچی کبھی تو سنجیدہ رہا کرو۔ نغمہ کی نہ آنکھیں غصہ سے سرخ تھیں۔

ارے تم خواہ مکواہ لڑے جا رہی ہو۔ دیکھو تو کتنا پیارا اور خوبصورت باغ ہے۔

نرگس نے بات ٹالنی چاہی۔

لیکن یہ خیال رہے نگار نے ٹکڑا لگایا۔وہ صاحب پہلے ہی بتا گئے ہیں کہ یہاں کوئی پھلدار درخت نہیں ہے۔

''اس لیے انتقاماً یہ تمام پھول توڑ ڈالنے چاہئیں۔فیروزہ نے بڑی تمکنت سے کہا۔

وہ کالا السیشن دیکھا ہے۔وہ ہم سب کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے گا۔نرگس نے کتے کی طرف اشارہ کیا۔جولان میں بیٹھا اپنی لانبی زبان باہر نکالے انہیں کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا''۔

باپ رے باپ کیسی بھیانک آنکھیں ہیں۔اور کیسی ڈراؤنی شکل ہے۔ فیروزہ کو جھرجھری سی آ گئی۔

نگار کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن دروازہ کھلنے کی آواز پر سب اس طرف متوجہ ہو گئیں۔ایک دبلی پتلی معمر خاتون عنابی مخمل کا چست پاجامہ اور عنابی شال اوڑھے بڑی تمکنت سے چلتی ہوئی ان کی طرف بڑھیں۔

الٰہی خیر نگار نے جلدی سے کہا۔اب ان کے سامنے پیشی ہوگی۔جانے اب کی اہو۔کہتی ہوئی نگار کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی اس کی دیکھا دیکھی باقی سب بھی کار سے باہر نکل آئیں۔

ان کے چہرے پر مغلیہ عہد کی ملکہ کا سا رعب اور جلال تھا۔ان کی چال میں ٹھہراؤ اور وقار تھا۔ان کے قریب آتے ہی سب کے منہ سے ایک ساتھ آداب

نکل گیا۔

جواب میں بہت سی دعائیں دیتی ہوئی بولیں آیئے اندر چل کر بیٹھیں۔

نغمہ یکدم گھبرا اٹھی نہیں آنٹی آپ کا بہت بہت شکریہ۔ وہ صرف ہمیں تو صرف ان دو ٹکٹوں کے پیسے لینے ہیں۔ نغمہ کی اس بوکھلاہٹ پر وہ خاتون مسکرا دیں۔

گھبراؤ نہیں بیٹی پیسے بھی مل جائیں گے۔ آپ لوگ اندر تو چلیں۔ کم از کم ایک ایک پیالی کافی تو پی لو۔ جانے تم کب سے اسی طرح گھوم رہی ہو گی۔

سب نے ہی ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا نگار اس مرتبہ بول پڑی

"نہیں آنٹی بھلا اس تکلیف کی کیا ضرورت ہے۔ ہمیں اجازت دیجیے ہم نے ابھی بہت سی ٹکٹیں فروخت کرنی ہیں۔

اور جیسے وہ صاحب اندر دروازے پر کھڑے ان کی باتیں سن رہے تھے فوراً ہی نمودار ہوتے ہوئے بولے۔

"آیئے آپ لوگ اندر تشریف لے آئیں۔ کافی ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اور ایک دفعہ نگاہیں پھر نغمہ کی نگاہوں سے جا ٹکرائیں نغمہ اس بار بار تصادم سے گھبرا گئی تھی۔ اس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ اور پیر کے انگوٹھے سے زمین کریدنے لگی۔

نرگس کو جانے کیا سوجھی آؤ بھئی جب آنٹی اتنے پیار سے دعوت دے رہی ہیں تو کافی پی ہی لیتے ہیں.....

نغمہ نے نرگس کو گھورا۔ لیکن وہ شان بے نیازی سے قدم اٹھاتی برآمدے کی

سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔اس کے ساتھ ساتھ وہ معمر خاتون تھیں۔ان کے پیچھے عنبر اور فیروزہ تھیں۔نگار نے دھیرے سے نغمہ سے کہا۔

''اب چلو بھی کہ یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے''۔

وہ اور عنبر جواب دیے بغیر اس کے ساتھ چل دی۔ڈائننگ حال قیمتی فرنیچر اور عمدہ قالینوں سے آراستہ تھا۔مینٹل پیس کے اوپر ایک ہی لمبا چوڑے فریم والا آئینہ سجا ہوا تھا۔آئینہ میں دونوں کی نظریں ایک دفعہ پھر آپس میں الجھ گئیں۔اور اس مرتبہ نغمہ اتنی بوکھلائی کہ جلدی سے قریبی کرسی میں لڑھک گئی۔

کافی کے دوران وہ خاتون جانے کتنے ہی سوال کرتی رہی۔لیکن نغمہ خاموش خالی الذہن بیٹھی تھی۔وہ نہ تو کچھ سوچ رہی تھی اور نہ ہی اس کا ذہن حاضر تھا۔اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔وہ بھی حیران تھی۔کہ نہ جانے ان دو آنکھوں میں ایسی کیا بات ہے کہ جب وہ اسے گھورتی ہیں تو ایک بڑا ہی پر اسرار سا کیف اس کی رگ رگ میں دوڑتا چلا جاتا ہے۔وہ یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی۔

کافی پیتے ہی نغمہ اٹھ کھڑی ہوئی اسے دیکھتے ہی سب اٹھ گئیں۔وہ صاحب جلدی سے اٹھ کر نغمہ کے قریب آ گئے انہوں نے سو سو کے دس نوٹ نغمہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

یہ ایسٹ پاکستان ریلیف فنڈ کے اس فنکشن کے لیے ڈومینیشن کا حقیر تحفہ میری طرف سے قبول فرمائیں نغمہ کو سوائے روپے لینے کے اور کچھ سوجھائی نہ دیا۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ میں اپنی تمام یونین کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا

کرتی ہوں کہ آپ نے دل کھول کر اجڑے خاندانوں کی مدد کی ہے''۔

''آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں یہ تو ہم سب کا فرض اولین ہے۔ کہ ہم اپنے بھائیوں کی مدد کریں۔ لیکن مجھے ایک بات کا افسوس رہے گا کہ میں آپ کے کالج کا یہ فنکشن اٹینڈ نہ کر سکوں گا''۔

''جی کیوں؟'' بے تابی ہی میں نغمہ کے منہ سے نکل گیا۔ پھر بھلا آپ اتنے روپے کیوں ضائع کر رہے ہیں''۔

وہ مسکرا دیا ''روپے ضائع کہاں کر رہا ہوں بلکہ میں تو ایک کار خیر میں اپنی سکت کے مطابق حصہ دے رہا ہوں.....''

نغمہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی اور گردن نیو ہڑا کر وہاں سے آگے کھسک لی وہ خود حیران تھی کہ وہ کیا کہہ بیٹھی ہے.....

وہ اس کے ساتھ ہی قدم بڑھاتا ہوا باہر تک آیا۔ معمر خاتون بھی ہمراہ تھیں۔ وہ نگار عنبر کے ساتھ چل رہی تھیں۔ اور وہ جب سب کار میں بیٹھنے لگیں تو نگار کو اچانک ہی خیال آ گیا۔

''اوہ ہمیں آپ اپنا نام اور ایڈریس تو دے دیجیے ڈونیشن کی لسٹ میں آپ کا نام بھی تو پرنٹ کرانا ہو گا''۔

میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا ویسے اگر آپ ضروری سمجھتی ہیں تو بیگم صادق کمال کے نام سے یہ ڈونیشن سمجھ لیں۔ وہ معمر خاتون بھی مسکرا دیں اس نے مسکراتے ہوئے کار کا دروازہ کھول دیا جس

طرف نغمہ کھڑی تھی۔

''بیٹھیے'' اس نے دھیرے سے کہا اور نغمہ شرما کر رہ گئی۔ اس کا چہرہ حیا سے تمتما اٹھا اس نے ادھر ادھر دیکھا سب کار میں بیٹھ رہی تھیں۔

کار کے گیٹ سے نکلتے ہی نرگس ہاتھ نچا کر کہنے لگی۔

''خوب بہت خوب ارے غضب خدا کا وہ صاحب تو ایک نظر دیکھتے ہی نغمہ پر فریفتہ ہو گئے۔ بات بات میں نچھاور ہوئے جا رہے تھے۔ جیسے ہم لوگ تو وہاں تھے ہی نہیں۔ یہی تو ایک تھیں''۔

نغمہ جھلا اٹھی ''تمہیں سوائے بکواس کرنے کے اور کچھ آتا بھی ہے''۔

عنبر نے لقمہ دیا ''نرگس ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے۔ آنٹی آنٹی کہہ کر بری بی کو سر چڑھا لیا۔ اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کے بیٹے کو جانے کیا گھول کر پلا دیا کہ ہزار روپے بھی ہتھیا لیے۔ اور حسن کا گھائل بھی بنا دیا۔ اب ہمیں خواہ مخواہ آنکھیں دکھا رہی ہے۔''

نغمہ تلملا کر رہ گئی۔ اس کی بادامی آنکھیں غصے سے سرخ تھیں۔

''اگر تم لوگ یہ بیہودہ بکواس بند نہ کرو گی تو میں یہیں گاڑی سے اتر جاؤں گی''۔

''اللہ رے جذبہ عشق'' فیروزہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ اسے کہتے ہیں پہلی نظر میں گھائل ہو جانا۔ دیکھو ابھی سے دل مچل رہا ہے کہ اتر کر واپس پہنچ جاؤں روک گاڑی نگار اور اتار دو لیلیٰ کو گاڑی سے تا کہ پہنچ جائے اپنے مجنوں

کے پاس''۔

فیروزہ کے اس ڈرامائی انداز سے نغمہ بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکی۔

تم تو پکی چڑیل ہو تم سے تو خدا بچائے نغمہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

جی ہاں جو دل کی بات پکڑے وہی چڑیل میں کیوں چڑیل ہوتی۔ فیروزہ نے دو بہ دو چٹک کر کہا۔

''ویسے خواہ کچھ بھی کہہ لو'' نگار نے سامنے سڑک پر اپنی نظریں جمائے رکھتے ہوئے کہا ''اگر نغمہ ہمارے ساتھ نہ ہوتی تو وہ صاحب ہمیں گیٹ سے ہی بھگا دیتے۔ یہ ڈونیشن تو اس کی ہی وجہ سے ملی ہے''۔

''اب تم بھی اڑانے لگی ہو'' نغمہ نے نگار کے چٹکی بھری۔

''ارے ظالم چھوڑ۔ دیکھ سامنے ٹریفک شروع ہو گئی ہے۔ کہیں اسٹیرنگ بے قابو ہو گیا تو.....'' نگار نے سیٹ پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ اور پھر بڑی دیر تک اپنی ران سہلاتی رہی جہاں نغمہ نے چٹکی بھری تھی۔

گرلز کالج فار وومن کی وہ شام بڑی ہی حسین اور دلفریب تھی۔ میوزک کنسرٹ کی تیاری میں کالج کی تمام عمارت دلہن کی طرح سجائی گئی تھی۔ کالج گیٹ رنگ برنگے قمقموں سے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ اور چھوٹے چھوٹے رنگ برنگے بلب دور دور درختوں میں الجھے ایک عجیب بہار دے رہے تھے۔ عمارت کی گنبد پر رکھی ہوئی فلڈ لائٹ نے آسمان کو روشن کر دیا تھا۔ مہمانوں کی رنگ برنگی چھوٹی بڑی کاریں دور دور تک سڑک کے کنارے کھڑیں اس رونق کو اور بھی دوبالا کر رہی تھیں۔

اندر ہال میں بڑا ہی عجیب سماں تھا۔ زرق برق لباس اور سوٹ بوٹ سے ہال قوس قزح بنا ہوا تھا۔ اور فضا میں بھینی بھینی خوشبو سے الجھی ہوئی سگار اور سگریٹ کی خوشبو نے دھوپ چھاؤں کا سا منظر پیدا کر دیا تھا۔

گیسٹ آؤ آنر کے آتے ہی پروگرام کی ابتدا کر دی گئی۔ ایک ایک کر کے بہت سے آرٹسٹ اپنے فن کا مظاہرہ کر چکے تھے۔ نگار کی غزل نے محفل میں رنگ بھر دیا تھا۔ ریڈیو آرٹسٹ نیلو کا گیت بھی بڑا مقبول ہوا۔ اسے تو ایک گیت اور سنانا پڑا تھا۔ نغمہ گرین روم میں بیٹھی اپنی باری کا انتظار کر رہی تھی۔ سب سے آخری آئٹم اس کی تھی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ آج ستار نہ بجا سکے گی۔ وہی ستار جس پر اس نے بڑے بڑے میوزک کانسرٹ میں پرائز لیے تھے اس کے سامنے پڑی تھی۔ لیکن وہ یوں محسوس کر رہی تھی کہ جیسے وہ آج اسے سنبھال بھی نہ سکے گی۔ جانے اسے کیا ہو گیا تھا۔ اس پر ایک عجیب سی اضطرابی کیفیت طاری تھی۔ اور اس نوجوان کا خاکہ بار بار اس کے پلکوں کے لطیف دوش پر جھول جاتا۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ ہال میں ہوا تو وہ ستار کے سر بھی درست نہ کر سکے گی۔ اسی ادھیڑ بن میں اسے مائک پر اپنا نام سنائی دیا۔

اب نغمہ شہاب ستار پر خیال مالکوس سنائیں گی۔

ہیر ہیر ہال تالیوں سے گونج اٹھا وہ جانتی تھی کہ یہ ان لوگوں کی آواز ہے جو اسے مختلف میوزک کانسرٹ میں سن چکے ہیں۔ وہ چونک کر اپنی جگہ سے اٹھی اور ستار اٹھا کر ساڑھی کا آنچل درست کرتی ہوئی وہ اسٹیج پر چلی آئی۔

سامنے پردہ ڈراپ تھا۔مسز عباس سٹیج سیکرٹری نے مسکراتے ہوئے اسے خوش آمدید کہی۔اس نے بیٹھتے ہوئے کہا ابھی پردہ نہ اٹھوایئے ۔پہلے میں سر درست کر لوں۔

نہیں انہوں نے سرگوشی کی پبلک شور مچائے گی۔زیادہ دیر تک پردہ نہیں گرا سکتا۔انہوں نے اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر پردہ کھینچنے کا اشارہ کر دیا۔

اس نے ایک نظر تمام ہال میں دوڑائی لیکن وہ اسے کہیں دکھائی نہ دیا۔پھر اس کی نگاہیں سٹیج کے عین سامنے بچھے ہوئے صوفوں کی قطار پر ٹک گئیں۔وہ دونوں صوفے ابھی تک خالی پڑے تھے جو اس کے لیے ریزرو تھے۔اسے ایک دھچکہ لگا ایک ہوک سی اٹھی۔دل کے کسی گوشے نے سرگوشی کی۔کاش وہ یہاں ہوتا۔اور اپنے دل کی اس آواز پر وہ خود ہی پریشان ہوگئی۔ذہن میں ایک کھلبلی سی مچی ہوئی تھی۔اور اس کی عدم موجودگی سے اسکا دل بجھ گیا۔سامعین اس طویل خاموشی سے ذرا بے چین ہونے لگے تھے۔اس نے بددلی سے ستار کاندھے سے لگا کر مضراب انگلی میں پہنی طبلہ نواز سنبھل کر بیٹھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ سروں کو طبلے کی سنگت پر درست کرتی رہی۔اور پھر تاروں سے بہت ہی پرسوز دھن نکلنے لگی۔آنکھیں بند کیے ستار پر جھکی وہ یوں بیٹھی دکھائی دے رہی تھی جیسے کسی قدیم معبد میں کوئی دیوداسی اپنے دیوتا کے چرنوں میں بیٹھی سنگیت رتنا کا ریاض کر رہی ہو۔تاروں پر اس کی سپید سپید خروطی انگلیاں تھرک رہی تھیں۔تمام ہال کی فضا ساکت تھی۔اور اس پرسکون ماحول میں تاروں سے نکلتی

ہوئی اس دھن نے لوگوں کو مسحور کر دیا تھا۔ ساز کے بند ہوتے ہی ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

ونس مور ونس مور تالیوں کی گونج میں آوازیں سنائی دینے لگیں۔

پھر اسی وقت پھر دل کے کسی گوشے نے سرکشی کی کاش وہ بھی اس وقت یہاں ہوتا اور اگر وہ بھی ونس مور کہتا تو اس نے سر جھٹک کے اس خیال کو ذہن سے نکال دینا چاہا۔ اور ستار سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

ونس مور اسے اٹھتے دیکھ کر ہال کے ایک کونے سے پھر ایک آواز سنائی دی۔

وہ واپس جانے کے لیے مڑی تھی کہ مائک پر دوبارہ اپنا نام سن کر گھبرا گئی۔

مسز عباس اسٹیج سیکرٹری اناؤنس کر رہی تھیں۔

پبلک کے پر زور اصرار پر نغمہ شہاب سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ کچھ اور سنائیں۔

''نہیں نہیں'' اس نے سٹیج سیکرٹری سے درخواست کی۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں نے تو یہی بڑی مشکل سے بجایا ہے۔ اور اس مرتبہ وہ سٹیج سیکرٹری کے جواب کا انتظار کیے بغیر اسٹیج سے چلی آئی۔

میوزک کانسرٹ کے خاتمہ پر جب وہ بیسٹ پرفارمنس پر فرسٹ پرائز حاصل کر کے سٹیج سے اتر رہی تھی تب بھی دل کے اسی سرکش گوشے نے سرگوشی کی۔

''کاش وہ موجود ہوتا''۔ اور وہ خود بخود خیالات کی اس آنکھ مچولی سے جھنجھلا گئی لیکن اب تو یہ آرزو جیسے اس کے سینے میں ہی ہلچل مچائے ہوئے تھی۔ وہ

میوزک کانسرٹ ایوارڈ لے کر گرین روم میں چلی آئی۔ وہاں اسے نگار نہ ملی تو اس کی تلاش میں وہ پھر ہال کی طرف نکل آئی.....

میوزک کانسرٹ ایوارڈ ہاتھوں میں اٹھائے رنگ برنگے قمقموں سے گزرتی ہوئی وہ کسی ماہر سنگتراش کا شاہکار دکھائی دے رہی تھی۔

''سنیئے'' وہ چونک پڑی۔

وہ صنوبر کے درخت کے قریب کھڑا تھا۔ اس کو ٹھہرتے دیکھ کر وہ اس کے قریب آ گیا۔

ڈارک کلر کے سوٹ میں وہ بہت ہی حسین اور وجیہہ دکھائی دے رہا تھا۔

آپ بہت عمدہ ستار بجاتی ہیں۔ میری طرف سے دلی مبارکباد قبول کیجیے۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی'' وہ ہکلا گئی۔ اس کی مسکراتی آنکھوں کی تاب نہ لا کر اس نے نگاہیں نیچی کر لیں اور جب دوبارہ نظریں اٹھائیں تو وہ جا چکا تھا۔ جیسے وہ ہوا کا ایک بہت ہی لطیف جھونکا تھا۔ جو اس کے دل کے تاروں کو جھنجھوڑ کر چلا گیا ہو۔

''وہ ہال میں موجود تھا'' دل کے اسی سرکش گوشے سے آواز آئی۔ اور وہ خود بخود مسکرا دی۔ اسے اپنا بدن ہلکا پھلکا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے اس کی تمام کدورت دور ہو گئی ہو۔ وہ مسکراتی ہوئی اپنی کار میں آن بیٹھی۔

دوسرے دن صبح نغمہ ابھی بستر ہی میں تھی۔ کہ اسے گھر میں اجنبی آوازیں سنائی دیں۔ عائشہ اور صالحہ کی آوازوں سے ملا جلا شور اس کے کمرے سے دور ہوتا چلا

گیا۔ باوجود اس کوشش کے بھی وہ یہ نہ سمجھ سکی کہ صبح صبح یہ کون مہربان آن وارد ہوئے ہیں۔ اس نے کروٹ بدل کر پھر سو جانا چاہا لیکن سامنے وارڈ روب پر لٹکی ساڑھی نے وہی کل کی حسین رات اس کے سامنے لا کھڑی کی.....

ڈارک کلر میں ایک وجیہہ سا خاکہ اس کی نظروں میں گھوم گیا۔ جو اسے برے ہی عجیب انداز میں مسلسل گھورے جا رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اب بھی اس کے عارض اس کی نگاہوں کی تپش سے تمتما اٹھے ہیں۔ اس کے انگ انگ میں میٹھا سا درد اٹھنے لگا۔ اس سے عائشہ نے اپنے ریڈیو کو فل والیوم پر آن کر دیا۔ ریڈیو سیلون سے لتا گا رہی تھی۔

چھوٹی سی دنیا پہچانے راستے ہیں۔
کہیں تو ملو گے کبھی تو ملو گے
تو پوچھیں گے حال

تب اسے اچانک ہی خیال آیا۔ جیسے یہ گانا لتا اسی کے لیے گا رہی ہے۔ یہ اس کے اپنے ہی دل کی آواز ہے۔

اجنبی.....! دل کے اسی سرکش گوشے نے سرگوشی کی۔

اور اسی لمحہ بوا نصیبن کی آمد نے اس کے حسین خیالات کا آئینہ چور چور کر دیا۔

بیٹا رانی صاحب یاد کر رہے ہیں۔

اچھا وہ انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی یہ صبح صبح کون آ گیا ہے بوا.....؟

منے میاں آئے ہیں بیٹا۔ وہی اپنے ہندوستان والے بوا نصیبن نے اپنی گرم

چادر کو اپنے جسم کے چاروں طرف اچھی طرح لپیٹتے ہوئے کہا۔

ڈریسنگ گاؤن کی ڈوری باندھتے باندھتے اس کے ہاتھ یکدم رک گئے۔اور حیرت سے منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

بوا صبین نے نغمہ کی حیرت پر کوئی توجہ نہ دی۔وہ اپنی ہی دھن میں کہے جا رہی تھی۔

اور ان کے ساتھ ان کی بہن بھی آئی ہیں۔اللہ رکھے دو بچوں کی ماں ہو گئی ہیں۔لیکن ابھی خود بھی بچہ ہی معلوم پڑتی ہیں.....

نغمہ کو منے خاں کے نام سے ہی چڑ تھی۔اور اس بے وقت کی آمد نے تو اسے اور بھی بوکھلا دیا تھا۔

خدا جانے یہ مصیبت اب کب تک یہاں رہے گی۔وہ بڑبڑاتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی۔

منے خان نغمہ سے دور پار کے رشتہ سے بھتیجے لگتے تھے۔عمر میں تین سال بڑے تھے۔یہی وجہ تھی کہ وہ خود کو نغمہ کے امیدواروں کی فہرست میں شامل کیے ہوئے تھے۔ہر سال وہ اسی غرض کی خاطر ایک دو حاضریاں ضرور دے جایا کرتے تھے۔کئی مرتبہ انہوں نے نغمہ سے بے تکلف ہونے کی کوشش بھی کی لیکن نغمہ بری خوبصورتی سے طرح دے جاتی تھی۔

اس مرتبہ منے خان کے تیور ذرا بدلے دکھائی دے رہے تھے۔وہ اب کے حمایت اور ڈھال کی صورت میں اپنی بہن کو ساتھ لائے تھے۔وکیل صاحب نے

منے خان کو پوری پوری امید تھی ۔ کیونکہ وہ بیچارے بڑی مروت سے پیش آتے تھے ۔ اور دوسرے کبھی کبھار بذریعہ خط خیر خیریت بھی پوچھ لیا کرتے تھے ۔ اور جب پارسال منے خان کو وکیل صاحب نے پاکستان ہی کی سکونت اختیار کرنے کو کہا تھا تو منے خان کو مارے خوشی کے کئی ہفتے نیند نہ آئی تھی ۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اب قسمت نے پلٹا کھایا ہے ۔ لیکن اچانک ہی انہیں جائیداد اور دیگر بہت سے معاملات کے لیے ہندوستان جانا پڑا ۔ اور پھر وہ ایسے گئے کہ آج لوٹے تھے ۔

نغمہ جس وقت ڈائننگ روم میں پہنچی تو ٹیبل پر سب ہی موجود تھے ۔ وکیل صاحب طاہر اور حیدر بڑے انہماک سے منے خان کی باتیں سن رہے تھے ۔ عائشہ اور صالحہ فریدہ اپنی ہنسی ضبط کیے بیٹھی تھیں ۔ نجمہ بیگم اور نادرہ بیگم کے ہونٹ مسکرا رہے تھے ۔ نفیسہ بیگم اپنے ہی خیالات میں گم بیٹھی تھیں ۔ خوشنود اپنے گود کے بچہ کو چمچہ سے چائے پلانے میں مصروف تھی ۔

نغمہ کی آہٹ پر منے خان کے الفاظ حلق میں ہی اٹک کر رہ گئے تھے قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبان پر قفل پڑ گیا تھا ۔ اس کی بوکھلاہٹ پر طاہر اور حیدر بے اختیار ہنس دیے ۔ عائشہ اور صالحہ نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا ۔ نغمہ نے منے خان کی طرف بالکل کوئی توجہ نہ دی ۔ وہ بڑے اطمینان سے سلام کر کے صالحہ کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی ۔ اس کے چہرے پر بیزاری کے آثار نمایاں دکھائی دے رہے تھے ۔ نجمہ بیگم یکدم پوچھ بیٹھیں ۔

کیوں بیٹی طبیعت تو ٹھیک ہے نا کچھ تھکی تھکی سی دکھائی دے رہی ہو ۔

نہیں امی بالکل ٹھیک ہوں اس نے چہرے پر بشاشت پیدا کرتے ہوئے کہا۔

کل کا فنکشن کیسا رہا بیٹی؟ شہاب الدین نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

بڑا ہی ونڈرفل اور کامیاب پروگرام تھا ابو مجھے افسوس ہے کہ گھر کا کوئی فرد بھی شریک نہ ہو سکا۔

صالحہ یک دم بول اٹھی۔

ممی سے تو میں نے بہتیرا کہا تھا کہ ریاض بھائی کو انگوٹھی پہنانے کی رسم کسی اور دن ادا کر لیں گے۔ ڈیٹ تبدیل کر دو لیکن وہ مانی ہی نہیں۔

تم دیوانی ہو گئی ہو صالحہ۔ نفیسہ بیگم نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا شادی بیاہ کوئی گڑیوں کا کھیل ہے کہ جب جی چاہا رچا لیا۔ بھلا میں اتنی عرصہ سے رکھی ہوئی تاریخ میراثیوں کے پروگرام کے لیے کیسے بدل سکتی ہوں۔

نجمہ بیگم شہاب الدین اور نغمہ کو نفیسہ بیگم کا یہ اعتراض اور فقرہ بہت برا لگا۔ نغمہ کا تو خون کھول اٹھا۔ لیکن وہ سب ہی جانتے تھے کہ کھسیانی بلی کھمبا نوچ رہی ہے۔

سچ کتنا اچھا ہوتا اگر چہ نفیسہ خالہ ایک دن ..... لیکن خوشنود کے بقیہ الفاظ حلق ہی میں اٹک کر رہ گئے۔ ان کے بچہ رشو کے ہاتھ سے سیٹ کی پیالی چھوٹ کر زمین پر آ رہی تھی۔

چھناک ..... پیالی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گئی۔

ابے سالے الو کے پٹھے منے خان کو یکدم طیش آ گیا۔ دو منٹ اطمینان سے

نہیں بیٹھتے۔انہوں نے اپنی گول گول سرخ آنکھوں سے بچہ کو گھورا۔وہ بیچارہ سہم کر ماں سے لپٹ گیا۔تمام محفل پر سناٹا چھا گیا موضوع گفتگو یکدم بدل گیا تھا۔

خواہ مخواہ بچہ کو ڈانٹ دیا۔نجمہ بیگم نے رشو کو قریب بلا کر پیار کرتے ہوئے کہا۔

کیا ہوا جو پالی ٹوٹ گئی.....

طاہر اور حیدر منے خان کی زبان دانی پر حیران و پریشان بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے انہیں اب یقین ہو چلا تھا کہ منے خان بچارے نفسیاتی طور پر کمزور ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ جلدی جھلا اٹھتے ہیں۔اور طاہر جو ایسے موقعوں کا ہمیشہ منتظر رہتا تھا۔اپنے ذہن میں منے خان کو اڑانے کی ترکیبیں سوچنے لگا کھانے کی ٹیبل کی فضا مکدر ہو گئی تھی۔

شہاب الدین ناشتہ سے فارغ ہو کر کچہری چلے گئے۔نجمہ بیگم دوپہر کے کھانے پکانے کا انتظام کرنے کے لیے باورچی خانے میں جا چکی تھیں۔ان کے پیچھے پیچھے خوشنود بھی اٹھ کر چل دی۔نفیسہ بیگم اور نادرہ بیگم تخت پر جا بیٹھیں۔طاہر سب کو لے کر مشرقی کاری ڈور میں چلے آئے ان کے ذہن میں چیونٹے رینگ رہے تھے۔وہ نہ چاہتے تھے کہ منے خان جیسا گاؤدی گھر میں موجود ہو اور وہ ادھر ادھر چکر کھاتے پھریں۔

ہاں تو منے خان صاحب طاہر نے سگریٹ کی ڈبیا منے خان کی طرف بڑھاتے ہوئے بڑے محبت بھرے لہجہ میں کہا۔

آپ اپنے تربوزوں اور خربوزوں کے کاروبار کے متعلق کچھ فرما رہے تھے۔

سگریٹ کی ڈبیا اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر تو وہ نہیں نہیں طاہر صاحب میں سگریٹ نہیں پیتا کہتے ہوئے بالکل لڑکیوں کی طرح شرما گئے۔ نغمہ عائشہ فریدہ اور صالحہ اس لجاجت پر مسکرا دیں۔

ارے واہ خان صاحب آپ نے بھی حد کر دی۔ یہ تو آج کل کی سوسائٹی کا تقاضہ ہے۔ چلیے آج کم از کم میری خاطر ہی پی لیں۔ طاہر کی آواز میں بڑی گھمبیرتا تھی۔

لے لیجیے خان صاحب حیدر نے لقمہ دیا۔ مجھے تو طاہر بھائی پینے نہیں دیتے ورنہ میرا جی تو بے حد چاہتا ہے۔

جی منے خان نے حیرت سے طاہر اور حیدر کی طرف دیکھا۔ اور جلدی سے ہاتھ بڑھا کر ڈبیا سے سگریٹ نکال لی۔

ویری گڈ طاہر نے نعرہ مارا۔ اب محفل کا لطف آئے گا۔ جب تک سگریٹ پینے والا ساتھی نہ ملے گفتگو بور رہتی ہے طاہر نے ماچس جلا کر پہلے منے خان کا سگریٹ سلگوایا اور پھر خود سگریٹ جلا کر ایک لمبا سا کش لیتے ہوئے کہا۔

ہاں تو خان صاحب وہ بات پھر ادھوری رہ گئی۔ آپ تربوزوں کی ویگن کے بارے میں بتا رہے تھے۔

اور خربوزے بھی تو تھے۔ اس ویگن میں طاہر بھائی حیدر نے بڑی سنجیدگی سے کہا

سب لڑکیاں مسکرا دیں۔

منے خان نے سگریٹ کا پہلا کش ہی اس بھونڈے طریقے سے لگایا کہ بے اختیار کھانسی اٹھنے لگی۔ آنکھوں سے پانی بہہ نکلا۔ جب طبیعت ذرا سنبھلی تو منے خان نے کرسی پر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

کیا بتاؤں طاہر بھائی پچھلے سال تربوزوں کی وہ فصل ہوئی تھی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ پورے ڈیڑھ مربع زمین پر تربوز لگوائے تھے۔ اور کوئی تین تین من کا ایک ایک تربوز ہوا تھا۔ انہوں نے سگریٹ کا کش لیا پھر تھوڑی دیر کے لیے انہیں کھانسی سے دوچار ہونا پڑا ہاں وہ لمبے لمبے سانس لیتے بولا۔

میں بتا رہا تھا کہ تربوزوں کی فصل اچھی ہوئی تھی اور یہ عالم خربوزوں کا تھا۔ قسمت اپنی اچھی تھی کہ ایک مدراسی خریدار مل گیا پانچ ویگنیں تربوز اور ایک ویگن خربوزے میں مجھے ساڑھے چار ہزار روپے منافع ہوا تھا۔

سچ حیدر کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

منے خان نے گھورتے ہوئے کہا۔ تو کیا ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ ارے میاں ان ہاتھوں سے لاکھوں روپیہ کمایا ہے اور لاکھوں روپیہ اجاڑا۔ یہ تو ابھی میں نے ایک بزنس کا نفع بتایا ہے۔ مجھے پارسال خربوزے اور تربوز کی فصل میں کل ملا کر تیرہ ہزار کا فائدہ ہوا تھا۔

مان گئے خان صاحب طاہر بھائی نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔ بھئی ہم تو ایمان لے آئے آپ کی بزنس پر صاحب آپ نے تو کمال کر دیا۔ ایک فصل میں تیرہ ہزار بنا لیے۔

جی ہاں طاہر بھائی بس بزنس کے چند نکتے ہوتے ہیں۔ جو انسان بزنس کی اونچ نیچ سمجھ لے بزنس مین بن گیا۔ بڑے جگرے کا کام ہے۔ مال دیکھے بغیر سودا کر لینا اور ایک جگہ سے سودا کر کے دوسری جگہ سودا چکا دینا بڑے بڑے طریقے ہیں بزنس کے۔

حیدر بڑی محویت سے ان کی باتیں سن رہا تھا اور وہ چاروں بور ہو رہی تھیں۔

لیکن خان صاحب ابھی ابھی آپ بتا رہے تھے کہ آپ مستقل طور پر پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں۔ طاہر نے سگریٹ کا گل ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے بات جاری رکھی لیکن یہاں تو آپ کے پاس زمین ہے نہیں آپ کاروبار کیسے کریں گے۔

ہی ہی ہی منے خان نے اپنے سامنے بڑے بڑے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا یہاں تو طاہر بھائی ملازمت کرنے کا ارادہ ہے۔

یہ تو اپنے آپ پر ظلم کریں گے آپ خان صاحب بھلا آپ سے ملازمت ہونے لگی کہیں۔ حیدر نے ٹکڑا لگایا۔ خان صاحب جس نے ہزاروں روپے کمائے ہوں اور ہزاروں اجاڑے ہوں وہ بھلا چار سو روپیہ میں کیا گزارہ کر سکے گا.....؟

شروع شروع میں تو ملازمت ہی کرنی پڑے گی جب کلیم وغیرہ اور جائیداد کا روپیہ وغیرہ ملے گا تو پھر زمین وغیرہ خرید کر اپنا کاروبار شروع کر دوں گا۔

لیکن خان صاحب ملازمت کے لیے آپ اوور ایج (Over age) ہو گئے ہیں طاہر نے گھسیٹا۔

تو طاہر صاحب میں کون سی آپ سے سفارش کر رہا ہوں جو آپ اتنے فکرمند ہیں منے خان کو شاید کچھ احساس ہو گیا تھا کہ وہ سب مل کر ان کا الو کھینچ رہے ہیں۔

طاہر بھائی روپیہ پیسہ ہاتھ کی میل ہے۔ منے خان غصہ سے دانت کاٹتے ہوئے بولے۔ انڈیا میں اب بھی سارے شہر میں دبدبہ ہے۔ اب بھی ہندو عزت کرتے ہیں۔ اگر میں جائیداد فروخت کر کے پاکستان آ جاؤں اور تمام عمر بیٹھ کر کھاؤں تو رقم ختم نہ ہو گی۔

ان کی آواز کافی بلند ہو گئی تھی۔

آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہو گئے ہیں خان صاحب طاہر بھائی نے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا میرا مطلب آپکی دل آزاری نہ تھا میں تو..... رشو اور نائلہ آگے پیچھے دوڑتے ہوئے برآمدے میں آ گئے تھے۔

ماموں میری گیند رشو بھائی نہیں دیتے۔ نائلہ نے آتے ہی منے خان سے شکایت کی۔ اور طاہر کے الفاظ حلق میں ہی رک کر رہ گئے تھے۔ رشو برآمدے کے دوسرے سرے پر سہم کر کھڑا ایک دم رک گیا۔

ابے دیتا ہے اسے گیند یا نہیں؟ منے خان زور سے دھاڑے۔

رشو بیچارہ بالکل ہی دبک کر رہ گیا۔ اس کے ہاتھ جہاں تھے وہاں ہی جم کر رہ گئے۔

ابے دیتا ہے کہ نہیں۔ ورنہ پٹائی کروں۔ سالا الو کا پٹھا۔ اور پھر انتظار کیے بغیر

ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

چٹاخ چٹاخ اوپر تلے دو تھپڑ پھول سے رخسار پر جڑ کر اوور ایج ہونے کا سارا غصہ رشو پر نکال دیا۔ ارو رشو بلبلا اٹھا۔ چہرہ نیلا کانچ ہو گیا تھا۔ گالوں پر انگلیوں کے سرخ اور نشان ابھر آئے تھے جیسے کسی نے گرم گرم سلاخوں سے چہرہ داغ دیا ہو۔

ارے ارے منے خان نغمہ نے منے خان کو دونوں ہاتھوں سے پرے دھکیلتے ہوئے درشتی سے کہا۔

کیا جان سے مار ڈالنا چاہتے ہو نغمہ نے رشو کے پھول سے گال سہلاتے ہوئے اپنے سینے سے لگا لیا۔ لیکن رشو تکلیف کی وجہ سے بلبلا رہا تھا۔ فضا بڑی بوجھل ہو گئی تھی ہر شخص اپنی جگہ پر دم بخود تھا۔ لیکن منے خان غصے سے ٹھنڈے پیر پٹختے اندر چلے گئے۔

خوشنود باورچی خانے سے بچہ کی چیخ سن کر لپکتی چلی آئیں۔ ان کے پیچھے پیچھے نجمہ بیگم بھی تھیں۔

میرے لال خوشنود نے رشو کو سینے سے چمٹا دیا۔ وہ سسکیاں بھرتا ہوا ماں کے کلیجہ سے جا لگا۔

جانے کب عقل آئے گی ظالم قصائی کو۔ مار مار کر بچوں کا کچومر نکال دیا خوشنود بڑبڑا رہی تھیں۔

نجمہ بیگم انہیں دلاسا اور تسلیاں دیتے ہوئے اندر لے گئیں۔

نغمہ اب وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی اسنے اب وہاں سے کھسکنا ہی بہت سمجھا۔

اسے وہاں سے جاتے دیکھ کر عائشہ نے کہا۔

نغمہ ذرا بازار چلنا ہے۔تم بھی تیار ہو جاؤ۔

نہیں باجی نغمہ نے بہانا بنایا۔ میں رات کی کافی تھکی ہوئی ہوں ۔سر میں ہلکا سا درد ہے تھوڑا آرام کروں گی۔نغمہ نہ چاہتی تھی کہ وہ کباب میں ہڈی بنے۔دراصل طاہر فریدہ کے ہمراہ جا کر فریدہ کی پسند کی اشیاء خریدنا چاہتے تھے۔اوراس صورت میں وہ اپنی موجودگی وہاں ضروری نہ سمجھتی تھی۔

چلی چلیں باجی صالحہ نے بھی التجا کی۔

لیکن نغمہ مسکراتی ہوئی اٹھ کراندر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کے کمروں سے شور اٹھتا رہا۔شاپنگ کے لیے جانے کے لیے سب تیاریاں کر رہے تھے۔اور پھر خاموشی چھا گئی۔ان کے جاتے ہی وہ لان میں چلی آئی منے خان کی حرکتوں کی وجہ سے وہ اب تک اداس تھی۔

لان میں پنیری اور ڈلیا کی کیاریوں کے پاس سے گزرتی ہوئی وہ مولسری کے درخت کے نیچے پہنچی ہی تھی کہ نگار کی کار کے ہارن نے اسے چونکا دیا۔کار میں پوری چنڈال چوکڑی کو موجود دیکھ کر نجمہ کی تمام کلفت دور ہو گئی۔

وہ انہیں اپنے ہمراہ لیے اپنے کمرہ کی طرف چل دی۔برآمدے سے گزرتے ہوئے منے خان سے پھر آمنا سامنا ہو گیا تھا وہ اتنی ڈھیر ساری لڑکیاں دیکھ کر شرما کر ستون سے لپٹ گئے

ہائے کیا ادا ہے۔نگار نے دھیرے سے نغمہ کے کان میں کہا۔یہ صاحب کون ہیں

چپو بھی ان کے کان بڑے پتلے ہیں۔اس نے نگار کو خشمگین نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا''یہ وہی منے خان ہیں۔''

''یعنی کہ جناب کی سواری پھر آئی ہوئی ہے''۔نگار نے قہقہہ لگایا۔ظالم اب کے ذرا سا چکر ڈال بس لطف آجائے گا۔

یہ کیا کھسر پھسر کر رہی ہو عنبر نے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔

کچھ نہیں میری بنو تمہیں کئی مرتبہ بتایا ہے کہ بڑوں کی باتوں میں دخل نہ دیا کرو۔نگار نے بڑی بوڑھیوں کی نقل اتاری۔

کمرے میں پہنچتے ہی نرگس نے اس کے پلنگ پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

نغمہ ذرا بوا نصیبن سے جلدی سے کہنا کہ چائے اور دوسرے لوازمات لے کر فوراً آجائے میں نے صبح کا ناشتہ نہیں کیا۔

چائے کی جگہ اگر کافی کا دور چل جائے تو اور لطف آجائے گا۔عنبر نے صوفہ پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

''بہتر تھا تم لوگ رات کا کھانا بھی کھا کر آتیں نغمہ نے شہہ دی''۔

''اے ظالم گھر آئے مہمان کی تو عزت کر لیا کرو۔فیروزہ چہکی۔

''اچھا اب مینڈکی کو بھی زکام ہونے لگا ہے''نغمہ نے ایک بھرپور وار کیا

نگار سے رہا نہ گیا۔

''تم لوگ خواہ مخواہ اس کے منہ لگ رہی ہو۔ یہ آجکل بری فرنٹ ہوگئی ہے۔ دیکھا نہیں آج کل اس کی مانگ بہت بڑھ گئی ہے یہاں تو وہ مثال صادق آتی ہے کہ ایک انار اور سو بیمار''۔

نغمہ نے ایک دھپ نگار کی کمر پر رسید کیا۔

''تم سے تو خدا سمجھے''۔

''دیکھو ظالم مجھے کیوں مار رہی ہو'' میں نے تو حقیقت بیان کر دی ہے'' نگار نے سرگوشیانہ لہجہ میں کہا'' لیکن میری بنو کوئی گر ہمیں بھی تو بتا دو اب تو یہ جاڑے کی پہاڑ سی راتیں ہم سے کاٹے نہیں کٹتیں''۔

''ہنر ہنر ایک ایک گر سب کو بتا دو'' فیروزہ نے تالی بجاتے ہوئے کہا بس قسم خدا کی دعائیں گے۔

اور نغمہ اس وار پر بالکل ہی آؤٹ ہو کر رہ گئی۔ وہ بوکھلا کر رہ گئی تھی۔ لیکن پھر سنبھل کر انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

''میں تم لوگوں کا مطلب نہیں سمجھی کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''اوئی نوج'' فیروزہ نے ناک پر انگلی رکھتے ہوئے بڑے ناصحانہ انداز میں کہا۔

''اب انہیں مطلب سمجھنا پڑے گا۔ اللہ توبہ توبہ''۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے گالوں پر مارتے ہوئے کہا کیا برا زمانہ آن لگا ہے۔ اب ان کے عشق کی داستانیں بھی ہم ہی انہیں آ کر سنائیں گے۔ خدا بچائے اس بیسویں صدی سے''۔

فیروزہ نے بڑی کراری چوٹ کی تھی۔لیکن نغمہ اپنے حواس پر مکمل قابو پا چکی تھی۔

جی ہاں دادی اماں آپ کو مطلب سمجھانا ہی پڑے گا۔

نرگس سمجھ گئی تھی کہ نغمہ اپنے حواس پر قابو پا چکی ہے۔اور اب وہ ان کی کسی چوٹ سے بھی خائف نہیں۔وہ گفتگو میں سب سے تیز تھی۔اس نے فوراً موضوع بدل دیا۔

ارے چھوڑو کیا طعنے تشنع دے رہی ہو ایک دوسرے کو۔اس نے درمیان کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

کمرے میں بالکل سکوت چھا گیا۔

نرگس نے نغمہ کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے کہا۔

سچ نغمہ کل رات تو تم انعام لیتے ہی وہاں سے یوں غائب ہوئیں کہ جیسے گدھے کے سر سے سینگ وہ مسز صادق کمال کے برخوردار تمہیں ڈھونڈتے ہوئے ٹی سٹال تک آ گئے تھے۔اور تمہیں وہاں موجود نہ پا کر مجھ سے پوچھ بیٹھے کہ مس نغمہ شہاب کہاں ہیں؟ وہ تو بہت ہی عمدہ ستار بجاتی ہیں۔تمہیں یقین نہیں آئے گا نغمی تمہاری تعریفیں کرتے کرتے ان کی آنکھوں میں وہ چمک تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔وہ ذرا دیر کے لیے رک گئی۔اور غور سے نغمہ کے گلنار ہوتے چہرے کو دیکھتی رہی پھر نگار کو ٹہوکا دیتے ہوئے کہا۔

''اب بتاتی کیوں نہیں۔کہ تم نے کیسے ان کو مخاطب کیا'' نگار مسکرانے لگی۔

''کچھ نہ پوچھو نغمہ بس تمہاری اور ان صاحب کی حالت پر رحم آ گیا۔ وہ تو بچارے سر جھکائے خاموشی سے چل پڑے تھے میں نے پکارا۔

''جی ذرا سنیئے تو۔ اور وہ تو جیسے اسی بات کے منتظر تھے یکدم ہی رک گئے۔

''جی مجھ سے کچھ کہا'' انہوں نے گھوم کر رکتے ہوئے پوچھا۔

اور میرے جی میں آیا کہ کہہ دوں نہیں جی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے تو بیرے کو آواز دی تھی۔ لیکن صرف تمہاری خاطر میں نے مسکراتے ہوئے ان سے کہا۔

''جی ہاں آپ ہی سے مخاطب ہوں۔ سوچا کم از کم آپ سے تعارف تو ہو ہی جانا چاہیے۔

وہ ہنس دیے اور سگریٹ کا ادھ جلا ٹکڑا دور پھینکتے ہوئے اپنا تعارف کرو دیا۔

نگار نے جان بوجھ کر نام ظاہر نہ کیا تھا۔

اور پھر باری باری ہمیں بھی اپنا تعارف کرانا پڑا۔ فیروزہ نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔

نغمہ کا دل نام جاننے کیلیے بری طرح دھڑک رہا تھا لیکن نگار تو ایک کائیاں تھی۔ ہاتھ نچا کر بولی۔

''بس بی نغمہ ہم نے تمہاری خاطر ان صاحب سے بہتیرا کہا کہ چاء پی لیں کچھ دیر وہ نہیں تو ہمارے پاس ہی ٹھہر جائیں لیکن کہاں جی۔ وہ تو شکریہ شکریہ کہتے وہاں سے رفو چکر ہو گئے''۔

''تم لوگ خواہ مخواہ مجھے اڑانے کی کوشش نہ کرو'' نغمہ نے ہنستے ہوئے کہا ''میں خوب جانتی ہوں یہ سب تمہاری ملی بھگت ہے۔'' اور پھر ناک سکوڑتے ہوئے بولی ''مجھے بھلا کیا ضرورت کہ میں غیر آدمی میں اتنی دلچسپی لوں''۔

''اوہو' نرگس نے بڑے چبا کر کہا۔ من میں لڈو تو پھوٹ رہے ہیں۔ اور دکھانے کو ناک بھوں چڑھا رہی ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں تمہارے دل میں کیا ہے''۔

بس ایک پکچر اور شاندار ٹی پارٹی کا وعدہ کر ڈالو عنبر نے ٹکڑا لگایا۔ تمہیں نام بتائے دیتے ہیں۔

''نام پوچھ کر مجھے کیا کرنا ہے۔ تم جانو اور وہ جانیں''۔ نغمہ نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا تھا لیکن دل میں ایک اضطراب بپا تھا۔ چہرے پر بے چینی پوری طرح عیاں تھی۔

''ذرا شکل تو دیکھو' نگار اسے لے اڑی۔ ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اور بنتی کتنی ہے؟''

''نہ بنو رانی پریشان نہ ہو۔ یہ سب تو بڑی ظالم ہیں میں نام بتا دوں گی''۔

''آگ دونوں طرف ہے برابر لگی ہوئی'' عنبر نے نگار کو مخاطب کیا۔ اب دیکھنا تو نگار یہ فیروزہ کیسے ساتھ لگی بیٹھی ہے جیسے یہ فیروزہ نہیں کوئی اور ہے۔

عنبر کی بچی نغمہ واقعی گلنار ہو گئی تھی ''تم سے تو خدا بچائے''۔

''ہاں جی ہم سے خدا بچائے اور انہیں خدا بھیج دے۔ ٹھیک ہے بھئی۔ آج

کل کا زمانہ ہی ایسا ہے۔عنبر نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا ''چلو جی چلیں''
کمرے میں ایک مترنم قہقہہ گونج گیا.....''

''تم سے کون جیتا ہے آج تک'' نغمہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

نجمہ بیگم کو اطلاع تو ہو ہی چکی تھی کہ چنڈال چوکڑی آئی ہوئی ہے انہوں نے حسب قاعدہ چائے کی ٹرے اور دوسرے لوازمات نغمہ کے کمرے میں بھجوا دیے۔

''ونڈرفل ہئیر ہئیر'' بوا نصیبن کولدے پھندے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ سب ہی چلا اٹھیں۔

یعنی اسے کہتے ہیں خاموشی سے اقرار جرم کر لینا''۔نگار بوا نصیبن کی مدد کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

بوا نصیبن سب کو دعائیں دیتیں الٹے قدموں لوٹ گئیں۔

ہاں تو پنچو۔عنبر نے سب کو مخاطب کیا۔''بی نغمہ نے ہماری ایک شرط تو پوری کر ہی دی۔اگر دوسری شرط پوری کرنے کی حامی بھر لیں تو کیا انہیں ان صاحب کا نام بتا دیا جائے۔یا نہیں۔

''منظور ہے'' سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

''یہ بیٹھ کر اچھی طرح سوچ لیں۔ہم سب ذرا ان طشتریوں کا بوجھ ہلکا کر لیں'' نگار نے ابتدا کرتے ہوئے کہا۔اور پھر چاروں نے ٹرے پر ہلہ بول دیا۔

فیروزہ تو سب سے پہلے گاجر کے حلوے کی طرف لپکی۔نرگس نے انڈے کا حلوہ لے لیا۔فیروزہ چنے کی دال کے حلوے کی دو ٹکیاں پلیٹ میں لے کر کھانے

لگی ۔نگار نے بھی گاجر کا حلوہ لے لیا۔

نغمہ ہنس دی ۔تو لوگ تو ایسے کھا رہی ہو جیسے واقعی رات سے بھوکی ہو۔

''اب تم جو کچھ سمجھو اس وقت ہم کچھ نہیں بولیں گے ۔تم جلدی سے دوسری شرط پوری کرنے کے بارے میں سوچ لو۔'' نگار نے جلدی جلدی حلوہ نگلتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ خواہ مخواہ ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا لیتی ہو'' اور نغمہ خود بھی اندے کا حلوہ پلیٹ میں لیتے ہوئے بولی۔

ارے سننا پنچو۔ ذرا جملے پر غور کرنا۔ ذرا سی بات ۔یعنی بات ضرور ہے۔لیکن ہے وہ ذرا سی ۔نرگس نے اس جملے سے محفل پھر زعفران زار بن گئی۔

''ارے تمہیں تو ہماری دل کھول کر سیوا کرنا چاہیے کہ ہم نے تمہاری خاطر ایک غیر مرد کو اتنی لفٹ دی۔اور تم ایک پکچر دکھانے سے گھبرا رہی ہو۔

نغمہ نے اب یہاں سے اٹھ جانے ہی میں بہتری سمجھی ۔وہ کھسکنا چاہتی تھی کہ نگار نے اس کی کلائی سے پکڑ کر اپنے ساتھ ہی پلنگ پر گھسیٹ لیا۔میں جانتی ہوں ۔تم بھی بے قرار ہو۔تمارا دل بھی نام جاننے کیلیے بے چین ہے۔اور ہمارا سب کا دل بھی تمہیں نام بتانے پر تلا ہوا ہے''۔

''نہیں مجھے نہیں سننا نام'' نغمہ نے اسکے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لو میں نام بتانے لگی ہوں ۔نگار نے اسے چھوڑتے ہوئے کہا نغمہ اٹھ کر بیٹھ تو گئی تھی لیکن اسنے کان میں انگلیاں نہ ٹھونسیں۔

نگار نے ہنستے ہوئے اس کے کان میں دھیرے سے کہا۔

ان کا نام ہے ندیم ندیم۔ وہ زور سے چلائی کیا سمجھیں اور تم ہو نغمہ۔

نرگس نے مزید تشریح کی این فار ندیم اور این فار نغمہ۔ ہم تو قدرت کے قائل ہو گئے ہیں۔ نرگس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اور این فار نرگس بھی تو ہے۔ این فار نگار بھی تو ہے نغمہ چہک اٹھی اس کے دل کی خلش تو دور ہو چکی تھی۔

ہم دونوں نے تو رات بڑی کوشش کی۔ کہ وہ صاحب تمہارا خیال ذہن سے نکال کر ہم دونوں میں سے کسی ایک کی طرف متوجہ ہو جائیں لیکن جانے تم نے پہلی ملاقات میں انہیں کیا گھونٹ کر پلا دیا ہے کہ وہ کسی دوسری طرف دیکھتے ہی نہیں''۔

''اللہ رے بے حیائی'' نغمہ نگار کے منہ سن جملے سنکر علیحدہ ہوتی بولی۔

''تم حیاء اور بے حیائی کے فلسفے پر غور کرتی ہو۔ اور ہمیں اجازت دو'' نرگس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

نگار نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''لیکن پکچر کا وعدہ یاد رکھنا''۔

''میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا'' نغمہ نے چہک کر کہا۔

وہ تو لیکن فریدہ' عائشہ صالحہ کے آجانے سے نگار کے جملے حلق ہی میں رہ گئے۔ فریدہ سے تو سب ہی متعارف تھیں۔ عائشہ اور صالحہ اجنبی تھیں۔ نغمہ نے سب کا تعارف کرایا۔ یہ تعارف کے بعد انہیں کچھ دیر اور رکنا پڑا۔

باب ۳

دن ایک ایک کر کے بڑی تیزی سے گزر رہے تھے شہاب منزل میں ہر طرف مہمان ہی مہمان بھرے پڑے تھے۔کوئی کمرہ ایسا نہ تھا جس میں تین تین چار چار مہمان قیام پذیر نہ ہوں۔مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے عائشہ اور صالحہ نغمہ کے کمرے میں آ گئی تھیں۔حیدر اور طاہر معہ منے خان کے مشرقی کوریڈور کے کنارے پر جو چھوٹا کمرہ تھا اس میں جا بسے تھے۔غرضیکہ گھر کے افراد سمٹ سمٹ کر چھوٹے چھوٹے کمروں میں سما گئے تھے۔صرف ایک ڈرائنگ روم رہ گیا تھا جس پر کسی نے قبضہ نہ کیا تھا۔

عائشہ کی وجہ سے دن بھر نغمہ کے کمرے میں آنے جانے والوں کا تانتا سا بندھا رہتا تھا اور وہ جوان دنوں سکون کی متلاشی تھی اس ہنگامہ سے بوکھلائی رہتی پہلے چند دن تو وہ واقعی کافی پریشان رہی اور جب صالحہ نے اس کی پریشانی کا کھوج لگانا چاہی تو اس نے بڑی مشکل سے اپنی حالت پر قابو پا لیا۔وہ نہ چاہتی تھی کہ ایسی کسی بے خیالی حرکت پر صالحہ کو ریمارکس پاس کرنے کا موقع مل جائے۔

فریدہ اور عائشہ کو تو اپنی ہوش نہ تھی۔وہ دونوں تو آئے دن کی رسموں سے تنگ آ گئی تھیں چونکہ نفیسہ بیگم کی یہ ضد تھی کہ لڑکی اور لڑکے کی شادی ایک ہی دن ہو۔ اس لیے فریدہ اور نادرہ بیگم شہاب الدین کی لائبریری والے کمرے میں ڈیرا جمائے ہوئے تھیں یہ شہاب الدین نے آسانی کے لیے بندوبست کیا تھا۔کہ دونوں براتوں کو ایک ہی جگہ کھانے کا انتظام کرنے میں کافی آسانیاں ہوں گی۔

ویسے بھی نادرہ بیگم مالی طور پر کمزور تھیں۔ اور شادی کے تمام فرائض نجمہ بیگم نے اپنے ذمہ لے لیے تھے۔

امسال سردی بھی پورے شباب پر تھی۔ لیکن شہاب منزل میں آج کل دن اور رات کا گمان ہونا مشکل تھا۔ لان میں چاروں طرف فلڈ لائٹ کی روشنی میں مہمانوں کی چھولداریاں عجیب بہار دے رہی تھیں۔ جب قریبی کوٹھی کے خالی کمروں میں بھی کوئی جگہ نہ رہی تو شہاب الدین نے مشرقی لان میں مہمانوں کے لیے رنگ برنگی چھولداریاں نصب کرا دی تھیں۔ ان چھولداریوں سے ذرا آگے باورچی نے اپنا ٹھکانہ بنایا ہوا تھا۔ جہاں سے آج مستقل آٹھواں دن تھا کھانے پک پک کر آ رہے تھے۔

غرضیکہ شہاب منزل میں ایک عجیب گہما گہمی تھی بچوں کا شور عورتوں کی چیخ و پکار ماؤں کی ڈانٹ ڈپٹ اور ان سب سے بڑھ کر رات کو ڈھولک پر گائے جانے والے گیت بس ایک طوفان بپا تھا۔ ہر دو گھنٹے کے بعد کوئی نہ کوئی رسم ادا ہوتی

آج مہندی کی رسم تھی صبح ہی سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ پروگرام کے مطابق شام آٹھ بجے لڑکے والیوں کو آنا تھا۔ اور اس کے بعد یہاں سے لڑکے کی مہندی روانہ ہونی تھی۔

طاہر اور فریدہ کی مہندی کی رسم بھی شام ہی کو ادا ہونی تھی صالحہ اور حیدر صبح سے تیاریوں میں مصروف تھے۔ صالحہ نے آج صبح ہی سے اپنے بالوں میں کرلنگ ہئر کلپس لگا لیے تھے۔ اسے کرلنگ ہئر کلر کا بھوت سوار رہتا تھا۔

شام کے چار بجتے ہی صندوقوں کے بند ہونے اور کھلنے کی آوازیں آنے لگیں۔ چونکہ نغمہ کمرے میں تھی اس لیے تمام ذمہ داری نغمہ ہی کے سر تھی۔ چلو بنو تم بھی نہالو تو پھر تمہارے بال وغیرہ بنا کر تمہیں تیار کریں۔

''جانے یہ پیلے کپڑے کب اتریں گے'' عائشہ نے اپنے پیلے مانجھے والے کپڑوں پر نظر دوڑائی جن میں ابٹن کی خوشبو کے ساتھ ساتھ اب زیادہ عرصہ جسم پر رہنے کی وجہ سے چراند بھی آنے لگی تھی۔

''بہن ایک رات کی تو بات ہے'' نغمہ نے ٹکڑا لگایا ''اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان بیہودہ رسموں کی پابندیوں سے آزاد ہو جاؤ گی''۔

نہ جانے ممی کو بھی کیا سوجھی سات دن سے بیٹھے بیٹھے کمر میں درد ہو گیا ہے میں نے دونوں ہاتھوں سے کمر کو دباتے ہوئے کہا۔ اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

کیا کیا جائے مجبوری ہے نغمہ نے بڑے مسخرانہ انداز میں کہا۔

تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔ عائشہ کی آواز میں رقت تھی۔ وہ تولیہ کاندھے پر ڈال کر باتھ روم میں چلی گئی۔

ٹھیک سات بجے بیگم ادریس عالم' ارجمند بانو اور بہت سی مہمان خواتین آ گئیں بیگم ادریس عالم مہندی بڑی ٹھاٹھ سے لائی تھیں۔

چاندی کی ایک بڑی طشتری میں ایک سونے کی چھوٹی طشتری تھی جس میں مہندی تھی۔ اور مہندی کے ساتھ ایک ہزار روپے کے نوٹ دو ریشمی رومال اور ایک انگوٹھی تھی جس میں ہیرا جڑا تھا۔ اور ایک بڑا طباق خشک میووں سے بھرا ہوا ایک

ٹوکرا لڈوؤں کا دوسری ماماؤں کے سروں تھا۔

نفیسہ بیگم نے سمدھنوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ماما طشتری اٹھائے کھڑی تھیں۔ بوا صبین پرانے زمانے کی عورت تھیں۔ انہوں نے اپنا آخری داؤں سنبھال کر رکھا ہوا تھا جب نفیسہ بیگم کے ہمراہ بیگم ادریس عالم اندر ہال کی طرف بڑھنے لگیں۔ تو بوا صبین نے کافی دیر سے بلائی گئیں میراثنوں کو آنکھ سے اشارہ کر دیا۔

وہ اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر بیگم ادریس عالم کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئیں۔ اور سمدھنوں کی شان میں ہجو گانے لگیں۔ بیگم ادریس عالم اس کے لیے تیار ہو کر آئی تھیں۔ انہوں نے فوراً ارجمند بانو کو اشارہ کیا۔ اور ارجمند بانو نے سو روپے کا نوٹ بوڑھی میراثن کے ہاتھ پر دھر دیا۔ وہ دعائیں دیتیں راہ سے الگ ہو گئیں۔

بیگم ادریس عالم ارجمند بانو اور دوسری خواتین جب ایک در سے نکل کر آگے دوسرے در تک پہنچیں تو وہاں بوا صبین خود کھڑی تھیں۔

میرا حصہ دے دیجیے پھر آگے بڑھیے گا بیگم صاحبہ بیگم ادریس عالم مسکرا دیں۔ وہ جانتی تھیں۔ بوا صبین اس گھر کی پرانی ملازمہ ہے اور وہ ان کی بے حد عزت کرتی تھیں لیکن یہ موقع ہی ایسا تھا۔ سمدھن کے رشتہ دار ہر شخص کو رعب جمانے کا حق ہے۔ اور خاص کر گھر کے پرانے ملازم تو بالکل گھر کے فرد سمجھے جاتے ہیں۔

انہوں نے مسکراتے ہوئے خود اپنے ہاتھ سے بوا صبین کے ہاتھ میں سو کا نوٹ دیا اور وہ دعائیں دیتیں راہ چھوڑ کر الگ ہو گئیں۔

عائشہ کے کمرے کے دروازے تک اور کوئی روک ٹوک نہ ہوئی لیکن

دروازے پر صالحہ اور خاندان کی تمام جوان لڑکیاں بنی سنوری کھڑی تھیں

ہمارا حصہ دیے بغیر آپ لوگ آگے تشریف نہیں لے جا سکتیں صالحہ نے بیگم ادریس عالم سے کہا۔

ہمیں معلوم ہے بیٹی ہم تمہارا حصہ بھی لائے ہیں۔

انہوں نے پرس کھول کر پانچ سو روپے کے نوٹ صالحہ کے ہاتھ میں دے دیے ''لو بیٹی ان سب میں بانٹ دو'' اور پھر مسکراتے ہوئے بولیں۔

''اب تو اجازت ہے نا''۔

''جی ہاں وہ ادب سے راستہ چھوڑ کر الگ ہو گئی''۔

ارجمند بانو نے اپنے ہاتھ سے عائشہ کے مہندی لگائی بیگم ادریس عالم نے دونوں رومال انگوٹھی اور مبلغ ایک ہزار ایک روپیہ اس کی جھولی میں ڈال کر بلائیں لیں۔

اب بیگم ادریس عالم کا ماما کی باری تھی۔

وہ چاندی کی وہی طشتری میں رکھی ہوئی سونے کی طشتری لے کر آگے بڑھی اور نفیسہ بیگم کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

مہندی مبارک ہو بیگم ہم غیر بوں کا حصہ۔ اس طشتری کو روپوں سے بھر دو۔ یہ ہمارے ہاں کی رسم کے بیگم صاحبہ۔

نجمہ پاس ہی کھڑی تھیں۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ نفیسہ بیگم اتنا عرصہ باہر رہ کر رسم و رواج بھول چکی ہیں۔ انہوں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھیلی نفیسہ بیگم کے ہاتھ

میں دے دی۔

اور نفیسہ بیگم جو ماما کے اس سوال پر ذرا دیر کو ٹھٹھک کر رہ گئی تھیں یہ انجانی کمک مل جانے پر کھل ہی اٹھیں۔ انہوں نے ممنون نظروں سے نجمہ بیگم کی طرف دیکھا۔ اور پھر ہاتھ میں پکڑی ہوئی مخملیں تھیلی طشتری میں ڈال دی جس میں چاندی کے روپے تھے۔

ہر طرف مبارکباد کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

فریدہ کو مہندی بڑی سادہ طریقے سے لگائی گئی تھی۔ اس تک پہنچنے کے لیے نفیسہ بیگم کو کچھ ادا نہ کرنا پڑا تھا۔ اور یہی عالم نادرہ بیگم کا تھا۔ انہوں نے ایسے ہی سادہ طریقہ سے طاہر کو مہندی لگا دی تھی۔

سمدھنوں کے روانہ ہوتے ہی یہاں سے لڑکے کو مہندی لگانے کے لیے لے جانے کی تیاری شروع ہوگئی۔ نفیسہ بیگم نے نجمہ سے کہا۔

نجمی بہن تم نے میری لاج رکھ لی آج مجھے تو معلوم ہی نہ تھا۔ مہندی کی رسم ایسی کٹھن ہے۔ نجمہ بیگم مسکرا دی۔

نفیسہ بہن مجھے تو معلوم تھا نا۔ اب تم ریاض کو مہندی لگانے جا رہی ہو۔ روپے پیسے ساتھ لیتی جانا۔ میں تو نہ جا سکوں گی۔ نادرہ بیگم کو ساتھ لے جانا وہ تمہیں رسم و رواج بتاتی رہیں گی۔

خیر روپے پیسے کی فکر نہیں۔ نفیسہ بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''یہ آپ نے میراثنوں وغیرہ کا انتظام کہاں سے کر لیا تھا''۔

نجمہ بیگم ہنس دیں..... ''یہ سب بوا صبین کی مہربانی ہے''۔

نفیسہ بیگم، نادرہ بیگم صالحہ اور خاندان کی تمام جوان لڑکیاں ریاض کی مہندی لے کر جانے کے لیے تیار ہو گئیں تھیں۔

ادریس منزل میں لڑکی والوں کا انتظار ہو رہا تھا۔

وہاں بھی سمدھنوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ راستہ میں تین جگہ نفیسہ بیگم کو روپے دینے پڑے جب کہیں لڑکے تک رسائی ہوئی۔

صالحہ نے سالی ہونے کی حیثیت سے ریاض کی دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی می مہندی لگائی اور پھر سب لڑکیوں نے مل کر ریاض کی انگلی پکڑ لی۔ مہندی نکالیے دولہا بھائی صالحہ نے چٹکی بھرتے ہوئے کہا۔

ریاض بڑی دیر تک انہیں تنگ کرتا رہا۔ اور پھر پانچ سو روپے کے نوٹ نکال کر اس نے صالحہ کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ خدا کے لیے اب تو انگلی چھوڑ دو۔ درد ہونے لگا ہے وہ درد سے واقعی بلبلا اٹھا تھا۔

رات کے گیارہ بجے کے قریب وہاں سے واپس لوٹیں۔

رات بھر میراثنیں گاتی بجاتی رہیں۔ شہاب منزل میں کوئی بھی نہ سو سکا۔ اور ابھی پوری طرح پو بھی نہ پھٹی تھ کہ اونگھتے جاگتے پھر سب اٹھ بیٹھے۔ ارے لینا پکڑنا پھر شروع ہو گئی۔

بھاگم بھاگ سب تیاریوں میں مصروف ہو گئے کیونکہ پروگرام کے مطابق طے یہ پایا تھا کہ طاہر کی شادی چونکہ خاندان میں ہو رہی ہے اور لڑکی بھی گھر میں ہی

موجود ہے لہٰذا صبح زوال سے پہلے طاہر میاں کا نکاح ہو جائے گا۔ اور پھر مغرب عائشہ کی رخصتی ہو جائے گی۔

ناشتہ کے فوراً بعد ہی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

کمخواب کی سنہری شیروانی اور بنارسی پگڑی میں طاہر کی سج دھج کسی اجنبی دیس کے شہزادے کی سی دکھائی دے رہی تھی۔ اور فریدہ بہن دلہن کے شاہانہ جوڑے میں اتنی پیاری دکھائی دے رہی تھی کہ جی چاہتا تھا۔ بس دیکھتے ہی جاؤ۔ اس کے کتابی چہرے سے آج جلال اور نور ٹپک رہا تھا۔ جس نے اس کی شخصیت کو اور بھی اجاگر کر دیا تھا۔

افریقہ والی خالہ تو چاہتی تھیں کہ بارات باقاعدہ اپنی پوری سج دھج کے ساتھ تمام شہر کا چکر لگا کر پھر شہاب منزل میں آئے۔ لیکن شہاب الدین کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ طاہر کا نکاح بڑی خاموشی سے ادا ہو گیا۔ اور فریدہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں منتقل کر دی گئی.....

عصرانہ شہاب الدین کی طرف سے تھا۔ اس سیدھی سادھی بارات میں بڑی اپنائیت اور ایک عجیب سی شان اور رکھ رکھاؤ تھا۔

دوپہر کے کھانے کے فوراً ہی بعد دوسرا ہنگامہ سامنے آن کھڑا ہوا۔ نفیسہ بیگم کو لڑکے کی سیدھی سادھی شادی ہو جانے پر دکھ تھا۔ اور انہوں نے اس دکھ کا مداوا عائشہ کی شادی کی تیاریوں میں کر لیا تھا۔ وہ تو ان دو شادیوں میں تمام خاندان سے اپنی برتری کا لوہا منوانا چاہتی تھی۔ اور یہی بات ان کے مدنظر تھی کہ سب ہی ان کی

امارت کی تعریف کریں۔ اور مرعوب ہوں۔ اسی لیے انہوں نے برات کے لیے شام کی پرتکلف چاء اور کھانے کا بندوبست کیا تھا۔ اور یہ تمام انتظام شہر کے سب سے بڑے ہوٹل کے سپرد تھا۔

ہوٹل نیمینو کے باوردی بیرے دوپہر بعد ہی آ گئے تھے۔ اور بڑی مستعدی سے کام میں مصروف تھے۔ اور ان سب سے زیادہ مصروف منے خان دکھائی دے رہے تھے۔ جو خواہ مخواہ ہر بیرے سے الجھ پڑتے تھے۔

میں نے کہا یہ کرسی ترچھی ہے۔ اسے ذرا ٹھیک تو کرنا۔ منے خان ایک بیرے پر چلائے

شاید بیرا منے خان کا حکم سنتے سنتے عاجز آ گیا تھا۔ اس نے منے خان کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ وہ دوسری ٹیبل پر ٹیبل کلاتھ بچھانے لگ گیا۔

ابے سالے میں تجھ سے کہہ رہا ہوں'' منے خان پھر چیخے۔

''جی'' بیرا جھنجھلا کر منے خان کی طرف لپکا ''صاحب ذرا زبان سنبھال کر بات کریں ہم غریب ضرور ہیں لیکن بے غیرت نہیں''۔

اور طاہر جو اتفاق سے ادھر سے گزر رہا تھا۔ بیرے کی سخت کلامی سن کر لپکتا ہوا وہاں جا پہنچا۔

''جاؤ میاں تم اپنا کام کرو'' طاہر نے بڑی تحمل مزاجی سے کہا۔

اور بیرا خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔

طاہر منے خان سے مخاطب ہوئے۔

''آپ خواہ مخواہ ان کے منہ لگ رہے ہیں خان صاحب آیئے بس اب برات آیا ہی چاہتی ہے''۔ وہ منے خان کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھنے لگا۔

آپ دو دو ہاتھ ہو تو جانے دیجیے آج۔ منے خان نے تاؤ دکھاتے ہوئے کہا۔

وہ مزا چکھاتا کہ سالے کو چھٹی کا دودھ یاد آجاتا۔

بس اب زیادہ طیش میں نہ آیئے'' طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا اور انہیں گھسیٹتے ہوئے شامیانے سے برآمدے میں لے آئے جہاں وہ منے خان کو حیدر کے سپرد کرتے ہوئے بولے۔

حیدر میاں تم منے خان صاحب کو ساتھ رکھو۔ میں دیکھ آؤں عورتوں کے شامیانے میں ضرورت کی سب چیزیں پہنچ گئی ہیں یا نہیں۔ اور جلدی جلدی قدم اٹھاتے مغربی برآمدے سے ہوتے ہوئے پچھلے لان میں چلے گئے۔

منے خان کو طوعاً و کرہاً حیدر کے پاس بیٹھنا پڑا۔

برات کو آتے ہی چائے پیش کی گئی۔ سفید براق وردیاں پہنے ہوئے بیرے جن کے کلاہ پر سرخ اور ہری پٹیوں میں چمکدار نشان لگے ہوئے تھے بڑی مستعدی سے کام میں مصروف تھے۔

جب تک براتی چاء سے فارغ ہوئے عائشہ کو دلہن بنا دیا گیا۔ سرخ ٹشو بروکیڈ کے جوڑے میں عائشہ کا حسن اور بھی نکھر آیا تھا۔ اور جڑاؤ سونے کا جدید طرز کا سیٹ اس کی گلابی جلد پر بڑا ہی بھلا دکھائی دے رہا تھا۔ پیشانی پر جھومنے لہراتے ٹیکہ نے اس کے معصوم چہرے کو دوبالا کر دیا تھا۔ بیگم ادریس عالم بری میں گیارہ

جوڑے لائی تھیں۔ایک ایک جوڑا قیمتی تھا سمدھنوں کی شان دیکھنے وال تھی۔

بیگم ادریس عالم آج خود بھی شاہانہ جوڑے می تھیں۔ان کی چال میں وہی تمکنت اور وقار تھا۔چاء کے فوراً ہی بعد شور مچ گیا۔باہر سے شہاب الدین چلا رہے تھے۔

ارے بھئی اندر پردہ کروالو وکیل اور گواہ آرہے ہیں۔

عائشہ مسند پر اور بھی سکڑ کر بیٹھ گئی۔نغمہ ابھی سنبھل کر اس کے قریب بیٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ وکیل صاحب دو گواہوں کے ساتھ سر پر قرآن کھڑے ہوئے اور نغمہ ایک دم چونک گئی۔

طاہر کے ہمراہ وہی کھڑا تھا۔وہی اجنبی پروقار چہرے پر کشادہ پیشانی کے نیچے وہی مسکراتی شوخ آنکھیں۔دونوں کی نظریں ملیں اور جھک گئیں۔نغمہ کو اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔ندیم کو اتنا قریب دیکھ کر وہ اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔نگار اور عنبر بھی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''ارے مولانا ندیم کیا قاضی کے پڑھائے ہوئے الفاظ بھول گئے ہو۔ دوسرے گواہ نے ندیم کو ٹھوکا دیا۔

آن وہ چونک گیا۔اور پھر یکدم ہی اپنی حالت پر قابو پاتے ہی بڑی سنجیدگی سے بولا۔

''تمہارا نکاح ریاض ابن ادریس عالم بہ عوض حق مہر پچیس ہزار روپے معجّل اور پچیس ہزار روپے غیر موجل قرار پایا ہے تمہیں منظور ہے''۔

''ہاں کر دو عائشہ'' نغمہ نے اپنی حالت پر قابو پاتے ہی پیچھے سے دھیرے سے کہا:

لیکن عائشہ سسکیاں ہی بھرتی رہی۔ندیم نے دوبارہ وہی الفاظ دہرائے۔

ہاں کر دو عائشہ باجی۔اس مرتبہ صالحہ نگار اور عنبر سب نے دھیرے دھیرے سرگوشی کی۔

اور عائشہ جو لگاتار سسکیاں لے رہی تھی۔ایک مرتبہ زور سے ہون کر کے زور زور سے سسکیاں لینے لگی۔

اس کی ہوں سنتے ہی ندیم نے ہاتھ میں پکڑا رجسٹر نغمہ کی طرف بڑھا دیا۔

اس پر ان کے دستخط کرا دیں۔

نغمہ نے نظریں نیچے کیے ہوئے رجسٹر اس کے ہاتھ سے لے لیا۔اور عائشہ کے سامنے رکھ دیا۔عائشہ نے سسکیاں لیتے ہوئے رجسٹر پر دستخط کر دیے۔تو نغمہ جواب تک چپ بیٹھی تھی بے اختیار رو پڑی۔صالحہ پہلے ہی رو رہی تھی۔

قلم اور رجسٹر سنبھالتے ہوئے ندیم نے ایک مرتبہ پھر بھرپور نگاہ نغمہ کے سراپا پر ڈالی اور باہر چلے گئے۔نکاح کے بعد جب عائشہ کو دیکھنے کے لیے کمرے میں عورتوں کا ہجوم زیادہ ہونے لگا تو نغمہ وہاں سے نکل کر ہال میں چلی آئی بیگم ادریس عالم کے قریب ہی ندیم کی والدہ مسز صادق کمال بیٹھی تھیں ان کے قریب ہی ادریس عالم کی بڑی بہو ارجمند بانو اور فرحانہ بیٹھی تھیں۔

ارے نغمہ تم اب تک کہاں چھپی بیٹھی تھیں ارجمند بانو نے اسے دیکھتے ہی

پکارا۔

چھپی کہاں بیٹھی تھی بس صبح سے کام کرتے کرتے ہلکان ہوگئی ہوں۔اب ذرا کام سے گھبرا کر ادھر نکل آئی ۔وہ ارجمند بانو کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔

آؤ تمہارا تعارف اپنی پھوپھی سے کراؤں۔انہوں نے مسز صادق کمال سے نغمہ کا تعارف کرایا۔

عائشہ کی خالہ زاد بہن نغمہ ہیں پھوپھی جان۔

جیتی رہو بیٹی۔پھلو پھولو۔مسز صادق کمال نے دعائیں دیں۔اور نغمہ آداب بجالائی۔

رات کے کھانے تک جانے کتنی ہی رسمیں ادا ہوئیں۔ایک طوفان مچا ہوا تھا۔کھانے کے بعد برات کی رخصتی کا وقت آن پہنچا۔اور نفیسہ بیگم جو صبح سے چہکتی پھر رہ تھیں۔اب تو ان کے ضبط کا دامن بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔بیٹی کو گلے لگا کر جو رونا شروع کیا تو جتنی ارد گرد خواتین کھڑی تھیں ان کے بھی آنسو نکل آئے۔

وہ تو نہ جانے کتنی دیر سلسلہ جاری رہتی لیکن شہاب الدین کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔

"ارے نفیسہ بہن اب ختم بھی کرو یہ رونا دھونا۔لڑکیاں تو پرائی ہی ہوتی ہیں۔ باہر سب انتظار کر رہے ہیں۔نجمہ بیگم نے عائشہ کو سہارا دیا۔اور اسے گھی کا چراغ روشن کرنے کو کہا۔آٹے کا گندھا ننھا سا چراغ جس میں پگھلا ہوا گھی اور گھی میں روئی کی بتی تھی عائشہ نے سنبھال کر دیے کی لو کو دیا سلائی دکھائی۔اور وہ جلنے لگا سب نے مل کر دعا کی تم سدا اس چراغ کی طرح سب کی آنکھوں کا نور رہو اور

تمہاری قسمت کا ستارہ اسی طرح منور رہے۔ آمین ثم آمین۔ بس میری بچی اب نہ رونا نفیسہ بیگم نے بیٹی کی ڈھارس بندھائی۔ نجمہ بیگم عائشہ کو سہارا دیے آگے دہلیز کی طرف بڑھیں۔ بوا نصیبن طشتری میں پیالی لیے لیے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ جس میں کڑوا تیل تھا۔ دہلیز پر کھڑ ہو کر نجمہ بیگم نے عائشہ کو گلے لگایا اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ طشتری میں سے پیالی اٹھا کر عائشہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

''لو بیٹی یہ دہلیز کے دونوں کونوں میں ڈال دو۔ اللہ تمہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ آمین اردگرد کی تمام خواتین زور سے بولیں۔ اور عائشہ نے سسکتے ہوئے جھک کر تیل دہلیز کے دونوں کونوں میں بہا دیا۔

برآمدے میں باہر طاہر کے ساتھ ریاض کھڑے تھے۔ انہوں نے بڑھ کر بہن کو سہارا دیا۔ اور لیے ہوئے کار کی طرف بڑھے۔ ان کی آنکھوں میں بھی آنسو رواں تھے۔ لیکن وہ ضبط کیے رہے۔

کار میں بٹھا کر انہوں نے اپنے ہاتھ سے کار کا دروازہ بند کیا۔ اسی کار میں ریاض اگلی سیٹ پر جا کر بیٹھے۔ نجمہ بیگم نے بوا نصیبن کو عائشہ کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ وہ بھی عائشہ کے قریب ہی جا بیٹھی تھی.....

''اچھا طاہر میاں'' ادریس عالم نے بڑی محبت سے طاہر سے ہاتھ ملائے۔

''خدا حافظ.....'' طاہر نے دھیرے سے کہا

اور پھر ادریس عالم صاحب شہاب الدین سے رخصت ہوتے ہوئے دوسری کار میں بیٹھے۔ اور کاریں یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے پیچھے سرکنے لگیں۔

باب ۴

بیگم ادریس عالم نے دعوت ولیمہ بڑی شاندار دی تھی۔ جس کا چرچا کافی عرصہ تک رہا۔ نفیسہ بیگم بیگم ادریس عالم کو مالدار تو جانتی تھیں۔ ان کی شاہ خرچی کی بھی قائل ہو گئیں۔

ریاض نے آج ایک چھوٹا سا پروگرام بنایا تھا۔ جس میں اس نے قریبی رشتہ کے جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو شرک دعوت دی تھی۔ بے تکلفی کی اس محفل کا بڑا زور دار انتظام کیا گیا تھا۔

عائشہ ہر مہمان کو برے کمرے کے دروازے پر کھڑی خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ وہ تو شگفتہ پھول کی مانند تروتازہ تھی۔ اور یہی عالم آج فریدہ کا تھا۔ اس کا سڈول اور مرمریں جسم ٹشو کی آسمانی ساڑھی میں بہت ہی سویٹ دکھائی دے رہا تھا۔ فریدہ، طاہرہ کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔ صالحہ اور نغمہ نے دوسرا صوفہ سنبھال لیا۔ حیدر نے منے خان کو تیسرے صوفے کی طرف گھسیٹتے ہوئے کہا۔

ارے آیئے منے خان صاحب یہاں تو سب جوڑے جوڑے بیٹھے ہیں وہ بھی اپنا الگ کوئی بسیرا تلاش کریں۔ منے خان مسکراتے ہوئے حیدر کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ اور اپنی باریک ترشی ہوئی مونچھوں کو تاؤ دینے لگے۔ حیدر کو شرارت سوجھی۔

"خان صاحب اگر آپ مونچھیں بڑھا لیں تو واللہ آپ کا چہرہ بڑا شاندار ہو جائے گا۔

منے خان جانے اس وقت کن خیالوں میں گم تھے۔ ان کی سمجھ میں حیدر کی

بات بالکل نہ آئی تھی لیکن تھوڑے سے توقف کے بعد وہ خود ہی بول پڑے۔

''بھئی مجھے مردوں کے چہرے عورتوں کی طرح صفاچٹ اچھے نہیں لگتے''۔

حیدر نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں جلدی جلدی جھپکاتے ہوئے جواب دیا۔

''وہ تو خیریت گزری آپ کو عورتوں کے چہرے صفاچٹ اچھے لگتے ہیں کہیں آپ ان کے چہروں پر مونچھوں کو پسند فرماتے تو پھر..... پھر تو بڑی مشکل آن پڑتی بھلا پھر ہم ایسی مہ وش کہاں ڈھونڈتے پھرتے.....''؟

محفل زعفران زار بن گئی۔ صالحہ نغمہ' عائشہ اور فریدہ کا تو ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔

منے خان چڑ ہی تو گئے۔ جھلا کر یکدم ہی بول پڑے۔

''یہ کیا بیہودہ مذاق ہے حیدر.....؟''

طاہر نے ان کے بگڑتے تیور دیکھے تو کہا

''خان صاحب کوئی باہودہ مذاق آپ کیجیے.....''۔

منے خان کچھ کہنا ہی چاہتے تھے۔

''میں آ سکتا ہوں.....؟'' کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔ اور سب ہی دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

''ارے ارے آیئے ندیم بھائی آپ نے بڑی راہ دکھائی'' ریاض یکدم اٹھ کر ان کی طرف لپکے۔

''میں واقعی شرمندہ ہوں ریاض بھائی''۔ ندیم نے معذرت کرتے ہوئے کہا

''بس اتفاقیہ دیر ہوگئی''۔

''آپکی کمی بری طرح محسوس ہورہی تھی'' طاہر نے سگریٹ کیس ندیم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''جی شکریہ ..... میں شوق نہیں کرتا'' ندیم نے خالص لکھنوی انداز میں معذرت کی۔

''ادھر لائیے طاہر بھائی جو سگریٹ کے رسیا ہیں انہیں تو آپ نے نظر انداز کر دیا۔ اے بھلا یہ ندیم صاحب کیا جانیں سگریٹ کس چڑیا کا نام ہے'' منے خان نے اپنی طرف سے بہت ہی بے تکلف بننے کی کوشش کی تھی۔ لیکن حاضرین محفل ان کے اس بے تکے انداز گفتگو پر جز بز ہو کر رہ گئے۔

اوہو لیجیے خان صاحب'' طاہر نے بڑی خندہ پیشانی سے سگریٹ کیس منے خان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا'' غلطی ہوگی تھی خان صاحب .....

منے خان نے بڑی لاپروائی سے ایک سگریٹ نکال کر سلگا لیا۔

''ہوں'' انہوں نے سگریٹ کا ایک طویل کش لیا۔ اور پھر تمام دھواں منہ سے اگل دیا۔

نغمہ عائشہ کی آڑ میں صالحہ کے قریب بیٹھی تھی۔ ندیم جس جگہ آن بیٹھا تھا..... وہاں سے اسے صرف نغمہ کا چہرہ صاف دکھائی دیتا تھا۔

نغمہ کو اس کی نگاہوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔ جس سے لحظہ بہ لحظہ اس کا چہرہ شفق کی مانند آتشیں ہوتا جا رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اس جگہ سے اٹھ کر

کہیں اور جگہ بیٹھے جہاں ندیم کی نگاہیں اس کا تعاقب نہ کرسکیں ۔لیکن وہ چاہتے ہوئے بھ جگہ نہ بدل سکی۔

محفل پر بالکل سناٹا چھایا ہوا تھا۔سب ہی منے خان کے سگریٹ پینے کے بے تکے انداز پر دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے۔

نغمہ نے ذرا سا پہلو بدل کر اور بھی عائشہ کی آڑ لینا چاہی۔

ندیم نے نغمہ کی گھبراہٹ بھانپ لی تھی اس نے فقرہ کس دیا۔

''کیوں بھئی ہمارا آنا آپ لوگوں کو ناگوار گزرا کیا؟ جو آپ لوگ یکدم خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

حیدر نے جو ندیم کی شخصیت سے کچھ زیادہ ہی مرعوب دکھائی دیتا تھا فوراً جواب دیا۔

''نہیں جی ذرا با ادب باملاحظہ ہو رہے ہیں''۔

محفل میں پھر سے زندگی کی رمق ابھر آئی تھی۔سب کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی ریاض نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''کھانے میں تو ابھی دیر ہے ندیم تم ہی کچھ سناؤ تم تو ملا دو پیازہ ہو.....

''نہیں نہیں ریاض بھائی'' ندیم نے جواب دیا بھلا آج لطیفوں کا یہاں کیا کام ۔آج تو تھوڑا سا گانے کا پروگرام ہونا چاہیے۔کوئی عمدہ سا گیت مثلاً مثلاً وہ سوچنے لگے مثلاً

گورے گورے ہاتھوں میں مہندی رچا کر نینوں میں کجرا ڈال کے

چلی دلہنیا پیا سے ملنے چھوٹا سا گھونگھٹ نکال کے

ندیم نے دونوں دلہنوں اور طاہر کی طرف اشارہ کر کے بڑے ہی مسخرے انداز میں گانے کے بول دہرائے..... کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔

یوں نہیں ندیم صاحب اب تو پورا گانا سنائیے۔ طاہر نے ہنستے ہوئے کہا۔

دراصل بھائی طاہر ہم تو داؤں بتانے والوں میں سے ہیں گویا تو آپ لوگ ڈھونڈیں۔

نغمہ خوب سمجھ رہی تھی کہ اشارہ اسی کی طرف ہے۔ اس نے اب یہاں سے کھسکنے ہی میں عافیت سمجھی۔

ارے نغمہ کہاں چلیں.....؟ ریحانہ نے نغمہ کو کھسکتے دیکھ کر یکدم بازو سے پکڑ لیا۔

ستار لینے جا رہی ہو گی فریدہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن پھر بھی سب لوگوں نے سن ہی لیا۔

حیدر صوفے سے اچھل پڑا۔

اسے سچ نغمہ باجی آپ ستار بجانا چاہتی ہیں۔ اور ہمیں ابھی تک اس بات کا علم ہی نہیں''۔

نغمہ کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کیسے چھٹکارا حاصل کرے۔ طاہر اور منے خان بھی حیرت سے نغمہ کا منہ تک رہے تھے۔

یہ انکشاف سوائے ندیم کے ہر ایک کے لیے اچنبا خیز تھا۔

فیاض اور ریحانہ یکدم بولے۔

''نغمہ بھئی بس اب تو کچھ سنا ہی دیجیے''۔

ندیم نے بھی تمام محفل پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

''اگر بار خاطر نہ گزرے تو ہم بھی تائید کرتے ہیں''۔

نغمہ کی نگاہیں ندیم کی نگاہوں سے الجھ کر رہ گئیں۔

نغمہ نے اپنے تمام حواس پر قابو میں رکھتے ہوئے بڑے دھیمے لہجہ میں کہا۔

''ستار تو میں لائی نہیں۔ آپ لوگ خواہ مخواہ میرے سر ہو گئے ہیں'' اس نے بے بسی سے چاروں طرف دیکھا۔

طاہر نے نغمہ کی نگاہوں میں خاموش التجا پڑھ لی تھی وہ فوراً بول پڑا۔

''چھوڑیے ریحانہ باجی۔ اب کون ستار لینے گھر جائے گا۔ نغمہ سے ستار کسی اور دن سن لیں گے''۔

نغمہ کی جان میں جان آ گئی۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ طاہر کی رائے سے سب نے اتفاق کیا۔

لیکن کچھ نہ کچھ رنگ تو ہونا ہی چاہیے۔ یہ خاموشی تو ٹھیک نہیں۔ ارجمند بانو کے منہ سے یہ الفاظ سن کر ان کے میاں فیاض بھڑک کر بولے۔

آپ ہی کچھ سنائیے۔

اوئی اللہ مجھ کو کہاں گانا آتا ہے۔ ارجمند بانو تو یکدم اچھل پڑی تھیں۔ ان کی آواز ذرا موٹی اور کراری تھی۔

فیاض اپنی جگہ اٹل رہے۔ ارے بیگم خدا کے لیے جھوٹ نہ بولو میں نے تمہیں بارہا گنگناتے سنا ہے''۔

دونوں میاں بیوی کی نوک جھونک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے طاہر نے جلدی سے کہا۔

''اچھا آپ دونوں فیصلہ کرلیں جب تک ہم منے خان سے کچھ سنتے ہیں''۔

سب ہی فوراً چلا اٹھے۔

''ہیئر ہیئر ونڈرفل منے خان کوئی مزید ارسی غزل ہو جائے''۔ حیدر چلایا۔

اور منے خان کو تو جیسے بادشاہت مل گئی تھی۔ وہ اور بھی فخر سے پھول گئے۔ اور انہوں نے بغیر کسی حیل وحجت کے گلا کھنکھار کر صاف کیا۔ ریاض بھائی نے سب کو خاموش کرایا۔

''بھئی آپ لوگ ذرا خاموش رہیں۔ اور اطمینان سے غزل سنیں''۔ اور پھر منے خان سے کہا ''ہاں خان صاحب بسم اللہ کیجیے''۔

انہوں نے تھوڑی دیر گنگنانے کے بعد اپنی طرف سے بڑی پرسوز طرز کی آواز نکالی۔

بیتے ہوئے دن کچھ ایسے ہیں تنہائی جنہیں دہراتی ہے۔

صالحہ کا تو مارے ہنسی کے برا حال ہو رہا تھا۔ اس نے رومال منہ میں ٹھونس کر پوزیشن بچالی۔ فیروزہ تھوڑی دیر اگر اور وہاں بیٹھتی تو کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔ وہ اچانک کوئی چیز یاد کر کے اٹھ کر اندر والے کمرے میں چلی گئی۔ عائشہ سر نیوڑائے

ناک بند کیے بیٹھی رہی۔ چہرہ ہنسی ضبط کرنے سے گلنار ہو گیا تھا۔ نغمہ اپنے آپ پر قابو کیے بیٹھی تھی۔ وہ تو کچھ کچھ پریشان بھی تھی۔ کہ کہیں اس سے کوئی گانے کی فرمائش نہ کر دے۔

سب ہی مرد زیر لب مسکرا رہے تھے۔ طاہر اور ندیم ساتھ ساتھ داد بھی دیے جا رہے تھے۔

''سبحان اللہ خان صاحب کیا شعر پڑھا ہے دوبارہ پڑھیے''۔

وہ تپتی چھتیں وہ منڈیریں کوٹھے کے وہ پھیرے پہ پھیرے

''مرحبا قسم خدا کی کمال کی آواز پائی ہے'' ندیم نے داد دی کیا عمدہ شعر پڑھا ہے۔

منے خان ہر داد پر جھک کر آداب بجالاتے۔

واہ واہ خان صاحب طبیعت خوش کر دی ہے آپ نے تو''۔ ریاض نے غزل کے اختتام پر منے خان کے دونوں ہاتھوں پر عقیدت سے بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

''مان گئے آج تو خان صاحب آپ تو چھپے رستم نکلے'' فیاض نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بس فیاض بھائی یونہی کبھی کبھی بے تکلف دوست احباب کی محفل میں گا لیتا ہوں منے خان نے کسر نفسی سے کام لیا۔

''ارے نہیں صاحب آپ تو اچھا خاص گا لیتے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ تو سنگیت کے اتار چڑھاؤ سے بھی واقف ہیں''۔ ندیم نے ٹکڑا لگایا۔

''نہیں نہیں ندیم بھائی آپ خواہ مخواہ میری تعریف کر رہے ہیں بس جتنا کچھ آتا تھا سنا دیا'' منے خان شرم سے دہرے ہوئے جا رہے تھے۔

''یار ندیم تم ہی کچھ سناؤ.....'' فیاض نے دھیرے سے ندیم سے کہا۔

''ہاں ندیم بھائی ذرا ہو جائے'' ریاض نے بھی تائید کی۔

''بہتر.....'' ندیم نے سر کو خم کرتے ہوئے گلا صاف کیا۔ فریدہ منے خانکی غزل ختم ہوتے ہی آ گئی تھی۔

''سنیے.....'' ندیم نے دھیرے سے کہا اور پھر بڑی ٹھہری ہوئی لے میں پڑھنے لگا۔

گھبرا کے زندگی کے غم لازوال سے

ہم رو دیے لپٹ کر کسی کے خیال سے

اور ان کی نگاہیں آپ ہی آپ نغمہ کی طرف اٹھ گئیں۔ انہوں نے عائشہ کو مخاطب کیا جو ڈوپٹہ میں ٹنکے ستاروں سے کھیل رہی تھیں۔

''دلہن بھابھی آپ بھی سن رہی ہیں یا ڈوپٹے میں لگے ستارے گن رہی ہیں''۔

اور عائشہ ندیم کے اس جملے پر کٹ کر رہ گئی۔ جلدی سے ڈوپٹہ چھوڑ کر بولی۔

''سن رہی ہوں ندیم بھائی'' انہوں نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ارے سنائیے ندیم بھائی۔ ہم سب سن رہے ہیں۔'' طاہر نے صوفے پر پہلو بدلا۔ وہ ندیم کی ٹھہری ہوئی مترنم آواز کو سن کر حیران تھا۔ کہ ندیم اتنا اچھا گاتا

ہے۔

اچھا تو سنیے انہوں نے اگلا شعر پڑھا۔

گزری ہوئی خوشیوں کو وہ طوفاں ہے تیری یاد

ایک کیف کا ایک درد کا درماں ہے تیری یاد

اس شعر کو الاپنے کے بعد انہوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے

جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے

''بہت خوب ندیم صاحب کمال کر دیا آپ نے'' طاہر نے شعر ختم ہوتے ہی کہا۔

''ایک اور غزل ہو جائے بخدا طبیعت موزوں ہو گئی شعر سن کر''۔

''یاں یار ایک اور غزل سنا دو۔ بخدا اب ذرا لطف آیا ہے'' فیاض نے داد دیتے ہوئے کہا۔ ارھمند بانو نے بھی داد دی۔

''اچھا لیجیے ایک اور غزل سنیے'' ندیم نے کن انکھیوں سے نغمہ کی طرف دیکھتے ہوئے شکیل کی غزل شروع کر دی۔

غم عشق رہ گیا غم جستجو میں ڈھل کر

وہ نظر سے چھپ گئے ہیں میری زندگی بدل کر

بہت عمدہ..... طاہر نے پہلو بدلا۔

خوب بہت خوب..... حیدر نے بھی داد دی۔

اور نغمہ تو اس غزل کے شروع ہوتے ہی سر جھکا کر بیٹھی گئی تھی۔

ندیم نے دوسرا شعر گایا۔

تیری گفتگو کو ناصح غم زدہ سے جل کر

ابھی تو سن رہا تھا مگر اب ذرا سنبھل کر

انہوں نے دوسرا شعر پڑھنے کے بعد فیاض بھائی کو مخاطب کیا۔

''فیاض بھائی شعر ملاحظہ فرمائیے''۔

''ارشاد ارشاد میں سن رہا ہوں'' وہ صوفے پر اور بھی سنبھل کر بیٹھ گئے۔

نہ ملا سراغ منزل کہیں عمر بھی کسی کو

نظر آ گئی ہے منزل ہمیں دو قدم ہی چل کر

''واہ واہ مرحبا بہت خوب..... سب نے ہی داد دی۔

ندیم شعر گاتے ہوئے جھک کر آداب بجا لایا اور پھر انہوں نے دوسرا شعر پڑھنے سے پہلے فریدہ کو مخاطب کیا۔

''فریدہ بھابھی ذرا شعر ملاحظہ فرمائیں''۔

اور فریدہ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بولی ''میں سن رہی ہوں''

غم عمر مختصر سے ابھی بے خبر ہیں کلیاں

نہ چمن میں پھینک دینا کسی پھول کو مسل کر

اس شعر پر تو خوب ہی داد ملی۔

ندیم نے گلا صاف کرتے ہوئے اس مرتبہ عائشہ کو مخاطب کیا۔

سنیے دلہن بھابھی اگلا شعر۔ اور نغمہ جانتی تھی کہ دلہن بھابھی کی آڑ میں اسے ہی مخاطب کیا جا رہا ہے۔ اس کے عارض تمتما اٹھے۔

ہیں کسی کے منتظر ہم مگر اے امید مبہم

کہیں وقت رہ نہ جائے یونہی کروٹیں بدل کر

''اور اگلا شعر بھی دلہن بھابھی'' نغمہ کٹ ہی تو گئی۔

کبھی یک بیک توجہ کبھی دفعتاً تغافل

مجھے آزما رہا ہے کوئی رخ بدل بدل کر

واہ واہ ندیم بھائی بہت خوب۔ ریاض نے کہا۔ پھر پڑھیے اس شعر کو شکیل نے تو کمال ہی کر دیا اس شعر میں۔

مقطع عرض ہے۔ منے خان صاحب کو ندیم نے مخاطب کیا ''منے خان صاحب ذرا سنیے۔

ہیں شکیل زندگی پہ یہ جو وسعتیں نمایاں

انہی وسعتوں سے پیدا کوئی عالم غزل کر

سب ہی نے ندیم کی آواز ترنم اور لے کی تعریف کی۔

ریحانہ نے بڑی لجاجت سے کہا ''ندیم بھائی کچھ اور سنائیں''۔

''بس اب نہیں'' ندیم اب صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

عائشہ نے کہا ''ندیم بھیا ایک غزل اور سنا دیں۔ سچ آپ کی آواز میں غزل بن جاتی ہے''۔

''اب کچھ یاد نہیں'' وہ بدستور آنکھیں بند کیے نیم دراز تھے۔ کچھ توقف کے بعد خود ہی بولے۔

''ایک شعر یاد آ گیا ہے شاید آپ لوگوں کو پسند آ جائے'' انہوں نے ترنم سے پڑھا۔

نہ جانے کتنے گلے اس میں مضطرب ہیں ندیم
وہ ایک دل جو کسی کا گلا گداز نہیں

ارے یار ندیم۔ فیاض یکدم چیخے ظالم کیا شعر کہا ہے۔ اور یہ غزلیں تم کہاں سے کہنے لگ گئے؟ وہ حیرانی سے ندیم کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

فیاض بھائی۔ ریاض نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''یہ ندیم کیا نہیں ہیں یہ پوچھیے؟'' جس مشاعرہ میں جاتے ہیں مشاعرہ لوٹ لیتے ہیں.....''

جانے منے میاں کو کیا سوجھی شاید اپنا رعب جمانا چاہتے تھے فوراً بولے۔

''صاحب کچھ نہ پوچھیے ایک زمانے میں یہ بھی خبط ہو گیا تھا''۔

لڑکیاں تو سب منہ میں ڈوپٹے ڈال کر ہنسی روکنے کا بندوبست کرنے لگی تھیں۔

طاہر یکدم چونک اٹھے۔

''ارے خان صاحب کیسا خبط ہو گیا تھا خیریت تو تھی نا.....''

منے خان نے اپنی گنجان بھنویں گھما پھرا کر بڑے انداز میں جواب دیا۔

''یہی شعر و شاعری کا''۔

ارے واہ بھئی کمال کر دیا منے خان صاحب ریاض چلائے۔ آپ نے پہلے کیوں نہ بتایا چہ چہ" انہوں نے بڑے افسوس بھرے لہجہ میں بات آگے بڑھائی۔

"ہم تو ابھی تک آپ کے کلام سے محروم ہی رہے۔ آپ کی ذات گرامی اتنی بڑی صفات کی حامل ہے اور آپ نے ظاہر تک نہ ہونے دیا۔ کمال ہے"۔

حیدر نے ٹکڑا لگایا۔

"اگر واقعی پہلے پتہ چل جاتا۔ تو ایک محفل مشاعرہ منعقد کر لیتے"۔

"اور نہیں تو کیا" ندیم نے ہلدی سلگائی "صدارت منے خان کی ہوتی لطف آ جاتا بخدا....."

سب لڑکیاں مسکرا رہی تھیں۔ سب جانتیں تھیں۔ اب منے خان کی پھر شامت آئی ہے۔ منے خان اپنی تعریف سن کر پھولے نہیں سما رہے تھے۔

اب تو عرصہ گزر گیا مدت سے کوئی شعر نہیں ہوا۔ اور پرانی غزلوں سے بھی بس ایک آدھ شعر ہی یاد رہ گیا ہے"۔

طاہر نے بڑے انکسارانہ انداز میں کہا۔

"کچھ دماغ پر زور ڈال کر یاد کرنے کی کوشش کیجیے خان صاحب ندیم بھی آپ کے کلام سے محضوظ ہو لیں"۔

"کوشش کرتا ہوں" منے خان نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا.....

تھوڑی دیر تک وہ سوچتے رہے۔ اور سب حاضرین محفل مسکراتے ہوئے بے

چینی سے اپنی جگہ جلدی جلدی پہلو بدل رہے تھے۔

لیجیے ایک غزل کے چند اشعار یاد آ گئے۔ منے خان نے صوفے پر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ارشاد'' فیاض بولے۔

''جی فرمائیے.....'' ریاض بھائی نے کہا۔

''سنیے'' منے خان نے کہا اور شعر پڑھا۔

اٹھا کے رنج و غم وصال تک پہنچا

تیری زندگی کا جوہر کمال تک پہنچا۔

اور پھر ذرا رک کر انہوں نے نغمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوسرا شعر پڑھا۔

کبھی یہ پھول ہم آغوش مدعا نہ ہوا

کسی کے دامن رنگین سے آشنا نہ ہوا

منے خان کے اس طرح کھلے بندوں نغمہ کی طرف اشارہ کر کے شعر پڑھنے پر سب ہی حیرت زدہ بیٹھے رہے نغمہ کا تو غصہ کے مارے برا حال تھا۔ ندیم بڑی حیرت سے منے خان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور ان کا دماغ مسلسل سوچ رہا تھا کہ یہ شعر انہوں نے کہاں پڑھے ہیں۔ انہیں یہ تو یقین تھا کہ یہ شعر منے خان کے نہیں ہیں۔ اور پھر انہیں یکدم ہی خیال آیا کہ یہ اشعار علامہ اقبال مرحوم کے ہیں۔

ندیم نے بڑی دھیمی آواز میں کہا۔

خان صاحب یہ پہلا شعر تو بڑا لاجواب ہے مکرر ارشار کیجیے۔

منے خان نے اتراتے ہوئے جواب دیا۔

ندیم صاحب کچھ نہ پوچھیے کئی دن کی جان توڑ کوششوں کے بعد پہلا شعر ہوا تھا۔ یقیناً یقیناً..... طاہر نے ٹکڑا لگایا۔

مکرر مکرر سب ہی تقریباً چلا اٹھے۔ ہاں خان صاحب ارشاد''۔

منے خان نے پھر شعر پڑھا۔

اٹھا کے رنج و غم وصال تک پہنچا

تیری زندگی کا جوہر کمال تک پہنچا

شعر تو بڑا اونچا ہے خان صاحب لیکن اگر اسے یوں پڑھا جائے تو اور جاندار ہو جائے گا۔ ندیم نے علامہ اقبال مرحوم کا صحیح شعر پڑھا۔

اٹھا کے صدمہ فرقت وصال تک پہنچا

تری حیات کا جوہر کمال تک پہنچا

منے خان جز بز ہو کر بولے۔

نہیں جناب یہ شعر آپ کا ہے اور وہ شعر میرا ہے میں تو اسی طرح پڑھوں گا۔

ندیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''خان صاحب نہ تو وہ شعر میرا ہے اور نہ یہ شعر آپ کا ہے علامہ اقبال مرحوم کا شعر ہے''۔

''ارے سچ'' سب ہی تقریباً چلا اٹھے۔

میں بھی دماغ پر زور دے رہا تھا۔ کہ یہ شعر کہیں پڑھا ہوا ہے۔ لیکن یاد نہیں آ رہا تھا.....'' طاہر نے کہا۔

میرا حافظہ اگر غلط نہیں تو فیاض نے کہا'' تو میرا خیال ہے کہ یہ اشعار بانگ درا میں سے ہیں۔

طاہر یکدم بول اٹھے۔

'' یاد آ گیا یہ تو ان کی مشہور زمانہ نظم پھولوں کا تحفہ کے اشعار ہیں۔

حیدر نے نعرہ لگایا۔

'' منے خان زندہ باد.....''

محفل زعفران زار بن گئی۔

لیکن منے خان اب بھی بضد تھے۔ کہ یہ ان کے اپنے اشعار ہیں۔ اور علامہ اقبال مرحوم کا انا شعار سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ سب ان کی چوری اور سینہ زوری پر حیران تھے۔

نغمہ کی حالت ابھی تک نہ سنبھلی تھی وہ فریدہ اور عائشہ کی طرح سر جھکائے ہی بیٹھی تھی جیسے وہ خود بھی نئی نویلی دلہن ہو۔

محفل پر ایک عجیب سی مکدرانہ کیفیت طاری ہو گئی تھی اور اس کشمکش کو نوکر کی آمد نے ختم کر دیا۔

کھانا تیار ہے حضور۔ نوکر نے کمرے میں آ کر مودبانہ کہا۔

آیئے پہلے کھانا کھا لیں پھر کچھ اور سوچیں گے۔ ریاض نے اٹھتے ہوئے کہا۔

باب ۵

شادیوں کی گہما گہمی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ طاہر اور فریدہ کے ہمراہ چند دنوں کے لیے کراچی چلے گئے تھے۔ صالحہ تمام دن اپنی پہننگ میں مصروف رہتی تھی۔ حیدر تمام دن گھر سے غائب رہتا۔ نادرہ بیگم اپنے گھر جا چکی تھیں۔ نجمہ بیگم دن بھر گھریلو معاملات میں الجھی رہتی تھیں۔ اور نفیسہ بیگم کے پاس تمام دن ملنے والیوں کا میلہ سا لگا رہتا تھا۔ عائشہ اپنی سسرال میں تھیں۔ منے خان اور خوشنود بانو ابھی تک یہیں تھے منے خان سے نغمہ فی الوسیع آمنا سامنا کرنے سے گریز کرتی تھی۔

نغمہ کی شوخ اور چنچل ادائیں اور بے باک قہقہے جانے کن ویرانوں میں کھو گئے تھے۔ وہ چپ چپ سی رہنے لگی تھی۔ خاموش اور سنجیدہ تمام دن وہ سب سے الگ تھلگ خیالوں میں گم بیٹھی رہتی۔ امتحان کی تیاریوں میں بھی دل نہ لگتا تھا۔ وہ جو مطالعہ کی شروع ہی سے تیاری تھی لیکن اب کتاب کے دو چار اوراق پڑھنے کے بعد بور ہو جاتی تھی۔ وہ اپنی اس اچانک تبدیلی کی وجہ سے خود بھی پریشان رہنے لگی تھی۔

ایک شام وہ اپنی مغربی بالکونی میں بیٹھی ڈوبتے سورج کا نظارہ دیکھ رہی تھی۔ سردیوں کی یہ رو پہلی شام بہت ہی اداس اور غمزدہ سی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے آسمان کے مغربی کونے میں آگ لگی گئی ہے جس کی لپٹ نے تمام کائنات پر ایک اداس اور سوگوار سی لہر دوڑا دی تھی۔ اور اب اس اداسی نے دھیرے دھیرے اس کے دل کو جلانا شروع کر دیا تھا۔ جس کی سوزش اور جلن لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہی چلی

جا رہی تھی۔ عنبر نے صبح ٹیلی فون کیا تھا۔ کہ وہ شام کو معہ چنڈال چوکڑی کے آ رہی ہے۔ لیکن وہ ابھی تک نہ پہنچی تھی۔ وہ اپنے خیالات میں غلطاں تھی کہ منے خان اپنی قمیض لیے ان کے کمرے میں آن وارد ہوئے۔

''ارے نغمہ بیگم ذرا یہ بٹن تو ٹانک دینا اس میں'' انہوں نے بڑی بے تکلفی سے قمیض نغمہ کی گود میں پھینکتے ہوئے کہا۔

نغمہ ایک تو اس کے اس طرح بغیر اطلاع دیے کمرے میں داخل ہونے پر ہی جھنجھلا اٹھی تھی اس بے تکلفی نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے منے بھائی آپ میرے کمرے میں دراتے چلے آتے ہیں؟''

''وہ دراصل ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے میں ایسا تکلف پسند نہیں کرتا''۔

''لیکن میں تو یہ تکلف پسند کرتی ہوں میں نہیں چاہتی کہ آپ اس طرح شتر بے مہار جب جی چاہا میرے کمرے میں گھس آیا کریں''۔

''چاہتا تو میں بھی نہیں نغمہ'' منے بری لجاجت سے بولے ''لیکن اس دل کمبخت کا کیا کروں جو تمہیں دیکھنے کے لیے بے تاب رہتا ہے''۔

منے بھائی ''وہ تقریباً چلا دی'' کسی اور خیال میں مت رہیے۔ میں اس قسم کے فلمی ڈائیلاگ سننے کی عادی نہیں۔

نغمہ خدا کے لیے مجھے غلط سمجھنے کی کوشش نہ کرو میں تو..... لیکن نغمہ نے درمیان میں سے بات کاٹ لی

''چلے جایئے میرے کمرے سے منے بھائی ورنہ میں'' اور اس نے گود میں پڑی ہوئی ان کی بوسکی کی قمیص ان کے منہ پر دے ماری'' ورنہ میں کچھ اور گستاخی کر بیٹھوں گی''۔

منے خان پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے قمیض اٹھا کر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے وہاں سے نکل گئے۔ ان کے جاتے ہی وہ اپنے بستر پر نڈھال ہو گئی۔ اور بے اختیار اس کی آنکھوں سے جھلمل جھلمل آنسو بہنے لگے۔

''اوہو تو یہ یہاں منہ سر لپیٹے پڑی ہے'' نگار نے آتے ہی اسے جھنجھوڑ دیا۔

''ارے یہ تو رو رہی ہے'' نرگس بھی اس پر جھک آئی تھی۔

''شاید کوئی نیا غم ہو.....'' عنبر نے لقمہ لگایا۔

''یا پھر کوئی نئی کہانی.....'' فیروزہ نے ٹکڑا لگایا۔

چنڈال چوکڑی کی آمد نے اس کی کدورت دور کر دی تھی۔ اس نے من وعن تمام واقعہ دہرا دیا۔

''اوئے ظالم تمہیں کتنے عرصہ سے کہہ رہی ہوں ذرا سا التفات تھوڑا سا چکر دو چنڈال چوکڑی کے کچھ دن عیش سے گزر جائیں گے لیکن تم مانتی ہی نہیں''۔

''خدا کے لیے نگار سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ بھی کوئی انسان ہے۔ قسم خدا کی بات کرنے کو طبیعت نہیں چاہتی'' نغمہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

'میری بنو'' فیروزہ نے قریب بیٹھتے ہوئے کہا'' ایسے ایسوں ہی کو تو بنانے میں لطف آتا ہے''۔

''اللہ رے بے حیائی کہو تو تمہارا اور منے خا کا معاملہ فٹ کروا دوں'' نغمہ نے جز بز ہو کر کہا۔ لیکن فیروزہ ایک ہی کائیاں تھیں۔ شرمانے کی بجائے فوراً ہی سوال کر ڈالا۔

''اچھا تو تمہیں یہ بھی کام کرنا آتا ہے۔ کب سے شروع کیا ہے یہ کام۔ نغمہ اور بھی جل گئی۔.....''

''ارے ہٹاؤ اس قصے کو''۔ عنبر نے ایک اور بھرپور وار کیا۔ ہاں تو سناؤ وہ تمہارے ندیم صاحب کا کیا حال ہے''۔

''میرے! میرے ندیم صاحب'' نغمہ تنک اٹھی۔ کہیں تم نشہ میں تو نہیں ہو۔

عنبر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

''ہاں تمہارے ندیم صاحب۔ میں بالکل اپنے ہوش و ہواس میں ہوں سمجھیں نغمہ صاحبہ جن کا سامنا کرنے سے تم گھبراتی ہو۔ لیکن تمہاری آنکھیں انہیں دیکھنے کے لیے مچل مچل جاتی ہیں اور.....

نگار نے درمیان سے بات اڑا لی۔

''اور جب تمہاری آنکھیں مچلتی ہیں تو ان میں بے انتہا محبت امڈ آتی ہے۔ اور جب محبت کے گھنیرے سایے تمہاری آنکھوں میں اتر آتے ہیں تو تم گھبرا جاتی ہو''۔

''بخدا نگار چپ ہو جاؤ۔ ورنہ مار بیٹھوں گی'' نغمہ تقریباً روہانسی ہو کر بولی۔

واہ واہ۔ نگار نے ناک سکوڑتے ہوئے کہا ''مارو تو بھلا کیسے مارو گی۔ ہم نے تو

آنکھوں دیکھی بات کہی ہے اور کہیں گے کسی کو برا لگے یا اچھا لگے''۔

''تم تو پوری پکی چڑیل ہو۔کبھی تو سنجیدہ ہو جایا کرو'' نغمہ نے درد بھرے لہجہ میں کہا۔

''تو پھر بتاؤ ناں ندیم صاحب کے کیا حال چال ہیں'' نگار نے پوچھا۔

اور جیسے یہ جملہ نغمہ کے سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتا چلا گیا۔اسے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ سوال اس کا منجمد ذہن بھی بڑی دیر سے سوچ رہا تھا۔اور اب بھی اس سوال نے نگار نے کر دیا وہ اس جملے میں الجھ کر رہ گئی تھی۔

جانے وہ ابھی اسے اور کتنا تنگ کرتیں لیکن صالحہ کی آمد نے گفتگو کا رخ ہی بدل دیا۔

''اچھا چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ نرگس نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔''عنبر آج پکچر دکھا رہی ہے''۔

''نہیں میں تو نہ جا سکوں گی'' نغمہ نے بہانا بنایا۔''میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

''چلی جائیں نا باجی نغمہ''۔صالحہ نے بھی عنبر کی طرف داری کی۔ویسے بھی آج کل آپ تمام دن کمرے میں ہی پڑی رہتی ہیں۔تھوڑی سی آؤٹنگ ہو جائے گی۔

چلو اٹھو اب زیادہ بہانے نہ بناؤ۔نگار نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں نگار مان جاؤ'' میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔پھر کبھی سہی۔آج تو معاف کر دو''۔

''اچھا'' نگار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا'' آج کے انکار کے بدلے تمہیں ایک پکچر ضرور دکھانی پڑے گی بولو منظور''۔

''ہیر ہیئر'' سب چلائیں۔

''ہاں اگر وعدہ کرلے تو ہمیں منظور ہے ہم انہیں چھوڑے جائیں گے''۔

''واہ یہ اچھی رہی۔ ایک تو میں پکچر دیکھنے سے انکار کر رہی ہوں دوسرے مجھ سے ہی جرمانہ ادا کرنا پڑ رہا ہے۔ ارے پکچر وہ دکھائیں جو آج دیکھیں گی''۔

''جی نہیں یہ الٹی گنگا ہے'' نگار نے ہر لفظ چباتے ہوئے کہا'' اگر وعدہ کرو تو بہتر ہے ورنہ ہم زبردستی ساتھ لے جائیں گے''۔

''اچھا بھئی پکچر دکھادوں گی۔ اب جاؤ میرا پیچھا چھوڑو''۔

''ہرے'' سب نے نعرہ لگایا۔

''آؤ بھئی چلیں ورنہ لیٹ ہو جائیں گے'' نگار نے اٹھتے ہوئے کہا آنٹی سے چنڈال چوکڑی کا سلام کہہ دینا۔ اور آج کی چاء بھی ادھار رہی''۔

نغمہ صرف مسکرادی۔ صالحہ اور نغمہ برآمدے تک انہیں چھوڑنے آئیں''۔

ان کے جاتے ہی صالحہ حیدر کے ہمراہ بازار چلی گئی۔ وہ پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔

سائڈ لیمپ روشن کر کے وہ بیڈ پر لیٹ گئی۔ اور پھر خیالوں کی اجنبی راہوں میں بھٹکنے لگی۔ اس کے ذہن میں وہی شعر گونج گیا۔

نہ جانے کتنے گلے اس میں مضطرب ہیں ندیم

وہ ایک دل جو کسی کا گلا گداز نہیں

وہ انہی خیالات میں بہتی جانے کب سو گئی تھی۔ اسے بوا صبین نے آن جگایا۔

''ارے بیٹا اٹھو' یہ کون سا وقت ہے سونے کا صاحب کھانے پر انتظار کر رہے ہیں''۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ مینٹل پیس پر رکھی ہوئی فیور لیو بارات کے ساڑھے آٹھ بجا رہی تھی۔

''تم چلو میں ابھی آتی ہوں'' اس نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

بوا کے جاتے ہی اس نے جلدی جلدی بال سنوارے کپڑوں کی شکنیں درست کیں اور جب وہ ڈائننگ روم میں پہنچی تو سب سے پہلے منے خان کی نظر اس پر پڑی۔ وہ خاموشی سے نجمہ بیگم کے برابر والی کرسی پر جا بیٹھی۔

''کیوں بیٹی طبیعت تو ٹھیک ہے نا'' نجمہ بیگم نے بڑے پیار سے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں امی'' نغمہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''دراصل کتاب پڑھتے پڑھتے نیند آ گئی تھی۔'' اس نے بہانہ تراشا۔

شام کے وقت ذرا ٹہلنے چلی جایا کرو ابھی تو صالحہ یہیں ہے۔ شہاب الدین نے قورمہ کا ڈونگہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

دادا جان میرے خیال میں تو اب نغمہ کے ہاتھ بھی پیلے کر دیے جائیں تو بہتر ہے خوشنود نے شہاب الدین سے کہا۔

شوربہ نکالتے ہوئے شہاب الدین کے ہاتھ یکدم رک گئے۔

''کیا.....؟'' وہ چونکتے ہوئے بولے ''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا''۔

نجمہ بیگم اتنی دیر میں کرسی پر سنبھل کر بیٹھ چکی تھیں۔ نفیسہ بیگم نے بھی کان تیز کر لیے۔ کہ کہیں کھاتے کھاتے میں اس دلچسپ گفتگو کا کوئی لفظ چھوٹ نہ جائے۔

''دادا جان'' خوشنود نے نجمہ بیگم اور نفیسہ بیگم کو دیکھتے ہوئے پھر بات آگے بڑھائی۔

''میرا مطلب تھا کہ نغمہ کی بھی اب شادی آپ کر ہی دیں''۔

''اچھا اچھا'' شہاب الدین نے خوشنود کی بات کو مزاح کا رنگ دے دیا۔

''ہاتھ پیلے کر دینا تم نے محاورے کے طور پر استعمال کیا تھا''۔

نغمہ خوب سمجھتی تھی کہ خوشنود کیا کہنا چاہتی ہے۔ نجمہ بیگم شروع ہی سے اس منے خان کے خلاف تھیں۔ اور شہاب الدین کی حد سے زیادہ توجہ کبھی کبھی انہیں کھل جایا کرتی تھی۔ لیکن آج شہاب الدین کی اس طرز گفتگو سے انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ خوشنود کو بڑی آسانی سے ٹال رہے ہیں۔ نجمہ بیگم نے بات میں شرکت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور خاموشی سے کھانا کھاتی رہیں۔

نغمہ بھی پلیٹ پر نظریں جمائے کھانا کھانے میں مصروف رہی۔

لیکن نفیسہ بیگم اور صالحہ اور بھی چوکنی ہو گئی تھیں۔ نفیسہ بیگم نے خوشنود سے پوچھا۔

''کیوں خوشنود تم نے نغمہ کے لیے کوئی لڑکا ڈھونڈ لیا ہے؟'' اور خوشنود کو تو جیسے

اپنے دل کی بات کرنے کا موقع مل گیا تھا وہ تو اس سوال کی منتظر بیٹھی تھی۔ مسکرا کر کہنے لگی۔

''میں تو اس مرتبہ آئی ہی اس مقصد کی خاطر ہوں۔

اب نغمہ سے وہاں بیٹھنا ناممکن ہو چکا تھا۔ اور کھانا ادھورا چھوڑ کر خشمگین نگاہوں سے خوشنود اور منے خان کو گھورتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ شہاب الدین اور نجمہ بیگم دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ نجمہ بیگم جانتی تھیں۔ کہ خوشنود کیا کہنا چاہتی ہے۔

خوشنود نے اپنی بات جاری رکھی۔

''میرے خیال میں تو منے خان اور نغمہ کا جوڑا ماشاءاللہ خوب رہے گا''۔

منے خان کی تو یہ سنتے ہی باچھیں کھل گئیں۔ نجمہ بیگم کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن شہاب الدین کی تیز اور تیکھی آواز ان کے حلق تک آئے الفاظ حلق ہی میں ڈوب کر رہ گئے۔

''ایسا قیامت تک نہ ہو سکے گا خوشنود اور میرے خیال میں تمہارے آنے کا مقصد حل ہو گیا ہے خوشنود غالباً اب تم دونوں جلد ہی روانہ ہو جاؤ''۔ شہاب الدین غصے کے مارے بھنائے ڈائننگ روم سے باہر نکل گئے۔ منے خان سکتے کے عالم میں جہاں بیٹھے تھے وہیں بیٹھے رہ گئے۔

''مجھے کیا پتا تھا اتنی ذلیل ہو جاؤں گی'' خوشنود کھانا چھوڑ کر آنسو بہانے لگی ''میں نے کوئی جرم تو نہیں کیا جو مجھے یوں کھڑے کھڑے گھر سے نکل جانے کو کہہ

دیا''۔

نجمہ بیگم کچھ نہ بولیں نفیسہ بیگم دھیرے دھیرے تسلی دیتی رہیں۔

''خدا کو یہ جوڑا منظور نہ تھا خوشنود۔ جانے دو تم تھوک دو۔ بزرگوں کی بات کا برا نہیں مانتے'' خوشنود مسلسل روئے جا رہی تھی۔

''مجھے کیا معلوم تھا یہاں یہ سلوک ہوگا۔ اے جہاں بیری ہو وہاں ڈھیلے آتے ہی ہیں۔ جہاں لڑکی ہو وہاں مانگ آتی ہی ہے لیکن یوں کوئی دھتکارتا نہیں۔ جیسے مجھے دھتکارا گیا ہے''۔

مجھے خان جز بز ہو کر چلائے۔

''باجی آپ تیاری کریں ہم ابھی چلیں گے میں اب خود یہاں مزید ٹھہرنا نہیں چاہتا''۔

حیدر نے منے خان کو سمجھایا۔

''نہیں خان صاحب یوں یکدم غصہ میں آ جانا ٹھیک نہیں اپنوں میں .....ہی کرتی ہیں''۔

''لیکن اپنوں کو یوں کوئی ذلیل نہیں کرتا.....

''آپ اطمینان سے بیٹھیں تو.....

سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیں.....

''مجھے کسی رائے کی ضرورت

.....

کرتے ہوئے جواب دیا۔

نجمہ بیگم جانتی تھیں کہ شہاب الدین اپنے فیصلے پر اٹل ہیں۔لیکن پھر بھی وہ خوشنود کو یوں نہ جانے دینا چاہتی تھیں۔مگر شہاب الدین کے کہے ہوئے الفاظ سے ظاہر تھا کہ وہ ان دونوں کے وجود کو مزید یہاں گوارا نہیں کر سکتے تھے لیکن پھر بھی نجمہ نے کچھ سوچتے ہوئے خوشنود سے کہا۔

''صبح چلی جانا اتنی.....''لیکن منے خان درمیان ہی میں بول پڑے۔

''ابھی جائیں گے اسی وقت۔ہمیں سمجھا کیا ہے اٹھیے باجی جان سامان تیار کریں''۔

کو ساتھ لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

بھی وہیں دوسری کرسی پر نیم دراز ہو گئیں۔

منے خان اور خوشنود اسی وقت چلے گئے۔انہوں نے جاتے ہوئے کسی سے سلام کلام نہ کیا۔

نغمہ نے اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑے ہو کر انہیں جاتے دیکھا جب ان کی ٹیکسی گیٹ سے باہر نکل گئی تو وہ بڑبڑائی

''چلو شکر ہے یہ پاپ بھی کٹا''۔

افریقہ والی خالہ واپسی کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔طاہر بھائی کراچی سے واپس آ گئے تھے۔اب وہ تمام دن فریدہ کی ناز برداریوں میں ہی مصروف نظر آتے

تھے۔

ندیم نے ایک بہت عمدہ الوداعی پارٹی کا انتظام کیا تھا۔لیکن نغمہ نے پارٹی اٹینڈ کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔وہ نہ چاہتی تھی کہ اس کے سینہ میں محبت کی سرکش لہروں کا طوفان اتنا تیز ہو جائے کہ وہ دنیا میں رسوا ہو کر رہ جائے۔وہ ندیم سے آمنا سامنا کرنے سے کتراتی تھی۔فریدہ اور صالحہ نے بڑی منت سماجت کی لیکن وہ بضد رہی۔عائشہ نے بھی فون پر اسے چلنے کی تاکید کی تھی لیکن وہ بہانہ تراش گئی۔

پارٹی کی واپسی پر فریدہ اور صالحہ نے اسے بتایا تھا کہ ندیم بھائی اس کے بارے میں بار بار پوچھ رہے تھے۔تو نغمہ کو بے حد دکھ پہنچا۔وہ سوچنے لگی۔کاش وہ چلی جاتی تو اچھا تھا۔لیکن پھر وہ خود ہی جھنجھلا گئی۔

اچھا ہے میں نہ گئی۔وہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

لیکن دل کے کسی سرکش کونے سے آواز آئی۔

تم خود فریبی میں مبتلا ہو نغمہ تم چاہتی ہو کہ ندیم تم سے ملے لیکن سب سے الگ تھلگ دور کسی خاموش گوشے میں۔اور اس خیال سے وہ خود ہی جھینپ گئی۔اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

افریقہ والی خالہ واپس چلی گئی تھیں اب شہاب منزل میں اداسی اور پرانی ویرانی مسلط ہو کر رہ گئی تھی۔ان کے دس پندرہ دن بعد عائشہ اور ریاض بھی افریقہ چلے گئے کیونکہ ریاض کا کاروبار افریقہ ہی میں تھا۔

ندیم کو نغمہ کے انکار کی وجہ سمجھ میں نہ آسکی تھی۔ وہ کبھی سوچتا کہ نغمہ اس سے ناراض ہے اور کبھی خیال آتا کہ وہ اس سے نفرت کرتی ہے۔ وہ جتنا اس مسئلہ کو سلجھانا چاہتا اتنا ہی الجھتا جاتا۔ وہ نغمہ کے خیال کو بھی ذہن سے نکال دینا چاہتا تھا لیکن ہزار کوشش کے باوجود وہ اس خیال کو عملی جامہ نہ پہنچا سکا تھا۔ وہ پہلی نظر میں اس کے سادہ سے حسن کا گھائل ہو کر رہ گیا تھا۔

اس نے کئی مرتبہ سوچا کہ وہ نغمہ کو خط لکھ ڈالے لیکن اس کی شرافت ہر مرتبہ آڑے آئی۔

تو کیا مجھے اس طرح اس کا انتظار کرنا پڑے گا۔ وہ خود بخود بڑبڑاتا۔ اس کی عجیب سی کیفیت ہو کر رہ گئی تھی۔

جاتی سردیوں کی وہ صبح بڑی ہی حسین اور البیلی تھی۔ وہ لان میں دھوپ میں بیٹھا تھا تازہ اخبار اس کے سامنے ہی میز پر پڑا تھا۔ اور قریب ہی مخملیں گھاس پر اس کا پرنس بیٹھا اپنے مالک کی طرف بڑے غور سے دیکھے چلا جا رہا تھا۔ جیسے وہ بھی مالک کی اندرونی کیفیات کا جائزہ لینا چاہتا ہو۔ ندی نے ایک نظر کتے کو دیکھا اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ پھر نغمہ کے تصور میں کھو جانا چاہتا تھا لیکن اچانک پرنس کے بھونکنے پر چونک گیا۔

سامنے پورٹیکو میں فیاض کی سیاہ اسپالا کھڑی تھی۔ فیاض کی گاڑی سے اتر رہے تھے ارجمند، ریحانہ اور فرحانہ اور قیوم سب ہی جلدی جلدی کار سے نکلنے کی کوشش میں تھے۔

ندیم نے انہیں دیکھ کر اپنے آپ کو سنبھالا۔ لیکن ارجمند نے ندیم کے چہرے پر چھائی اداسی کی گہری چھائیاں دیکھ لی تھیں۔ اسے ندیم کی یہ مسکراہٹ کھوکھلی دکھائی دی۔ ارجمند اپنے منہ بولے بھائی ندیم سے بے حد محبت کرتی تھی۔ ارجمند ندیم کی ماموں زاد بہن تھی۔ ندیم کے ماموں سراج الدین صاحب جج کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے۔ ان کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ صرف تین لڑکیاں تھیں۔ سب سے بڑی شہر بانو جن کا انتقال ہو چکا تھا۔ حسن بانو ڈاکٹر تھیں۔ ارجمند بانو سب سے چھوٹی تھیں۔ ابھی بی اے کر رہی تھیں کہ فیاض کی نظر انتخاب اس پر پڑی اور چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا۔

ندیم نے اپنے والد کو دیکھا تک نہ تھا ماں ہی کا دم تھا جس نے ندیم کو بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ اور جب سے ندیم نے ہائیر ایجوکیشن کے لیے امریکہ جانے کا خیال ظاہر کیا تھا۔ ارجمند بانو اسی سوچ میں رہتی تھی کہ صفیہ بیگم کا کیا ہوگا۔ ندیم کو اتنے عرصہ کے لیے باہر بھیجنے کے بعد ان کی حالت کیا ہوگی۔ ارجمند اکثر علیحدگی میں چپکے چپکے روتے دیکھا تھا۔ اور جب بھی ارجمند نے پھوپھی سے رونے کی وجہ پوچھی تھی وہ ٹال جاتیں۔

''پھوپھی اگر آپ کی طبیعت نہیں مانتی تو آپ ندیم کو امریکہ نہ جانے دیں''۔

''نہیں بیٹی یہ بات نہیں'' پھوپھی بڑے تحمل سے جواب دیتیں ''مجھے تو خیال ستاتا ہے کہ میں اس کی واپسی تک زندہ بھی رہ سکوں گی یا نہیں۔ اور پھر ان کی آنکھیں چھلک آئیں۔

پچھلی مرتبہ جب ارجمند آئی تھی تو اس دن پھوپھی بہت ہی اداس تھیں ان کی اداسی دیکھ کر ارجمند نے مشورہ دیا تھا۔

''پھوپھی آپ ندیم بھائی کے جانے سے پہلے ان کی شادی کر دیں۔ اس طرح آپ کی تنہائی بھی ختم ہو جائے گی اور طبیعت بھی بہل جائے گی''۔

''جی تو میرا بھی چاہتا ہے کہ جلد ہی شادی ہو جائے اور میں بھی کم از کم ندیم کے سر سہرا دیکھ لوں لیکن ندیم ابھی مانتے نہیں''۔ انہوں نے بڑی حسرت سے کہا تھا۔

''یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں پھوپھی جان میں بھیا کو راضی کر لوں گی'' ارجمند بانو نے بڑے وثوق سے کہا تھا۔

ارجمند بانو جانتی تھی کہ اس کی نند ریحانہ ندیم کو بے حد چاہتی ہے۔ لیکن ندیم کی طرف سے ایسی کوئی بات ظاہر نہ ہو سکی تھی۔ جس سے یہ اندازہ ہو جاتا کہ وہ بھی ریحانہ کو پسند کرتا ہے۔ پھوپھی صفیہ کی طرف سے تو اسے اطمینان تھا وہ ریحانہ سے والہانہ محبت کرتی تھیں۔ اس کو یہ بھی یقین تھا کہ ان کی پسند ندیم بھی نہیں ٹھکرائے گا۔

''تم کوشش کر دیکھو ارجمند مجھے کوئی اعتراض نہیں'' پھوپھی صفیہ نے پورے اختیارات ارجمند کو سونپ دیے۔

آج ارجمند بانو اسی سلسلہ میں آئی تھیں۔ ریحانہ فرحانہ اور رقیوم کو یوں ساتھ لائی تھیں کہ وہ ندیم سے باتوں باتوں میں اس کا منشاء جاننا چاہتی تھیں۔ براہ

راست شادی کے مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتی تھیں۔ فیاض کو چونکہ بہت سے کام تھے لہٰذا وہ انہیں ڈراپ کر کے واپس لوٹ گئے تھے۔

ریحانہ تو آتے ہی پھوپھی کے پاس باورچی خانے میں جا بیٹھی تھی۔ باقی سب لوگ پھوپھی صفیہ کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ کر لان میں ندیم کے ساتھ ہی چلے آئے۔ لان میں دھوپ بڑی خوشگوار تھی۔ اور ہریالی نے موسم کو بڑا ہی رومان پرور بنا دیا تھا۔ ندیم چاہتے ہوئے بھی اپنی اداسی مکمل طور پر قابو نہ پا سکے تھے۔

''کیا بات ہے ندیم بھیا آج آپ بڑے اداس اور مضمحل دکھائی دے رہے ہیں''۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں یوں ہی ذرا کسلمندی طاری ہے''۔

تو کسلمندی اتاری جا سکتی ہے قیوم نے ہانک لگائی۔ آؤ دو دو ہاتھ تاش کے ہو جائیں قیوم تاش کا رسیا تھا''۔

''ہاں بھیا آج رمی ہو جائے.....'' فرحانہ نے تائید کر دی۔

''تو تم دونوں کھیلو.....'' ندیم نے پیچھا چھڑاتے ہوئے کہا۔

ارجمند نے فوراً بات پکڑ لی۔

''تو ندیم بھیا میرا خیال درست ہے۔ آج آپ کسی خاص مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں''۔

''نہیں نہیں تم نے غلط مطلب اخذ کیا ہے میں تو چاہتا تھا تھوڑی دیر باتیں ہو جائیں یہ کیا آتے ہی تاش کھیلنا شروع کر دیا ہے''۔

''باتیں تو تاش کھیلتے کھیلتے بھی ہو سکتی ہیں'' قیوم نے گرہ لگائی۔

اچھا بابا ہم ہارے تم جیتے۔ جاؤ کمرے سے تاش اٹھا لاؤ۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کھیلنے پر راضی ہو گیا۔

قیوم فوراً جا کر تاش اٹھا لایا۔

بد دلی سے کھیلنے کی وجہ سے وہ مسلسل ہار رہا تھا۔

''کیا بات ہے ندیم بھائی آج آپ مسلسل ہارے جا رہے ہیں۔ آپ تو رمی کے ماہر کھلاڑی ہیں''۔

''نہیں بھئی قیوم'' ندیم نے پتہ پھینکتے ہوئے کہا ''ہم کہاں کے کھلاڑی ہیں ہم تو اناڑی ہیں''۔

قیوم نے ندیم کا پتا اٹھاتے ہوئے گانا شروع کر دیا۔

سچ ہے دنیا والو کہ ہم ہیں اناڑی۔

ارجمند ہنس کر بولیں۔

''اے لو یک نہ شد دو شد''۔

اور قیوم نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

''نہیں باجی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اناڑی تو صرف ایک ہی ہیں۔ اس نے ندیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''ایں جناب تو جیت گئے ہیں'' اور اس نے پتے شو کر دیے۔

''ہائے اللہ'' فرحانہ چیخ اٹھی۔ ''میں تو ماری گئی۔ یہاں تو راؤنڈ بھی کمپلیٹ

(Complete) نہیں ہو سکا اور پتے بھی بڑے بڑے ہیں۔'' اور پھر اس نے جلدی سے میز پر پڑے ہوئے پتوں میں پتے ملانے چاہے۔

ارجمند نے لپک کر اس کی کلائی پکڑ لی۔

''یہ بات نہیں فرحانہ کھیل میں رونا ٹھیک نہیں''۔

''سچ باجی پورے سو پوائنٹ بنتے ہیں ملا لینے دو''۔

''ارے بابا تم روتی کیوں ہو'' قیوم نے کاغذ پر پوائنٹ لکھتے ہوئے کہا۔ ''چلو تمہارے اس مرتبہ صرف پچاس پوائنٹ لکھ لیتے ہیں'' کھیل دوبارہ شروع ہو چکا تھا۔

''ندیم بھائی'' ارجمند نے ندیم کو مخاطب کیا ''آپ کا پاسپورٹ کب تک بن جائے گا''۔

''بس اب تھوڑے دنوں کی بات رہ گئی ہے''۔

''پتا نہیں ندیم بھیا آپ ہمیں یاد بھی رکھیں گے یا نہیں'' فرحانہ نے پتہ پھینکتے ہوئے کہا۔

ندیم نے ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے جواب دیا۔

''میں اپنے عزیزوں اور وطن کو کبھی نہ بھلا سکوں گا۔ امی جان کی تنہائی کا خیال تو بڑا ہی جان لیوا ہے اس وجہ سے میں نے پاسپورٹ کا معاملہ التواء میں ڈال دیا ہے''

ارجمند نے موقع سے فائدہ اٹھایا وہ یہ موقع خدا سے مانگتی تھی۔

''تو پھر آپ پھوپھی جان کی تنہائی دور کرنے کا انتظام کیوں نہیں کر کے جاتے''۔

ندیم نے کارڈ اٹھاتے ہوئے معنی خیز نظروں سے ارجمند کی طرف دیکھا۔اور پھر بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

میرے جانے سے جو دکھ انہیں رہے گا وہ تو بدستور رہے گا۔وہ کہیں رہیں اول تو وہ اس کوٹھی کو چھوڑ کر کہیں اور جانا بھی نہیں چاہتیں۔

''تم بھیا میرا مطلب نہیں سمجھے'' ارجمند نے فوراً بات سنبھالی۔

''دراصل میرا مطلب ہے کہ اگر آپ شادی کر لیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا''۔

ندیم ہنس دیے۔

''بھلا مجھے کون ہوشمند لڑکی پسند کرے گی'' ان کی آواز میں بڑی اداسی تھی۔

''ارے واہ'' قیوم بول پڑا ''آپ کو دیکھ کر ندیم بھیا بری بڑی حسیناؤں کے دل مچل جاتے ہیں''۔

''تم تو بالکل گاؤدی ہو'' ندیم نے قیوم کو گھورا ''جو منہ میں آیا بک دیا''۔

فرحانہ نے بات پلٹ دی۔

''ندیم بھیا یہ آپ آج کل کس ادھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں۔پہلے تو کبھی اتنے آزردہ دکھائی نہ دیتے تھے۔''

ندیم نے فرحانہ کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔تھوڑی دیر کے لیے مکمل سناٹا

چھا گیا۔

سب ہی اپنے اپنے پتوں پر نگاہیں جمائے بیٹھے تھے۔ ارجمند نے سکوت توڑا۔

''پھوپھی جان کا خیال ہے کہ آپ کے جانے سے پہلے یہ معاملہ طے ہو جانا چاہیے۔''

ندیم نے چونک کر ارجمند کیطرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کونسا معاملہ.....؟''

ارجمند نے اپنے کارڈ درست کرتے ہوئے جواب دیا ''یہی کہ آپ کی شادی طے ہو جانی چاہیے'' فرحانہ نے وضاحت کی۔

''اور اس طرح آپ کے امریکہ چلے جانے کے بعد آپ کی کمی کو آپ کی بیگم صاحبہ پورا کریں گی۔ اور پھوپھی جان کو تنہائی کا احساس نہ ہوگا۔ اور ندیم کے ذہن میں یکدم ہی نغمہ کا سراپا اجاگر ہو گیا۔ جیسے وہ دلہن بنی بیٹھی ہے سرخ بروکیڈ کے جوڑے میں شرمائی لجائی سی۔ اور وہ خود اس کے بہت ہی قریب کھڑے ہیں۔

ارجمند نے ندیم کو خاموش دیکھ کر کہا۔

پھوپھی جان نے تمہارے لیے ایک لڑکی کا انتخاب کیا ہے ہم سب بھی ان کے چناؤ کی داد دیتے ہیں.....

ندیم کے ذہن میں نغمہ کا رقص کرتا ہوا چہرہ یکدم ہی تحلیل ہو کر گم ہو گیا۔ اس کے حسین خیالات کا شیرازہ بکھر گیا۔ وہ خاموشی سے ارجمند کا چہرہ تکنے لگا۔ ارجمند

اس کی آنکھوں میں اُمڈتے کرب کی لہروں کی تاب نہ لا سکی۔اس نے گھبرا کر نگاہیں جھکا لیں۔اور دھیرے سے کہا۔

ریحانہ آپ کی دیکھی بھالی لڑکی ہے بھیا۔اور تھوڑی دیر کے توقف کے بعد اس نے بات آگے بڑھائی۔

سچ بھیا ریحانہ کا چناؤ آپ کے لیے پھوپھی جان نے بڑے سوچ بچار کے بعد کیا ہے''۔

ندیم کو یوں محسوس ہوا جیسے اسے کسی نے اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا ہو۔اس نے پتے ٹیبل پر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔اس کے چہرے پر اندرونی کرب اور ذہنی کشمکش کی امتزاجی کیفیت ابھر آئی تھی۔ماحول پر یکدم اداسی چھا گئی تھی سب ہی ندیم کا چہرہ بڑے غور سے دیکھ رہے تھے جو آنکھیں بند کیے نیم دراز تھا۔

نہیں ارجمند میں خود کو اس شگفتہ گل کے قابل نہیں سمجھتا۔تم امی جان کو سمجھا دینا کہ ریحانہ میری چھوٹی بہن ہے۔اور میں نے ہمیشہ اسے بہن کی طرح سمجھا ہے۔

وہ کرسی سے اٹھ کر اندر چلا گیا۔

وہ تینوں حیران پریشان خاموش بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔کوئی بھی تو انکار کی وجہ نہ جان سکا۔ارجمند خفیف ہو کر رہ گئی تھی۔فرحانہ جسے انکار کی قطعی امید نہ تھی اس کی شرمندگی اور غصے سے عجیب حالت ہو گئی تھی۔لیکن قیوم نے اپنے تمام جذبات اندر ہی اندر دفن کر دیے تھے۔وہ خاموش بیٹھا تھا۔گنگناتی فضا یکدم رو اٹھی تھی۔

چلیے باجی گھر چلتے ہیں ۔فرحانہ نے ارجمند سے کہا ۔اسے اپنی بہن کے بارے میں سن کر کافی رنج ہوا تھا۔

ارے ٹھہرو یہ بھی کیا بدتمیزی ہے پھوپھی جان نے کھانے کا بندوبست کر رکھا ہے۔

قیوم نے تحمل مزاجی سے کہا.....

''نہیں میں کھانا وانا نہیں کھاؤں گی''فرحانہ کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔

ارجمند جو کافی شرمندہ دکھائی دے رہی تھی بڑے درد بھرے لہجہ میں بولی ۔

مجھے احساس ہے فرحانہ تمہیں کافی رنج پہنچا ہے لیکن میں خود بھی ندیم کے انکار کی وجہ سے پریشان ہوں ۔ مجھے اس بات کی قطعی امید نہ تھی ۔اب ہمارا یوں یک دم چلے جانا بھی تو ٹھیک نہیں ۔اسنے کھانے تک سب کو روک لیا۔

کھانے کی ٹیبل پر بھی مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی ۔ہر کوئی اپنی اپنی پلیٹ میں نگاہیں جمائے خاموشی سے لقمہ چبا رہا تھا۔کبھی کبھی قیوم کوئی نہ کوئی بات پھوپھی سے کہہ دیتا۔کئی بار خود پھوپھی صفیہ نے اس طویل سکوت کو توڑا ۔اور ندیم سے کتنے ہی سوال کر ڈالے ۔لیکن اس نے ہر بات کا جواب ہوں ہاں کر کے ٹال دیا۔ندیم کی پلیٹ میں پھوپھی جان نے کباب ڈالتے ہوئے کہا۔

'بیٹے یہ کباب کھا کر دیکھو ریحانہ نے بڑی محنت سے تیار کیے ہیں''۔

ندیم نے گردن جھکائے ہوئے بڑی آہستگی سے کہا۔

''آپ نے امی جان مہمانوں کو خواہ مخواہ تکلیف دی ہے''۔

ریحانہ جل کر ہی تو رہ گئی۔ اسے ندیم سے اتنے کورے جواب کی امید نہ تھی۔ اس کا تو خیال تھا کہ ندیم کباب کھا کر اس کی طرف تعریفی نگاہوں سے دیکھے گا۔ لیکن پھر بھی اس نے غصہ دباتے ہوئے بڑی شگفتگی سے کہا۔

''اس میں تکلیف کی تو کوئی بات نہیں مجھے تو عمدہ عمدہ کھانے پکانے کا شوق ہے۔ میں تو گھر پر بھی آئے دن کوئی نہ کوئی چیز بنا ہی لیتی ہوں'' ندیم کے روکھے جواب کا یہی جواب اس کی سمجھ میں آیا تھا.....

ندیم نے ریحانہ کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور گردن جھکائے کھانا کھاتا رہا۔ سب نے کھانا برائے نام سا کھایا تھا۔ ندیم کھانے سے فارغ ہوتے ہی پھر لان میں چلا آیا تھا۔ فرحانہ نے کھانا کھاتے ہی پھوپھی سے اجازت چاہی۔

''ارے بیٹھو بیٹی ابھی تو فیاض بھی گاڑی لے کر نہیں آیا'' پھوپھی چاہتی تھیں کہ شام تک یہ لوگ یہیں رہیں۔

''نہیں پھوپھی فیاض بھائی کہہ گئے تھے کہ واپس ٹیکسی پر آ جانا۔ انہیں آج بہت سے کام تھے۔

ارجمند بھی اتنی جلدی نہیں جانا چاہتی تھیں وہ پھوپھی جان سے باتیں کرنا چاہتی تھیں۔ اس نے فرحانہ سے کہا۔

اچھا تم لوگ چلو میں شام تک آ جاؤں گی۔

فرحانہ ریحانہ اور قیوم پھوپھی سے رخصت لے کر باہر نکلیں تو ندیم لان میں

آرام کرسی پر نیم دراز تھا۔ قیوم اس سے گرم جوشی سے ملے۔ ریحانہ اور فرحانہ نے سرسری سا سلام کیا ندیم مسکراتے ہوئے انہیں گیٹ تک رخصت کرنے آیا۔

ان کے جاتے ہی ارجمند بانو نے پھوپھی جان سے تمام رام کہانی کہہ سنائی۔ انہوں نے سننے کے بعد بڑے تاسف بھرے لہجہ میں کہا۔

ندیم نے یوں انکار کر کے بڑا برا کیا۔ تم کم از کم یہ معلوم کر لیتیں کہ وہ شادی کہاں کرنا چاہتے ہیں.....''

''آپ بھی کمال کرتی ہیں پھوپھو'' بھلا فرحانہ کے سامنے میں اب ان سے اور کیا پوچھتی۔

صفیہ بیگم خاموش ہو گئیں.....

شام تک پھوپھو اور ارجمند بانو اس مسئلہ کو سلجھاتی رہیں لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

پھوپھو میں پھر کسی دن کوشش کر کے ان کے دل کا حال معلوم کروں گی۔ ارجمند بانو نے پھوپھو کو تسلی دی۔

ارجمند بانو شام گئے فیاض کے ہمراہ چلی گئی۔

ندیم کے کاغذات تقریباً مکمل ہو چکے تھے۔ اور صفیہ بیگم کی پریشانیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ وہ نہ تو ندیم کو روک ہی سکتی تھی کیونکہ یہ اس کے مستقبل کا سوال تھا۔ اور نہ ہی وہ اسے جانے دینا چاہتی تھیں۔ وہ عجیب مخمصے میں پھنس کر رہ گئی تھیں۔

باب ۶

شہاب الدین ایک خط لیے نجمہ بیگم کے پاس آئے۔

''بیگم ارے بیگم..... یہ خط تو پڑھنا ذرا''۔

نجمہ بیگم جو گاؤ تکیہ کے سہارے دیوان پر بیٹھیں روزانہ کا حساب دیکھ رہی تھیں عینک کے دبیز شیشوں کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی بولیں۔

کس کا خط ہے.....؟

''مسرور میاں کا ہے'' شہاب الدین نے ان کے قریب ہی دیوان پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''یا اللہ خیر'' کہتی ہوئی نجمہ بیگم سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ ''کیا لکھا ہے؟'' وہ کچھ بوکھلا گئی تھیں کیونکہ یہ پہلا خط تھا جو مسرور نے شہاب الدین کے نام لکھا تھا۔ اس سے پہلے وہ ہمیشہ نغمہ کے نام ہی لکھتے تھے۔

شہاب الدین نے خط نجمہ بیگم کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ عینک درست کرتی ہوئیں جلدی جلدی خط کی عبارت پڑھنے لگیں۔

مکرمی و معظمی جناب والد صاحب اسلام علیکم

اسلام علیکم میں یہاں خیریت سے ہوں نغمہ بجیا کا خط ملا تھا۔ ان دنوں میں امتحانات کی تیاریوں میں مشغول تھا۔ اس لیے جواب نہ دے سکا۔ امید ہے گھر میں ہر طرح سے خیریت ہوگی۔

میں اس خط کے ہمراہ اپنے ایک دوست کمال کی تصویر ارسال کر رہا ہوں۔

میں انہیں جب سے یہاں آیا ہوں جانتا ہوں۔ یہ فیملی پاکستان بننے سے بھی کافی عرصہ پہلے سے یہاں آباد ہے لیکن اب یہ مستقل طور پر پاکستان آنا چاہتے ہیں۔ ان کے والد کی دلی تمنا ہے کہ یوسف کی شادی پاکستان میں کسی اچھے گھرانے میں ہو جائے۔ باوجود یہ کہ یوسف کی والدہ یورپین ہیں یوسف خود یہاں کسی یورپین سے شادی نہیں کرانا چاہتے۔ ان کی بھی خواہش ہے کہ کسی مسلمان گھرانے میں شادی ہو جائے۔

ان کے کچھ رشتہ دار پاکستان میں ہیں لیکن فی الحال ان کا کوئی پتہ نہیں۔ میں نے نغمہ کی تصویر انہیں دکھا دی تھی جو انہیں بے حد پسند آ گئی۔ میری ناقص رائے تو یہ ہے کہ آپ مزید تسلی کر کے اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں.....

نجمہ بیگم جلدی سے خط کی بقیہ عبارت پڑھ کر تصویر دیکھنے میں محو ہو گئیں۔

تصویر تو اچھی ہے یقیناً عادات و اطوار بھی اچھے ہی ہوں گے تب ہی مسرور میاں نے پسند کر لیا ہے۔ شہاب الدین نے نجمہ بیگم کی رائے طلب کی۔

کیوں تمہارا کیا خیال ہے بیگم.....؟

نجمہ بیگم مسکراتی ہوئی بولیں۔

"شکر ہے مسرور میاں کو اتنی دور بیٹھے بھی ہم لوگوں کی ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس ہے میرا بچہ کتنا اچھا ہے..... شہاب الدین ایک دم اکڑ اٹھے۔

اجی تمہارا بیٹا کہاں۔ یہ سمجھداری اور وضع داری تو اسے ہم سے ورثہ میں ملی ہے

۔

اچھا اچھا آپ کا بیٹا ہی سہی نجمہ بیگم مسکرا دیں پھر ذرا چونک کر بولیں۔

وہ یوسف میاں یہاں کب پہنچ رہے ہیں۔

شہاب الدین نے خط سے دوبارہ تاریخ دیکھتے ہوئے بتایا۔

وہ پرسوں یہاں پہنچ رہے ہیں۔

تو پھر آپ ذرا اپنی گاڑی گیراج سے جلدی منگوالیں۔مہمان کے سامنے کب تک پرانی گاڑی میں آنا جانا ہوگا نجمہ بیگم نے پاندان کھولتے ہوئے کہا۔

اوہو بیگم شہاب الدین مسرت سے کھل اٹھے۔ یہ تو تم نے یاد کرا کر بڑا اچھا کیا۔میں ابھی ٹیلی فون کرتا ہوں۔ویسے بھی گاڑی کل تک تو تیار ہو ہی جائے گی۔

آپ ان کے وعدوں پر اعتبار نہ کریں ذرا ٹیلی فون کر کے معلوم کریں کہ کتنا کام باقی ہے۔

اچھا وہ تو میں معلوم کر ہی لوں گا تم مہمان خانہ کی اچھی طرح صفائی کرالو۔اور ضروریات کی تمام چیزیں وہاں پہنچا دینا۔شہاب الدین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

سب کام ہو جائیں گے آپ گاڑی کے لیے ٹیلی فون ابھی کر دیں تو بہتر ہے۔

اچھا اچھا سن لیا ہے۔بیگم تم تو بالکل ہتھیلی پر سرسوں جمانے لگتی ہو۔

شہاب الدین بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔نجمہ بیگم نے گلوری منہ میں رکھ کر پان دان بند کیا۔اور گاؤ تکیہ سے سر ٹکا کر سوچنے لگیں۔

نغمہ کالج کے بیرونی کاریڈور کو عبور کر کے سڑک پر پہنچی۔کہ نگار اپنی فلیٹ لے کر اس کے پیچھے آ گئی۔

"چلیے میم صاحب آپ کو بنگلہ پر ڈراپ کر دوں۔ میں تو تمہارا انتظار کرتے کرتے تھک گئی تھی۔ اس نے کھڑکی سے سر نکال کر بڑی سعادمندی سے کہا۔

نہیں نگار میں ٹیکسی میں چلی جاؤں گی۔ خواہ مخواہ تمہیں اتنا لمبا چکر کاٹنا پڑتا ہے۔

اوہو نگار نے نقل اتارتے ہوئے کہا یعنی اب تم نخرے بھی کرنے لگی ہو۔

اور پھر ذرا لہجہ بدل کر کہا۔ اچھا اب خاموشی سے بیٹھ جاؤ جب تک تمہاری گاڑی نہیں آتی ٹیکسی کا کرایہ مجھے دے دیا کرنا۔

تمہیں روز دیر ہو جاتی ہے نگار ضد نہ کرو۔ میں ٹیکسی میں چلی جاؤں گی۔ نغمہ چاہتی تھی کہ آج کچھ دور پیدل جائے۔ شاید اسے بازار میں کہیں ندیم مل جائے۔ یہ خیال صبح سویرے سے اس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ اس لیے وہ اب کالج ٹائم کے بعد کافی دیر سے باہر نکلی تھی۔ اسے یقین تھا کہ نگار کچھ دیر اس کا انتظار کر کے چلی جائے گی۔ لیکن وہ ابھی تک اس کا انتظار کرتی رہی۔

بیٹھتی ہے یا کہ چوٹی پکڑ کر بٹھاؤں۔ نگار نے کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلنا چاہا۔

اچھا چڑیل بیٹھ جاتی ہوں۔ نغمہ مسکراتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ تم سے تو خدا بچائے۔

ظالم ہمارے جیسا قدردان کوئی نہیں ملے گا۔ زبردستی تمہیں لفٹ دے رہے ہیں۔

نگار نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

نغمہ خاموش رہی گاڑی مین روڈ پر جا رہی تھی۔ سامنے ایک سیاہ پیکارڈ بڑی آہستہ روی سے چلی جا رہی تھی۔ قریب سے گزری تو نغمہ کے دل کی دھڑکنیں یکدم تیز ہو گئیں۔ ندیم کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ نغمہ کو ایک بار پھر اپنے چہرے پر اس کی نگاہوں کی تپش محسوس ہوئی اور نگار کو جیسے اچانک ہی کوئی خیال آ گیا۔

''اب سمجھیں محترمہ اس ٹیکسی میں جانا چاہتی تھیں'' نگار نے ایک بھرپور وار کیا تھا۔ نغمہ جو ندیم کے اس اچانک تصادم سے پہلے ہی بوکھلائی ہوئی تھی اس وار پر تو بالکل روہانسی ہو گئی تھی۔

بخدا نگار۔ اسنے رقت بھرے لہجہ میں کہا۔ میں نے تو تمہارے روز لیٹ ہو جانے کی وجہ سے ٹیکسی میں جانے کا ارادہ کیا تھا میرے فرشتوں کو بھی ان صاحب کا خیال نہ تھا۔ تم نغمہ پوری بس کی گانٹھ ہو منہ سے کچھ نہ بتاؤ لیکن میں خوب جانتی ہوں تم آج کل کن چکروں میں پڑی ہو عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔

یونہی خواہ مخواہ بک بک نہ کرو چپ چاپ گاڑی چلاؤ۔ نغمہ جھلا گئی تھی۔

اچھا میم صاحب نگار نے مسکرا کر ونڈ سکرین کے باہر دیکھنا شروع کر دیا اور نغمہ خیالات کے ہلکورے کھاتی دوسری دنیا میں پہنچ گئی۔.....

نغمہ کی کوٹھی کے پورچ میں گاڑی روک کر نگار نے بڑے انکسارانہ لہجہ میں کہا۔

میم صاحب کا بنگلہ آ گیا ہے۔ اور نغمہ خیالات سے یکدم چونک اٹھی۔ وہ اپنی اس بیہوشی پر خود ہی نادم ہو کر رہ گئی تھی۔

جاؤ معاف کیا۔ اب اتر بھی چکو۔ اور نغمہ خفیف سی گاڑی سے اترنے لگی۔

آؤ چائے تو پیتی جاؤ..... نغمہ نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

''نہیں ڈیئر میں تو چلی۔ میرا بوائے فرینڈ انتظار کر رہا ہوگا۔ ٹا ٹا'' نگار نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا اور نغمہ اس جملے سے اور بھی کٹ کر رہ گئی۔

تم سے تو خدا بچائے۔ نغمہ بڑبڑاتی ہوئی کار کو دیکھتی رہی اور جب کار دوسرے گیٹ سے نکل کر سڑک پر پہنچ گئی تو وہ برآمدے میں داخل ہوئی گھر میں وہی اداسی کا دور دورہ تھا۔ وہ کتابیں کمرے میں پھینک کر بیڈ پر نیم دراز بوا نصیبن کا انتظار کرنے لگی۔ عموماً شام کی چاء وہ کالج سے واپسی پر اپنے کمرے ہی میں پیتی تھی۔ لیکن جب کافی دیر گزر جانے پر بھی بوا چاء لے کر نہ آئی تو وہ خود ڈرائنگ روم کی طرف چل دی۔

نجمہ بیگم چائے پی رہی تھیں۔

''آؤ بیٹی نغمہ.....'' انہوں نے بڑی محبت اور شفقت سے بلایا۔

''یہ بوا نصیبن کہاں چلی گئی امی؟ کہیں وہ پھر بیمار تو نہیں ہوگئی؟'' نغمہ دوسری کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔

نجمہ بیگم نے ٹی پاٹ بیٹی کی طرف بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں بیمار تو نہیں ہوئی وہ ادھر باغ کی طرف والا مہمان کمرہ صاف کروا رہی ہے۔

''کیوں امی.....'' نغمہ چونک گئی۔

''مسرور میاں کا خط آیا تھا'' نجمہ بیگم نے مزید تمہید باندھی اور بھیا کا نام سن کر نغمہ اتنی خوش ہوئی کہ پوری بات سنے بغیر ہی بول اٹھی۔

''کب آ رہے ہیں بھیا؟''

''وہ تو ابھی نہیں آ رہے ہیں'' نغمہ بیگم نے تحمل سے جواب دیا ''بلکہ ان کے ایک دوست پرسوں یہاں پہنچ رہے ہیں''۔

نغمہ نے مزید کچھ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ دوست احباب کا تانتا لگا ہی رہتا ہے۔ آج ابو کے کوئی دوست آ گئے کل بھائی جان کے۔ دو چار دن رہتے اور چلے جاتے۔ یہ بھی دو چار دن کے لیے آئیں گے اور چلے جائیں گے۔ وہ مزے سے چاء پینے لگی۔

نجمہ بیگم نے چائے پیتے ہوئے کہا۔

بیٹی ذرا چاء پی کر تم بھی ایک نظر کمرہ دیکھ لینا۔ یہ نوکر تو بس نوکر ہی ہیں۔ وہ کیا سمجھیں۔

''بہت اچھا امی میں دیکھ لوں گی آپ اطمینان رکھیں'' اس نے ماں کو اطمینان دلایا اور خود جلدی جلدی چاء ختم کر کے مہمان خانے میں جا پہنچی۔ دونوں کمرے نوکروں نے صاف کر کے چمکا دیے تھے۔ فرنیچر اور دیگر سامان بھی سب ٹھیک طریقہ سے سٹ کرا دیا گیا تھا اسے اطمینان ہو گیا۔ اور وہ اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔

رات کے کھانے پر شہاب الدین نے مہمان کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

''بیٹی وہ مسرور میاں کے ایک دوست یوسف کمال انگلینڈ سے آ رہے ہیں۔ کچھ دن یہاں ٹھہریں گے.....وہ.....''

''جی ابو'' امی نے مجھے بتا دیا تھا'' نغمہ جب سے کالج سے لوٹی تھی مہمان کا ذکر سن سن کر تنگ آ چکی تھی۔ اس نے اکتاہٹ میں شہاب الدین کی بات کاٹ لی تھی۔ نجمہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بیٹی یوں سمجھ لو وہ انگلینڈ میں پلے بڑھے ہیں اور ہم ٹھہرے پرانی وضع کے لوگ مطلب یہ ہے کہ تمہیں ذرا مستعدی سے مہمان نوازی کرنی پڑے گی۔ تاکہ آنے والے پر اچھا اثر پڑے''۔

نغمہ جانتی تھی کہ امی جان اور ابو پرانے زمانے کے پڑھے لکھے سہی لیکن بڑی بڑی محفلوں اور پارٹیوں میں ان کی گفتگو اور اٹھنے بیٹھنے کا انداز ان کی شخصیت کو نمایاں اور اجاگر کر دیتا ہے دونوں کا وقار اور ذوق بہت بلند تھے۔ امی کبھی اس قسم کی باتیں نہ کرتیں تھیں۔ یہ آج امی نے کیسی باتیں کہہ دیں۔ وہ سوچنے لگی اور پھر خود ہی خیال آ گیا۔

شاید بھیا نے تاکیداً خط میں لکھ دیا ہو۔ اس لیے یہ حفظ ماتقدم کے طور پر سب کچھ کہہ رہی ہیں۔ نغمہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''آپ مطمئن رہیں امی ہر چیز ٹھیک رہے گی'' وہ امی اور ابو کو تسلی دے کر کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

آج مہمان کی آمد آمد تھی صبح ہی سے ہر چیز کی کئی کئی مرتبہ جھاڑ پونچھ کی جا رہی

تھی۔یوں جیسے کسی بہت بڑی ریاست کے ولی عہد کے استقبال کے لیے محل سجایا جا رہا ہو۔ ہر نوکر چاق و چوبند کام میں مصروف تھا۔ نجمہ بیگم آج خود ہر طرف سے اطمینان کرتیں لیکن وہ اپنے کمرے سے لاتعلق سی بیٹھی اے آر خاتون کی نئی ناول ہال پڑھ رہی تھیں۔ کہانی اپنے عروج پر تھی۔حمیدہ کا کردار پڑھ کر اسے محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ بھی اس کہانی کا ایک جیتا جاگتا کردار ہے۔اور یہ کہانی اس کی اپنی کہانی ہو۔وہ اے آر خاتون کی طرف تحریر کی شگفتگی اور روانی میں کھوئی ہوئی تھی کہ کار کی آواز پر وہ چونک گئی۔

دل کے کسی گوشے سے آواز آئی..... ''آج مہمان آ رہا ہے''۔

اس خیال کے آتے ہی وہ غیر ارادی طور پر اٹھ کر بالکونی میں آ گئی۔پورچ میں کھڑے سفید شارک اسکنی سوٹ میں ملبوس نوجوان کو وہ دیکھتی رہ گئی۔

ندیم اس کے لب تھرتھرائے لیکن دوسرے ہی لمحہ اس نے جلدی جلدی آنکھیں جھپک کر اسے غور سے دیکھا وہ شہاب الدین کے ہمراہ اندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

نہیں یہ ندیم نہیں ہیں۔وہ بڑبڑائی۔مشابہت ضرور ہے لیکن ندیم کا رنگ اتنا سرخ و سفید نہیں۔ان کا رنگ تو گندمی ہے۔وہ بالکونی سے ہٹ کر صوفے پر آ کر دراز ہو گئی۔اس کا ذہن پھر خیالات کی اونچی نیچی راہوں میں ہلکورے کھانے لگا۔

بوا صبین کی آواز نے اسے چونکا دیا.....

بیٹا رانی حضور یاد فرماتے ہیں''۔اس کے حسین خیالات کا شیرازہ بکھر گیا۔

''اچھا تم چلو میں آتی ہوں'' نغمہ آئینہ کے سامنے آن کھڑی ہوئی اس نے اپنے سراپا پر نگاہ دوڑائی ہلکے فالسائی رنگ کی نئی طرز کی شلوار قمیض میں اس کا سرخ و سپید رنگ بڑا کھل رہا تھا۔ اس نے برش سے اپنے بال سنوارے دوپٹہ درست کرتی وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔ نوکر گاڑی میں سے سامان نکال نکال کر مہمان کے کمرے میں لے جا رہے تھے۔

سامنے ہی صوفے پر یوسف بیٹھے تھے۔ پہلی ہی نظر میں وہ پھر اسے ندیم دکھائی دیے۔ اس نے لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے سنبھل کر سلام کیا۔ وہ سروقد اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑی خندہ پیشانی سے سلام کا جواب دیا۔

''آؤ بیٹی نغمہ آؤ'' شہاب الدین آج ضرورت سے زیادہ مسرور دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے دونوں کا تعارف کرایا۔

''یہ مسرور میاں کے دوست ہیں یوسف کمال اور یہ ہیں میری بیٹی نغمہ''۔

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر'' یوسف نے مسکراتے ہوئے انگلش میں کہا۔

رسمی گفتگو کے بعد وہ دونوں بیٹھ گئے۔ کمرے میں کچھ دیر سکوت رہا شہاب الدین نے سگار کا ڈبہ آگے بڑھاتے ہوئے یوسف سے کہا۔

''لیجیے شوق کیجیے''۔

''شکریہ'' یوسف نے ہاتھ بڑھا کر ایک سگار ڈبہ سے نکال لیا اور جلدی سے جیب سے سگرٹ لائٹر نکال کر پہلے شہاب الدین کا سگار سلگوایا اور پھر اپنا سگار جلایا۔

نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ نغمہ اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ ڈائننگ روم میں

چاء تیار تھی ان پر یکدم جھنجھلاہٹ سوار ہوگئی.....

''اگر وکیل صاحب ذرا دیر کو اور ٹھہر جاتے تو ایسی کونسی مصیبت آ جاتی'' وہ بڑبڑاتی ہوئیں ڈائننگ روم میں آ گئیں انہوں نے غفورے کو آواز دی۔

اے غفور ذرا یوسف صاحب کو اندر بلا لاؤ ان سے کہنا چاء کے لیے اندر تشریف لے چلیں۔

یوسف ڈائنگ روم میں تنہا بیٹھا بیٹھا اکتا گیا تھا۔ وہ نغمہ کی عادات کا تجزیہ کر رہا تھا۔ اس کی گھبراہٹ اور عجلت کی وجہ سے سوائے مشرقی حیاء کے اور کچھ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ لیکن وہ اس خیال پر حیران تھا کہ بی ایس سی فائنل میں ہوتے ہوئے بھی اس میں اتنی شرم و حیا ہے۔ وہ لڑکیاں جو تعلیم سے بالکل بے بہرہ ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔ یوسف کا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ سگار کے کش پر کش لیے چلا جا رہا تھا۔ غفور کی آمد نے اسے چونکا دیا۔

''حضور بیگم صاحبہ اندر چاء پر آپ کا انتظار فرما رہی ہیں'' غفور نے بڑے مودبانہ انداز میں کہا۔

''اچھا'' وہ اکیلا بیٹھا بیٹھا بور ہو رہا تھا غفور کے ہمراہ اندر کی طرف چل دیا۔

ٹیبل پر صرف نجمہ بیگم ہی تھیں۔ یوسف نے بڑے مودبانہ طریقہ سے سلام کیا۔

''جیتے رہو بیٹا اللہ تمہاری عمر دراز کرے'' نجمہ بیگم نے دعائیں دیں'' آؤ بیٹھو

۔

نغمہ جی اچھا کہہ کر خاموش ہوگئی۔

'اچھا یوسف صاحب اب رات کے کھانے پر ملاقات ہوگی'' کہتے ہوئے شہاب الدین یوسف کے جواب کا انتظار کیے بغیر کمرے میں چلے گئے۔

کمرے میں یوسف اور نغمہ رہ گئے تھے۔ فضل بالکل خاموش اور ساکت تھی۔ شاید دونوں ہی کچھ سوچ رہے تھے۔ یوسف اس طویل خاموشی سے اکتا گیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہاں لڑکی اور لڑکا اتنے قریب قریب ہوتے ہوئے بھی گفتگو کرنے سے گھبراتے ہیں۔ جبکہ یوکے میں چلتے پھرتے لڑکیوں سے گفتگو کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی۔

''مس نغمہ'' یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا ''مسرور صاحب تو کہہ رہے تھے کہ یہاں مجھے قطعی تنہائی کا احساس نہ ہوگا۔ لیکن میں تو دیکھ رہا ہوں آپ تو بہت زیادہ خاموشی پسند ہیں'' نغمہ اس کے اس بے باکانہ طرز گفتگو پر سٹپٹا گئی۔

''اوہ میں تو یہ بھول ہی گئی تھی۔ میں آپ کے لیے چاء کا بندوبست کراتی ہوں''۔

وہ گھبراہٹ پر قابو پانے کے لیے جلدی سے کمرے سے نکل آئی.....

ماں باورچی خانے میں خانساماں کو ہدایت دے رہی تھیں۔ مرچ مصالحہ کا خیال رکھنا۔ کسی چیز میں مرچ تیز نہ ہو۔ وہ امی سے چاء کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلی آئی اور دروازہ اندر سے بولٹ کر کے بستر پر لیٹ گئی۔

نجمہ بیگم بیٹی کی عجلت پر حیران و پریشان کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔ ان کی سمجھ

میں کچھ

''یوسف صاحب'' شہاب الدین نے بہت سا دھواں چھوڑتے ہوئے کہا ''میں حیران ہوں کہ آپ اردو کتنی شستہ اور صاف بول لیتے ہیں۔ حالانکہ مجھے مسرور میاں نے لکھا تھا کہ آپ کی پرورش یوکے میں ہوئی ہے۔

''جی ہاں انہوں نے درست لکھا ہے۔ لیکن دراصل بات یہ ہے کہ ڈیڈی نے مجھے اُردو، فارسی، اور عربی میں خاص طور پر تعلیم دلوائی ہے۔ وہ ہمیشہ مجھ سے اردو میں ہی گفتگو کرتے ہیں۔ ممی اور ڈیڈی میں عموماً اس بات کا جھگڑا بھی ہوتا تھا۔ ممی نہیں چاہتی تھیں کہ میں اردو فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کروں۔

''خوب بہت خوب'' شہاب الدین نے تعریفی نظروں سے یوسف کی طرف دیکھا اور پھر ان کی نظریں اچانک دیوار پر لٹکے ہوئے کلاک سے ٹکرائیں۔ شہاب الدین یک دم اٹھ کھڑے ہوئے.....

''اوہو معاف کیجیے گا یوسف صاحب میں آپ کے ساتھ چاء نہ پی سکوں گا۔ ایک بہت ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔ امید ہے آپ محسوس نہ کریں گے''۔

''نہیں نہیں آپ تکلف نہ کیجیے'' یوسف بھی صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''مجھے امید ہے یہاں اپنے گھر کا سا آرام ملے گا''۔

یقیناً یقیناً شہاب الدین نے یوسف کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا اور نغمہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

نغمہ بیٹی تم یوسف صاحب کو چاء وغیرہ پلوا دینا۔ اور پھر انہیں کمرے بھی دکھا

دینا۔

یہ وکیل صاحب تو بس دنیا بھر کے کام اپنے ذمہ لے ڈالتے ہیں۔تمام دن اس طرح گھر سے باہر گزر جاتا ہے۔

نہیں نہیں آنٹی انہوں نے مجھے خود کہا تھا کہ انہیں بہت ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔میرا خیال ہے۔میں یہاں آیا ہی سیر کی غرض سے ہوں۔وہ کب تک میرے ساتھ بندھے بندھے پھریں گے۔

نجمہ بیگم مسکراتی ہوئی اس کے لیے چاء بنانے لگی۔اور وہ سوچنے لگا کہ وکیل صاحب کو تو ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنی تھی لیکن یہ نغمہ صاحبہ کو کون سا ایسا مسئلہ درپیش آ گیا کہ وہ ٹیبل سے غیر حاضر ہیں۔لیکن وہ اس مسئلے کو حل نہ کر سکا۔

نجمہ بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے بوا صبین کو آواز دی۔

بوا ذرا نغمہ بیٹا کو بھی چاء کے لیے کہہ دو۔وہ شاید ٹیلی فون سن رہی ہے۔

یوسف نجمہ بیگم کی حاضر دماغی پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا جب وہ گیلری میں سے گزر کر آیا تھا تو فون پر کوئی نہ تھا۔یہ بہانا محض انہوں نے اس کا دل رکھنے کے لیے کیا تھا۔

"نہیں آنٹی آپ انہیں تکلیف نہ دیں۔اگر وہ مصروف ہیں تو انہیں کام کرنے دیں"۔

نجمہ بیگم اس کی سعادت مندی سے خوش ہو گئیں۔

"نہیں ایسی بھی کیا مصروفیت کسی سہیلی کا فون آ گیا ہو گا" یوسف خاموشی سے

چاء پیتا رہا۔

نغمہ اپنے کمرے میں اوندھے منہ پڑی یوسف اور ندیم کا موازنہ کر رہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ ان دونوں کے چہروں میں اتنی مشابہت کیوں ہے۔ یوسف کو ایک نظر دیکھتے ہی ندیم کا خیال آ جاتا تھا۔ وہ انہی خیالات کی ڈور میں الجھی ہوئی تھی کہ بوا صبین نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

''بیگم حضور آپ کو یاد کر رہی ہیں بیٹا''۔

اس کے جی میں آئی کہ انکار کر دے۔ لیکن پھر اس نے جانے کیا سوچ کر کہا۔

''ابھی آتی ہوں بوا..... تم چلو''۔

جس وقت وہ ڈائننگ روم میں پہنچی یوسف پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور قدرے مسکرا کر کہا۔

''آپ کا میری وجہ سے ہرج تو نہیں ہو رہا''۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں'' نغمہ نے بے اعتنائی سے جواب دیا۔ وہ اس کے اس جملے پر اور بھی جز بز ہو گئی تھی وہ خاموشی سے ماں کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

چاء کی پیالی بنا کر وہ ہلکے ہلکے چسکیاں لے رہی تھی۔ کہ یوسف نے انڈے کے حلوے کی پلیٹ نغمہ کے آگے بڑھا دی۔

''لیجیے آپ تو بے حد تکلف سے کام لے رہی ہیں'' یوسف نے یوں کہا جیسے وہ خود نہیں نغمہ ان کی مہمان ہے۔

''شکریہ'' نغمہ یوسف کی اس پیش کش پر اور بھی کٹ کر رہ گئی۔

وہ صرف مسکرا دیا۔ اور دھیرے دھیرے چاء پیتا رہا۔ پھر تھوڑے سے توقف کے بعد بولا ''مسرور میاں نے آپ کے لیے کچھ تحائف بھیجے ہیں''۔

اور نغمہ کا دل بے اختیار چاہ اٹھا کہ وہ بھیا کے بارے میں اتنی بہت سی باتیں پوچھ ڈالے کہ یوسف جو بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہا ہے جواب دیتے دیتے تھک جائے۔ اور بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا.....

''بھیا نے ایک البم بھیجنے کو کہا تھا کیا وہ بھی بھیجا ہے''۔

''جی جی ہاں'' یوسف اس کے اس اشتیاق بھرے لہجہ پر مسکرا دیے۔ انہوں نے بہت سی قیمتی تصویریں بھی بھیجی ہیں''۔ اور پھر ادھر ادھر دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

لیکن جانے آپ لوگوں نے میرا سامان کہاں پہنچا دیا ہے۔ ورنہ میں دکھا دیتا ''

نجمہ بیگم کھلکھلا کر ہنس دیں..... لیکن نغمہ صرف مسکرا دی۔

''ابھی آپ کو آپ کے کمرے دکھائے جاتے ہیں'' نجمہ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''آپ کا سامان کمروں میں پہنچا دیا گیا ہے''۔

''اگر وہ کالا سوٹ کیس یہیں منگوا لیں..... تو''۔

نجمہ بیگم درمیان ہی میں بول پڑیں۔

''وہ تحائف کہیں بھاگے تو نہیں جا رہے آپ چاء تو اطمینان سے پی لیں''۔

یوسف خاموش ہو گیا۔ لیکن اسے نغمہ کی بے چینی کا احساس ہو رہا تھا۔ بوا صبین

کسی کام سے اندر آئی تھی۔ اس نے خود ہی بوا سے کہا۔

''ذرا ہمارا وہ کالا سوٹ کیس تو اٹھوا لاؤ''۔

''اچھا حضور ابھی غفور کے ہاتھ بھجوائے دیتی ہوں'' بوا صبین الٹے قدموں لوٹ گئیں۔

''خواہ مخواہ اتنی عجلت کر رہے ہیں.....'' نجمہ بیگم نے کہا۔

یوسف صرف مسکرا دیے۔

تھوڑی دیر میں غفور سوٹ کیس اٹھا لایا۔ یوسف نے جلدی سے تحائف نکال کر میز پر ڈھیر کر دیے۔ ان ہی میں یوسف کا اپنا خریدا ہوا پارکر ۶۱ پین بھی تھا۔ جو وہ اپنی طرف سے نغمہ کے لیے تحفہ لایا تھا۔

''اوہ کتنا خوبصورت پین ہے'' نغمہ ڈبیا کھول کر بچوں کی طرح چلا اٹھی۔

''آپ کو پسند آیا'' یوسف نے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں بے حد یہ تو میری دیرینہ خواہش تھی۔'' نغمہ بڑی خوش تھی۔

''شکریہ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے میری عزت افزائی کی ہے''۔

نغمہ کا مسکراتا چہرہ یکدم اداس ہو گیا۔ اس نے بڑی خاموشی سے پین ڈبیا میں بند کر کے ڈبیا میز پر رکھ دی۔

نجمہ بیگم تو بڑے انہماک سے تمام اشیا دیکھ رہی تھیں۔ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

''نغمہ بیٹی چائے اور بنادو..... یہ پیالی تو بالکل ٹھنڈی ہوگئی ہوگی''۔

''جی اچھا'' نغمہ کو دوسری طرف مصروف ہونے کا موقع مل گیا تھا۔ چائے کا دوسرا کپ بنایا ہی تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ جلدی سے چاء کی پیالی یوسف کی طرف کھسکا کر وہ ٹیلی فون سننے کے لیے گیلری کی طرف چل دی۔

قدرت کی اس بے وقت امداد پر وہ بہت خوش تھی۔ وہ وہاں خود اب مزید نہ ٹھہرنا چاہتی تھی۔ ٹیلی فون شہاب الدین کے کسی دوست کا تھا۔ وہ ٹیلی فون اٹینڈ کر کے اپنے کمرے میں چلی آئی.....

یوسف ابھی تک نجمہ بیگم سے باتوں میں مشغول تھے۔

یوسف کو شہاب الدین کے گھر آئے کافی دن ہو گئے تھے۔ نغمہ حیران تھی کہ یہ کیسا مہمان ہے جو یہاں سے جانے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ نغمہ کی اچٹتی نظر جب بھی یوسف پر پڑتی اسے فوراً ہی ندیم یاد آجاتا۔ اور اس سے وہ اور بھی بے چین ہو جاتی۔ سڑک کے اچانک تصادم کے بعد پھر ندیم اسے کہیں دکھائی نہ دیا تھا۔ اس دوران وہ کتنی ہی مرتبہ جان بوجھ کر کالج سے گھر تک پیدل آئی تھی۔ لیکن اس کی یہ تشنہ آرزو سیراب نہ ہو سکی۔ یوسف اپنا زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزارتا۔ لیکن نغمہ پھر بھی حتی الوسع اس سے دور رہنے کی کوشش کرتی۔ اسے یوسف کی نگاہوں میں ایک عجیب قسم کی دیوانگی اور سفلا پن دکھائی دیتا.....

وہ عموماً شام اپنے کمرے میں گزارتی۔ نجمہ اس غلط فہمی میں تھی کہ نغمہ یوسف کو پسند کرنے لگی ہے۔ لہٰذا وہ شرم کے مارے اس کا سامنا کرنے سے گھبراتی ہے۔

شہاب الدین نے کئی دفعہ نغمہ سے کہا بھی بیٹی نغمہ تم یوسف میاں کے ساتھ گھومنے چلی جایا کرو''۔

اور وہ ہمیشہ ہی ابو کے اس جملے پر جز بز ہو کر رہ جاتی مگر وہ ہر مرتبہ بڑے شگفتہ لہجہ میں ٹال جاتی۔

ابو لٹ ہونے والے ہیں۔آج کل تو پڑھائی کے علاوہ کچھ اور سوجھائی ہی نہیں دیتا۔

اور یوسف جو وکیل صاحب کے جملے سے خوش ہو اٹھتا۔نغمہ کے جملے سے اس پر اوس پڑ جاتی.....وہ بھنا کر رہ جاتا۔

کئی دن یوں ہی گزر گئے ایک دن یوسف نے خود ہی نجمہ بیگم سے کہا۔

آنٹی مسرور صاحب نے میری بابت آپ کو مکمل اطلاع تو دے ہی دی ہو گی اور جس مقصد کے لیے میں یہاں آیا ہوں وہ بھی انہوں نے بیان کر ہی دیا ہو گا۔ نجمہ بیگم ہنس دیں۔

ہاں ہاں بیٹا مسرور میاں نے مجھے تفصیلاً خط لکھ دیا تھا تم اطمینان رکھو شہاب الدین صاحب آج کل اسی فکر میں ہیں۔

اور یوسف کے ذہن میں جو انجانے خدشے جنم لے رہے تھے وہ سب ختم ہو گئے۔اور اسے یقین ہو گیا کہ وکیل صاحب جلد ہی اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

نجمہ بیگم کی مصروفیات اب پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔وہ دن رات شادی کی

تیاریوں میں مصروف نظر آتیں۔ زیورات بے انتہا تیار تھے۔ کچھ پرانی وضع کے زیورات تڑوا کر نئے ڈیزائن بنوانے کے لیے خورشید جیولرز کے ہاں بھجوا دیے گئے۔ کپڑے اور فرنیچر کی تیاری کے لیے بھی آرڈر بک کرا دیے گئے تھے۔ فی الحال نجمہ بیگم نے نغمہ سے اس مسئلہ پر کسی قسم کی بات نہ کی تھی۔ وہ چاہتی تھیں نگار آ جائے تو اس سے کہہ کر نغمہ تک یہ بات پہنچوا دی جائے۔ ویسے انہیں یقین تھا کہ نغمہ ان کی پسند رپ کبھی نہ ٹھکرائے گی بلکہ انہیں یقین تھا کہ وہ تو خود ہی یوسف کو پسند کرنے لگی ہے جبھی تو شرمائی شرمائی رہتی ہے۔

موسم بہار کی وہ شام بڑی ہی رومان پرور اور حسین تھی وہ کالج سے لوٹی تو پتا چلا کہ یوسف کہیں باہر گیا ہے۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور چائے پی کر باہر لان میں آ ء ی۔ وہ آج کئی دنوں کے بعد لان میں آئی تھی۔ بڑی دیر تک وہ اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے پھولوں کی کیاریاں دیکھتی رہی۔ ڈوبتے سورج کی ارغوانی کرنیں عالم فانی کو الوداع کہہ رہی تھیں۔ کائنات کی ہر شے ارغوانی رنگ میں نہائی بڑی البیلی دکھائی دے رہی تھی۔ پنیری ڈیلیا اور سویٹ پی کی کیاریوں کے قریب سے گزرتی مرمری حوض کے کنارے آن کھڑی ہوئی نیلے پانی میں نارنجی رنگ کا عکس عجیب سماں پیدا کر رہا تھا۔ وہ وہیں حوض کے کنارے بیٹھ گئی۔ اور ساکت پانی کو ہلانے لگی نیلے پانی کی گول گول لہریں بنتیں چلی جاتیں۔ اور کناروں پر جا کر دم توڑ دیتیں جن میں ارغوانی رنگ لہریں لیتا ہوا اسے بڑا ہی بھلا دکھائی دے رہا تھا۔ سفید ریشمی لباس میں دوپٹہ کے بوجھ سے بے نیاز وہ حوض کے کنارے

بیٹھ کسی ماہر سنگ تراش کا مجسمہ دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اپنے کھیل میں منہمک تھی کہ یوسف آ گیا۔

وہ گیٹ پر کھڑا بڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ حوض پر بیٹھی وہ اسے اتنی حسین دکھائی دی کہ بے اختیار اس کا دل چاہنے لگا کہ اس مرمریں پیکر کے لانبے سیاہ بالوں کے سایے تلے جا کر میٹھی نیند سو جائے۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے قریب آ گیا۔ اور اس کی محویت ٹوٹنے کا انتظار کرنے لگا۔

ارغوانی آسمان پر سیاہی چھانے لگی تھی۔ اور پانی میں نارنجی رنگ کی آمیزش لحظہ بہ لحظہ کم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اس کھیل سے اکتا گی۔ اور ایک دفعہ زور سے پانی کو ہاتھ سے ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی لیکن قریب کھڑے یوسف کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔

''آپ.....'' وہ ہکلا گئی۔

''میں سمجھا تھا'' یوسف مسکراتا ہوا اس کے اور بھی قریب چلا گیا ''کوئی آسمانی حور آسمان کی وسعتوں سے نکل کر اس سبزہ زار میں آ بیٹھی ہے اس لیے دیکھنے کے لیے چلا آیا'' وہ اس کی بے باک گفتگو سے جھلا گئی۔ اس نے خشمگین نگاہوں سے یوسف کو دیکھا وہ اسے ابھی تک دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اور پھر وہ اس کے اور بھی قریب کھسک آیا۔

نغمی تم کتنی حسین اور سندر ہو۔ اور اس وقت اس مرمریں حوض پر بیٹھی تو تم یونان کے کسی سنگ تراش کا حسین شاہکار دکھائی دے رہی ہو۔ وہ اب اس کے اور

بھی قریب آ گیا تھا.....

''نغمی میری طرف دیکھو کیا میں تمہیں اچھا نہیں لگتا.....'' اس نے سرگوشی کی۔

اور وہ بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اسے یوسف سے اس قسم کے جملوں کی بالکل توقع نہ تھی۔ وہ غصہ میں بھنائی واپس جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ یوسف نے بڑھ کر اسے بازوؤں میں تھام لیا۔

''نغمی میری بات کا جواب دو یا کم از کم یہی کہہ دو کہ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو''۔

وہ غصے سے کانپ رہی تھی۔ اس نے لرزتی آواز میں چیخ کر کہا۔

''چھوڑ دیجیے مجھے''۔

لیکن یوسف نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''شاید تمہیں معلوم نہیں تم عنقریب میری ہونے والی ہو''۔

وہ جھٹکے سے بازو چھڑا کر اس سے الگ ہو گئی۔ اور چوٹ کھائی ناگن کی طرح بل کھاتی اندر کی طرف لپکی۔

یوسف اسکے اس طرح چلے جانے پر بری طرح جھلا گیا تھا۔ وہ دانت پیستے بڑبڑایا۔

''مغرور لڑکی دیکھوں گا تم کہاں بچ کر جاتی ہو'' وہ وہیں لان میں بڑی دیر تک ٹہلتا رہا۔

اس رات نغمہ نے کھانا بھی نہ کھایا۔ اپنے کمرے میں روتی رہی بوا نصیبن کئی مرتبہ آ چکی تھیں لیکن اس نے پڑھائی کا بہانہ بنا کر ٹال دیا۔

اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا تھا۔ وہ حیران تھی کہ امی نے یہ رشتہ اس سے پوشیدہ کیوں رکھا۔ اگر وہ یوسف سے اس کی شادی کرنا ہی چاہتے تھے تو اس سے رائے کیوں نہ لی گئی۔ یہ اندر ہی اندر تمام سازش کیسے پک گئی۔ تب ہی تو وہ یوں ڈیرا ڈالے پڑا ہے اسی لیے امی اور ابو اس کے قریب ہونے کا موقع دیتے ہیں لیکن نہیں نہیں وہ اس سے نفرت کرتی ہے۔ وہ اس سے شادی نہیں کرے گی۔ وہ انہی خیالات کے تانوں بانوں میں الجھتی جا رہی تھی۔ وہ ایک سرا پکڑتی تو دوسرا ہاتھ سے نکل جاتا۔ تمام رات اس نے اسی تگ و دو میں گزار دی۔ وہ آج کا واقعہ بھی امی سے بتانا چاہتی تھی۔ لیکن شرم مانع آ گئی۔ اور وہ اس آگ میں ساری رات جلتی رہی۔

باب ۷

اس دن کے تصادم کے بعد سے ندیم کے دل میں نغمہ سے ملنے کی چاہت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ امریکہ جانے کے لیے اس کے تمام کاغذات مکمل ہو چکے تھے۔ جوں جوں اس کے جانے کے دن قریب آتے جا رہے تھے وہ اور بھی زیادہ اداس اور پریشان ہوتا جا رہا تھا۔ وہ جانے سے پہلے ایک مرتبہ نغمہ سے ضرور ملنا چاہتا تھا۔

''کیوں.....؟'' یہ تو اس کا دل بھی نہ جانتا تھا نغمہ کو پہلی مرتبہ دیکھنے کے بعد سے اس کے ذہن کی تمام سوچنے کی قوتیں صرف اس کے پیکر تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ وہ شدت سے محسوس کرنے لگا تھا کہ نغمہ ہی کے لیے وہ آج تک اداس اور کھویا کھویا سا رہتا تھا۔ نغمہ ہی اس کے ذہن کے دھندلے شیشے پر کبھی کبھی اجاگر ہو جاتی۔ اور پھر روپوش ہو جاتی۔ تب وہ بے چین ہو جاتا۔

اور وہ جب اچانک ہی ایک دن اس کے خیالوں سے نکل کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی تو وہ بیہوش ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا تھا کہ وہ حسین خاکہ جو اب تک اس کے ذہن کی دھندلی سطح پر آنکھ مچولی کھیلتا رہتا تھا۔ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ اور اب تو یہ حسین خیال اس سے وجود کا حصہ بن کر رہ گیا تھا۔

اس نے چاہا کہ بارہا کہ اس خلش کا ذکر ماں سے کر دے لیکن وہ کر نہ سکا۔ اور جب ارجمند نے ریحانہ کی پیش کش کی تھی تب بھی اس نے چاہا تھا کہ کم از کم وہ ارجمند سے ہی اپنی پسند کا ذکر کر دے۔ لیکن وہ یہ بھی نہ کر سکا۔ وہ کوئی ٹھوس

قدم اٹھانے سے پہلے نغمہ سے مل لینا چاہتا تھا۔

کئی دنوں کی مسلسل سوچ بچار کے بعد اس نے نغمہ کو کالج میں ملنے کا مصمم ارادہ کرلیا اور آج اس مقصد کے لیے اس نے صبح سے اپنے ذہن میں اس سے ملنے کے لیے خاکہ مرتب کرلیا۔

ساری رات آگ میں جلتے رہنے سے نغمہ صبح دیر سے کالج پہنچی۔ اس کی طبیعت پر کسلمندی سی طاری تھی۔ ذہن بوجھل تھا۔ پہلا پیریڈ مس ہو چکا تھا۔ دوسرا پیریڈ خالی تھا۔ کالج لان میں ہی اس نگار مل گئی نگار اسے دیکھتے ہی چلائی.....

''خیر تو ہے آج دیر سے کیسے آنا ہوا۔ اور یہ چہرے پر نحوست کیسی برس رہی ہے

۔

''ویسے ہی رات کافی دیر تک نیند نہ آئی'' نغمہ شش و پنج میں تھی کہ نگار سے کل والے حادثے کا ذکر کرے یا نہ کرے کیونکہ وہ پہلے ہی منے خان اور ندیم کے بارے میں اسے تنگ کرتی رہتی تھی۔ اور اب یہ بتا کر اور اپنا ناطقہ بند کروانا پڑتا۔

نگار غور سے نغمہ کا چہرہ تک رہی تھی جیسے وہ اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کے دل کا راز جاننا چاہتی ہے۔ نغمہ اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکی۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

''یہ عنبر، نرگس اور فیروزہ کہاں ہیں''۔

''آؤ میں بھی وہیں جا رہی تھی۔ وہ خوبانی کے جھنڈ میں بیٹھی ہیں۔ لیکن تم یہ بتاؤ تمہیں رات نیند کیوں نہ آئی'' نگار پھر اصل مطلب پر لوٹ آئی تھی۔

''تم کو بال کی کھال اتارنے کی عادت ہے۔ نیند کبھی کبھی بغیر کسی وجہ کے بھی نہیں آتی.....'' نغمہ نے آواز میں ذرا رعب پیدا کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا.....'' نگار نے اچھا کو لمبا کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''اب سمجھی ٹھیک ہے شروع شروع میں نیند اڑ جاتی ہے۔ اور پھر کھانا پینا بھی چھوٹ جاتا ہے۔ یہ مرض ہی ایسا ہے''۔

''تم تو جونک ہو پوری خون چوسنے بیٹھ جاتی ہو۔ نہ بات کا سر نہ پیر۔ بکواس کرنی تو کوئی تم سے سیکھے'' نغمہ چیں چیں ہو کر بولی۔

''ہاں اور رات بھر جاگ کر اختر شماری کرنا کوئی تم سے سیکھے۔'' نگار کو اسے تنگ کرنے میں لطف آ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ نغمہ نیند کی بڑی رسیا ہے۔ اسے تو کلاس روم میں ذرا سا آنکھ بند کرنے کا موقع مل جاتا ہے تو وہ غافل ہو جاتی ہے۔ رات یقیناً کوئی خاص واقع ہوا ہے جو یہ بتا نہیں رہی۔ اس نے دل میں سوچا اور نغمہ کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''بتا دو نا آخر کیا وجہ تھی.....''

نغمہ جل ہی تو گئی۔

''میں اب تھپڑ مار دوں گی۔ اگر زیادہ بک بک کی''۔

نگار کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ چوکیدار کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی۔

''جی نغمہ بی بی باہر کوئی صاحب ملنا چاہتے ہیں'' چوکیدار نے قریب آ کر کہا۔

نگار کے کان کھڑے ہو گئے۔

اور نغمہ کو فوراً ہی یوسف کا خیال آ گیا۔ اور اس کا رنگ فق ہو گیا۔ اس نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے چوکیدار سے پوچھا۔

''کون ہیں..... کیا نام ہے.....؟''

''جی نام تو نہیں بتایا میں نے پوچھا بھی تھا بس یہی کہا تم انہیں بلا لاؤ'' چوکیدار نے انکسارانہ جواب دیا۔

''جاؤ نام پوچھ کر آؤ'' نگار نے جلدی سے کہا۔

''جی اچھا.....'' وہ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

''یہ کون آ گیا ہے تم سے ملنے۔ کہیں وہی تو نہیں جس کے لیے اختر شماری کرتی رہتی ہو'' نگار نے اسے چھیڑا۔

نغمہ کو یکدم ہی ندیم کا خیال آ گیا جس سے اس کے چہرے پر سرخی ابھر آئی۔

''کیا کسی کو ٹائم دیا تھا'' نگار نے اسے خاموش دیکھ کر پھر سرگوشی کی۔

''بس بکے چلی جاؤ سوائے بکواس کرنے کے کبھی اور کام بھی کیا ہے'' نغمہ کا پارہ کافی چڑھ گیا تھا۔

نغمہ اور نگار لان عبور کر کے کالج باؤنڈری وال کے قریب ہی آم کے درخت کے نیچے آن کھڑی ہوئیں۔ کالج کی عمارت اور پرنسپل کا آفس پیچھے رہ گیے تھے۔ نغمہ نہ چاہتی تھی کہ پرنسپل صاحبہ تک یہ اطلاع پہنچے کہ اس سے کوئی ملنے آیا تھا..... چوکیدار کو آتے دیکھ کر نگار نے دور ہی سے سوال کر ڈالا۔

''کیا بتایا بابا.....''

''جی وہ کہتے ہیں کہ آپ کے گھر سے آیا ہوں''۔

''کیا؟'' نغمہ تقریباً چیخ اٹھی۔ مارے غصے کے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔ وہ چلائی۔

''کہہ دو جا کر میں نے کسی سے نہیں ملنا چاہتی'' غم اور غصے سے اس کی جھیل سی گہری آنکھیں جھلک آئی تھیں۔

چوکیدار بیچارہ حیران و پریشان واپس لوٹ گیا۔

''نغمی خدا کے لیے مجھے کچھ تو بتاؤ۔ کیا آج گھر سے ناراض ہو کر آ رہی ہو۔ یہ آخر ماجرا کیا ہے۔ تم رو کیوں رہی ہو؟'' نگار نے اس سے کتنے ہی سوال کر ڈالے۔ نغمہ اور بھی تیزی سے رونے لگی۔

آؤ یہاں بنچ پر بیٹھ جاؤ۔ نگار نے اسے سہارا دے کر قریبی بنچ پر بٹھا دیا۔

نگار کے ہمدردانہ سلوک نے اس کے دل کے تمام پکے ناسور پھوڑ دیے۔ وہ مسلسل سسکیاں لیے جا رہی تھی نگار کو یقین ہو گیا تھا کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے جس کی وجہ سے نغمہ جیسی حوصلہ مند اور سمجھدار لڑکی بھی پریشان ہو گئی ہے پریڈ کی بل ہو چکی تھی۔ لیکن وہ ابھی اسی شش و پنج میں مبتلا تھی کہ نغمہ کو کس طرح چپ کرائے کہ چوکیدار پھر سر پر آن کھڑا ہوا۔

''یہ لفافہ نغمہ بی بی کے لیے وہ صاحب دے گئے ہیں'' اس نے لفافہ نگار کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور معنی خیز نظروں سے نغمہ اور نگار کو گھورتا ہوا الٹے قدموں لوٹ

گیا۔

''یہ کیا معاملہ ہے نغمہ۔ یہ خط کیسا ہے'' نگار تو اب خود بھی پریشان ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ نغمہ ابھی تک دوپٹہ میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔

''خدا کے لیے اپنی حالت سنبھالو۔ اور اس خط کو کھول کر پڑھ لو'' نگار نے اسے دلاسہ دیا۔ ''کم از کم پتہ تو چلے اس میں کیا لکھا ہے اور لکھنے والا کون ہے۔ پھاڑ کر پھینک دو اسے۔ اس ذلیل یوسف کی اتنی ہمت بھی ہو گئی'' نغمہ نے نگار کے ہاتھ سے لفافہ چھین کر پھاڑ دینا چاہا لیکن نگار نے اس سے پھر لفافہ چھین لیا۔

''جلد بازی سے کام نہ لو۔ یہ یوسف کون ہے کیا قصہ ہے کچھ مجھے بھی بتاؤ یا مجھ سے بھی پردہ ہے'' نگار کی آواز میں التجا تھی۔

''نگار میں پاگل ہو جاؤں گی۔ اس ذلیل انسان نے میرا چین حرام کر کے رکھ دیا ہے''

''تم ذرا اپنے دل کو سنبھالو۔ اور مجھے واضح طور پر تمام واقعات سناؤ۔ تم نے تو حد کر دی کبھی بھولے سے بھی اس معاملہ کا ذکر نہ کرنا۔ ورنہ کچھ نہ کچھ رد عمل ہو ہی جاتا ہے''۔

نغمہ اپنے دوپٹہ کے آنچل سے آنسو صاف کر کے سنبھل کر بیٹھ چکی تھی۔ رو لینے دو اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔

''ہاں نغمہ پھر'' نگار نے کچھ توقف کے بعد نغمہ کو مخاطب کیا۔

نغمہ نے بڑی بیچارگی سے نگار کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے دھیرے سے

کہنا شروع کیا۔

''یہ حضرت یوسف یوکے سے تشریف لائے ہیں۔ بھائی جان کے دوست ہیں۔اوران ہی کے ایما پر وہ یہاں تشریف لائے ہیں۔تقریباً دو ماہ سے پر بھوت کی طرح مسلط ہیں۔اور ابھی فی الحال جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔میں ہمیشہ ہی اس سے کتراتی رہی کیونکہ وہ کچھ زیادہ ہی بیباک اور فری قسم کے واقع ہوئے ہیں''۔وہ سانس لینے کے لیے دم بھر کو رکی ''میرا خیال تھا مصیبت کچھ دنوں کے بعد ٹل ہی جائے گی۔دو چار دن کی بات ہے زیادہ آمنا سامان نہ کروں تو بہتر ہے۔کل شام میں باغ میں ٹہل رہی تھی کہ وہ آ گئے۔اور لگے اوٹ پٹانگ باتیں کرنے۔ان کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی وحشت نمایاں تھی۔اور جب ان کی اوٹ پٹانگ باتوں کا میں نے کوئی جواب نہ دیا تو میری کلائی پکڑ لی۔میں جانے کیسے چھڑا کر اپنے کمرے تک پہنچی۔اور اب یہاں بھی میرے پیچھے تشریف لے آئے ہیں نغمہ کی آواز رندھ گئی تھی۔

یاد ہے نا منے خان کو ناکوں چنے چبوائے تھے''۔نگار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

انہیں بھی مزہ چکھا دیتیں۔میں تو سمجھی تھی خدانخواستہ بہت ہی بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے۔تمہیں چاہیے تھا مزے سے باتیں سنتی رہتیں شاید کوئی کام کا ڈائیلاگ بھی بول ہی دیتے''۔

''تم کبھی سنجیدہ نہ ہوگی'' نغمہ جھلا گئی ''اس لیے تو میں تمہیں بتانا نہ چاہتی تھی''۔

''اچھا'' نگار فوراً بول پڑی ''لو ہو گئی سنجیدہ۔اب ذرا تم سنجیدگی سے سوچ کر

جواب دو۔ کہ اگر تمہارے ابو کی مرضی سے یہ کام ہو رہا ہے تو'' نغمہ نے یوں نگار کو گھورا جیسے اسے کچا ہی چبا جائے گی۔ لیکن اسے دوسرے ہی لمحے خیال آیا کہ وہ جو اتنے دنوں سے گھر میں بلا تکلف رہ رہا ہے امی اور ابو دونوں ہی اس کی خدمت کرتے ہیں اس کی خوشی کے لیے ابو نے اپنی کار بھی اسے ہی دے رکھی ہے لیکن ..... نگار نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس کے خیالات کے تانے بانے ٹوٹ کر بکھر گئے۔

''آخر تم اس سے اتنی بددل کیوں ہو۔ کیا وہ بدصورت ہے یا.....''

''تم بکواس سے باز نہ آؤ گی'' نغمہ تقریباً روہانسی ہو گئی تھی ''کہہ تو دیا کہ میں اسے بالکل پسند نہیں کرتی''۔

نگار مسکرا دی۔

''ہاں اب آئی نا صحیح راستے پر اب بتاؤ کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو.....''

وار بہت اچانک ہوا تھا نغمہ بوکھلا گئی۔ اس کی حالت پہلے ہی غیر تھی ''اس جملے نے تو رہے سہے حواس بھی کھو دیے۔ اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

مجھے تو بہت مدت پہلے ہی شک ہو گیا تھا لیکن میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ تم مجھ سے کب تک اس راز کو چھپائے رکھو گی۔ نغمہ اب بھی خاموش تھی۔ وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی۔ وہ لفافہ ابھی تک نگار کے ہاتھ میں تھا۔

نگار نے بڑی شفقت سے نغمہ کے لانبے اور سیاہ بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

''نغمہ میں جانتی ہوں تم ندیم سے محبت کرتی ہو۔ میوزک کنسرٹ کے بعد ہی

سے تم خاموش اور بجھی بجھی سی رہنے لگی تھیں تم حوصلہ رکھو۔ اور یہ لفافہ کھول کر پڑھو۔ کم از کم اس میں کیا لکھا ہے یہ تو پتہ چلے''۔

''تم ہی دیکھ لو'' نغمہ نے بیزاری سے کہا۔

''اچھا.....'' نگار نے لفافہ کھول کر سب سے پہلے اختتام پر نظر دوڑائی۔

''ارے غضب ہو گیا نغمہ'' نگار چیخی ''یہ ندیم کا خط ہے!''

''تم ان شرارتوں سے باز نہ آؤ گی۔'' نغمہ نے اطمینان سے جواب دیا بھلا ندیم کو کیا پڑی کہ وہ مجھے خط لکھے''۔

''تم کبھی مجھے نہ سمجھ سکو گی نغمہ'' نگار نے پرچہ اس کے سامنے ڈال دیا۔ لو دیکھ لو۔

نغمہ کی اچٹتی ہوئی نظر آخری سطروں پر سے ہوتی ہوئی نام پر جا ٹھہری۔ اس کے پژمردہ چہرے پر سرخی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے پرچہ اٹھا لینا چاہا لیکن نگار اس سے پہلے ہی پرچہ اٹھا چکی تھی۔

''کیوں صاحب میں نے بتایا تھا تو یقین کیوں نہ آیا؟''

''تنگ نہ کرو نگار'' نغمہ روہانسی ہو گئی ''لاؤ پڑھنے دو کیا لکھا ہے۔

''لو پڑھ لو.....'' نگار نے پرچہ اسے دے دیا۔

نغمہ کی بیتاب نظریں جلدی جلدی خط کی تحریر پڑھنے لگیں۔

خط بغیر القاب کے تھا۔

''سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ خط کیسے شروع کروں۔ اور کیا لکھوں دل سے

مجبور ہو کر خط لکھ رہا ہوں خیال تو تھا کہ آج آپ سے ملاقات ہو جائے گی لیکن ..... اور اب تو یہی ایک چارہ ہے اگر آپ کو خط مل جائے تو آپ میری جسارت پر مجھے پہلے ہی معاف کر دیں تو بہتر ہے شاید آپ کو یاد بھی نہ ہو گا۔ لیکن میں دسمبر کی وہ حسین اور دلفریب صبح کو کبھی نہ بھلا سکوں گا جو ایک پیکر نور اور سراپا نغمہ میرے دل کے اجڑے محل میں آن اترا تھا۔ بالکل اچانک چپکے سے۔ اور پھر وہ خیال ماکونس کی وہ پرسوز دھن آج تک میرے ذہن میں گونج رہی ہے۔ جو آپ نے میوزک کانسرٹ میں بجائی تھی۔

زندگی میں انسان ایسے حادثات سے دوچار ہوتا ہی رہتا ہے۔ میں نے بھی دل ناتواں کو سمجھانے کی بہتیری کوشش کی لیکن وہ خلش خلش پیہم بنتی چلی گئی۔ آج اسی خلش پیہم کی جلن اور سوزش سے مجبور ہو کر یہاں تک آنے کی جسارت کی تھی۔ لیکن آپ نے ملنے سے انکار کر کے میرے ذہن میں اپنی چاہت کا اس بے تکلفی کو درگزر کر دینا ایک اور دریچہ کھول دیا۔ مجھے چاہیے تو تھا کہ میں لوٹ جاتا لیکن دل ناتواں بوجھل ہو گیا۔ اور مجھے یہ خط لکھنا ہی پڑا۔

میں اس دیس سے عنقریب ہی دور بہت دور جا رہا ہوں فی الحال تو ایک مختصر عرصہ کے لیے لیکن ہو سکتا ہے یہ عارضی عرصہ مستقل بن جائے۔ لیکن اس کا انحصار آپ کے جواب پر ہے۔ آپ میری اس جسارت پر پریشان

ضرور ہوں گی۔لیکن میں اپنے سینے میں پلتے ہوئے اس ننھے سے پودے کو جوان کرنا چاہتا ہوں۔اگر آپ نے اپنی منزل کا ابھی انتخاب نہیں کیا تو ایک ذی ہوش اور تعلیم یافتہ لڑکی ہوتے ہوئے اس درخواست پر غور کرنے کی زحمت فرمائیں تاکہ دو جانے سے پہلے میں اپنا مقام جان سکوں۔آپ کا فیصلہ سر آنکھوں پر.....''

فقط آپ کا منتظر

ندیم کمال

نغمہ خط پڑھ کر سکتہ کے عالم میں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔نگار نے خط لے کر پڑھا۔ تیسرا پیریڈ بھی ختم ہو چکا تھا۔لڑکیاں ادھر ادھر کلاسوں میں آنے جانے لگیں تھیں۔ نگار نے نغمہ سے کہا۔

''آؤ ٹینس کورٹ کے پیچھے خوبانی کے جھنڈ میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ایسا نہ ہو عنبر نرگس اور فیروزہ بھی یہاں آن دھمکیں.....''

''چلو'' نغمہ تو خط پڑھنے کے بعد گم صم بیٹھی تھی۔نگار نے اسے خوبانی کے جھنڈ میں رکھے ہوئے مرمریں بنچ پر لا بٹھایا۔اور کتابیں لانبی لانبی دوب پر لاپروائی سے پھینکتے ہوئے کہا۔

''نغمہ پرابلم بڑی سیریس ہوگئی ہے میرے خیال میں یوسف تمہارے بھیا امی اور ابو کے ایما پر ہی تمہارے ہاں تشریف فرما ہیں۔''

''مجھے کچھ نہیں معلوم'' نغمہ نے دھیرے سے جواب دیا۔وہ خود بھی اس گتھی کو

سلجھاتی سلجھاتی تنگ آ گئی تھی۔ ''مجھے جتنا معلوم تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔ اب تم ہی اس مسئلہ کو کوئی حل سوچو''۔

''جہاں تک میرا خیال ہے'' نگار سوچتے ہوئے بولی ''تمہارے بھیا اور ابو چاہتے ہیں کہ تم اور یوسف ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات کر لو۔ اور اگر وہ تمہیں پسند آ جائیں تو تمہیں ان کے پلے باندھ دیا جائے۔ اور بقول تمہارے وہ تم پر جی جان سے عاشق بھی ہو گئے ہیں.....''

''لیکن اس سے کیا ہوتا ہے مجھے تو ان میں کوئی خوبی نظر نہیں آئی۔'' نغمہ پھر جھلا گئی۔ تم غصہ نہ کرو نگار نے اسے پھر تسلی دی۔ میں تو تمہیں ذرا تپا کر دیکھ رہی ہوں کہ تم بھی ثابت قدم ہو کہ نہیں'' نغمہ نے اسے گھورا لیکن نگار نے تو اسکے گھورنے کی کوئی پرواہ نہ کی۔ وہ اپنی دھن میں کہے چلی گئی ''تم اب اپنے دست مبارک سے ایک خط ندیم کے نام لکھ دو۔ جس میں اقرار محبت ہو ان تک پہنچانا میرا کام ہے''۔

''نہیں نہیں میں خط نہیں لکھوں گی'' نغمہ نگار کے جملوں سے پریشان ہو گئی تھی۔

''تو پھر ٹھنڈے ٹھنڈے یوسف میاں کے ساتھ سدھارو'' نگار نے مزے سے لانبی لانبی دوپ پر لیٹتے ہوئے کہا۔ ''کیوں خود کو بھی ہلکان کر رہی ہو اور دوسروں کو بھی پریشان کر رہی ہو.....''

نغمہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور بیٹھی سوچتی رہی۔ نگار لانبی لانبی دھوپ

ہاتھ سے توڑ توڑ کر ادھر ادھر پھینک رہی تھی۔ وہ نغمہ کو سوچنے کا موقع دینا چاہتی تھی کافی دیر گزر جانے کے بعد پھر نگار نے کہا۔

''ہاں تو پھر کیا سوچا تم نے.....''

''میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں'' نغمہ نے بڑی بیچارگی سے اپنی نگاہیں اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

''عشق اور محبت سمجھ بوجھ کے بغیر ہی ہو جاتی ہے'' نگار پھر اسے تنگ کرنا چاہتی تھی ''اس میں عقل کا ذرا سا بھی دخل ہو تو میرا خیال ہے یہ مرض کسی کو بھی نہ لگے''۔

''میری بات مانو ایک خط لکھ کر مجھے دے دو میں ندیم کو پہنچا دیتی ہوں۔ اس میں لمبی چوڑی تمہید باندھنے کی ضرورت نہیں''۔

''لیکن نگار یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' نغمہ کی رقت بھری آواز بڑی دھیمی تھی۔

مجھے تو یہ خوف ہی کھائے چلا جا رہا ہے کہ اگر ندیم کے یہاں آنے کی اطلاع پرنسپل صاحبہ کو مل گئی تو جو باز پرس ہوگی اس کا کیا جواب دوں گی.....''

''تم بھی بالکل ہی بدھو ہو'' اول تو ایسی نوبت آتی ہی نہیں اگر ہوا بھی تو کہہ دینا کہ صبح گھر سے ناراض ہو کر چلی آئی تھی میرے کزن آئے تھے مجھے لینے کے لیے''۔

''یعنی سراسر جھوٹ بولا جائے'' نغمہ نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں'' نگار ہنس دی ''کہہ دینا منگیتر آیا تھا''۔

''چڑیل'' نغمہ نے لپک کر اس کی کلائی پر چٹکی کاٹتے ہوئے کہا ''میری جان پر بنی ہے اور تجھے مذاق سوجھ رہا ہے''۔

''ہائے اللہ ظالم چھوڑ'' نگار چیخی۔

''نہیں چھوڑتی'' نغمہ نے اس کی انگلیوں کا دباؤ اور زیادہ ہی کر دای۔

''اچھا نہ چھوڑو میں بھی تمام کالج میں مشہور کر دوں گی'' اور نغمہ کی انگلیاں یک دم ڈھیلی پڑ گئیں.....

''اف ظالم'' نگار زخمی جگہ کو سہلاتی ہوئی بولی ''تو تو پوری گوشت خوری ہے اب دیکھ میں کیا تجھے مزہ چکھاتی ہوں ایک ایک سے.....اور نغمہ کی آنکھیں یکدم چھلک آئیں۔

''خدا کے لیے مجھے تنگ نہ کرو نگار اس وقت میں بڑی مصیبت میں مبتلا ہوں''۔

''جاؤ معاف کیا تمہیں'' نگار نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اور پھر اس کے قریب ہی بنچ پر آن بیٹھی اور بڑے پیار سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

''نغمہ پریشان نہ ہو انشاء اللہ کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو گی۔ بس مجھے تم اپنی مرضی بتا دو۔ کیا چاہتی ہو'' نگار نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

''''کیا تم واقعی ندیم کو بے انتہا چاہتی ہو.....''

نغمہ نے بڑی پریشان نگاہوں سے نگار کی طرف دیکھا اور نظریں جھکائے

ہوئے دھیرے سے کہا۔

''نگار مجھے خود معلوم نہیں مجھے ان دنوں کیا ہو گیا ہے۔بس ہر وقت ندیم کا چہرہ نگاہوں میں گھومتا رہتا ہے اور اور'' لیکن اس کی آواز اس کے حلق میں ہی اٹکی رہ گئی اور اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔وہ ڈوپٹہ آنکھوں پر رکھ کر پھر سسکنے لگی۔

نگار نے ایک اطمینان کا سانس لیا۔اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ اندر ہی اندر پکتا ہوا لاوا اب پھوٹ نکلا ہے۔

''تم حوصلہ سے کام لو نغمہ یہ بات بات پر رونا ٹھیک نہیں'' اس نے پھر اسے تسلی دی خدا جانے تمہارا نام نغمہ کس نے رکھ دیا ہے تمہارا نام تو نالہ ہونا چاہیے تھا۔

''لیکن میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتی جس سے میری اور خاندان کی بدنامی ہو۔میں اپنے اس حسی تصور کو اندر ہی اندر کچل دوں گی لیکن ننگ خاندان نہ کہلاؤں گی نغمہ جذباتی ہو گئی تھی۔

''تم اطمینان رکھو'' نگار نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجہ میں کہا۔ایسی نوبت نہیں آئے گی۔

چھٹی کی بل بج گئی تھی۔لڑکیوں کی ٹولیاں کالج سے نکلتی جا رہی تھیں نگار نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''چلو اب اطمینان سے گھر جاؤ اور مزید اس مسئلہ پر غور کرو۔میں بھی کوئی نہ کوئی حل تلاش کر لوں گی'' وہ اسے لیے کار پارکنگ پلیس تک پہنچی ہی تھی کہ نرگس فیروزہ اور عنبر آتی ہوئی نظر آئیں۔

''لو وہ چنڈال چوکڑی پہنچ گئی'' نگار نے نغمہ سے کہا تم ذرا اپنے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر لو۔ ورنہ یہ تو جان کھا جائیں گی'' اور سچ مچ نغمہ نے اس کے کہنے پر اپنے چہرے پر بشاشت پیدا کر لی۔

''ارے تم لوگ تمام دن کہاں چھپی رہیں'' نرگس نے انہیں دیکھتے دور سے چلائی۔

نغمہ خاموش رہی لیکن نگار نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

''صبح نغمہ اپنی ممی سے ناراض ہو کر چلی آئی تھی۔ بس اسے ہی بیٹھی سمجھاتی رہی ۔

''کیوں نغمہ کیا بات ہے'' فیروزہ نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

''اب تم لوگ اور زیادہ پریشان مت کرو'' نگار نے پہلو بچایا ''صبح سے تو بیچاری روتے روتے نڈھال ہو گئی ہے۔ میں اسے گھر چھوڑنے جا رہی ہوں۔ کل بتاؤں گی بات کوئی خاص نہیں ہے''۔

''ارے ہمیں بھی بتا دو۔ شاید اس مرض کی دوا ہمارے پاس ہی ہو'' عنبر نے حملہ کیا۔

''نہیں جب تمہاری ضرورت ہو گی تم سے بھی پوچھ لیں گے'' نغمہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آؤ نغمہ یہ لوگ تو جان کھا جائیں گی'' نگار نے اسے گھسیٹ کر اپنی کار میں بٹھا لیا۔

نغمہ گاڑی میں سر جھکائے بڑی خاموشی سے بیٹھی تھی جیسے وہ الجھی ہوئی گتھیاں سلجھا رہی ہو لیکن اس کے چہرے کے تاثرات سے یوں ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ الجھی گتھیاں سلجھانے کے باوجود الجھتی ہی جا رہی ہیں۔

نگار بھی خاموشی سے کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ وہ بھی اسے اس وقت ڈسٹرب نہ کرنا چاہتی تھی۔ مال روڈ پر گزرتے ہوئے نگار کی اچٹتی نظر ندیم کی سیاہ پجارو پر پڑی جو ڈریم لینڈ ہوٹل کے باہر کھڑی تھی۔ نگار کے ذہن میں اچانک ہی خیال آیا اور اس نے اگلے چوراہے پر پہنچتے ہی گاڑی پیچھے ٹرن کرتے ہوئے نغمہ سے کہا۔

''کیا خیال ہے ڈریم لینڈ میں ایک ایک کپ کافی ہو جائے''۔

''آں'' نغمہ خیالات سے چونکی۔ ''ہاں میرا بھی دل اس وقت کافی پینے کو چاہ رہا ہے'' اور پھر اس نے گردن جھکا لی۔ نگار نے زیر لب مسکراتے ہوئے کار عین ندیم کی گاڑی کے برابر لا کر کھڑی کر دی۔ اور انجن بند کر کے نغمہ کو لیے اندر کی طرف لپکی.....

''ہیلو ندیم صاحب.....''

اور نغمہ جو اس غیر متوقع تصادم پر ابھی سنبھلنے بھی نہ پائی تھی۔ حیران و پریشان نگار کے پیچھے دھیرے دھیرے چل دی۔ وہ نہ چاہتی تھی کہ ہال میں بیٹھے ہوئے اتنے بہت سے لوگوں کے دل میں کسی قسم کا کوئی لغو خیال پیدا ہو۔

''بڑی اچانک ملاقات ہوئی'' نگار ندیم سے کہہ رہی تھی۔

اور ندیم جو خود بھی نغمہ کے وجود کو اتنے قریب پا کر اپنے حواس کھو چکا تھا۔ یکدم

چونک کر نگار کی طرف متوجہ ہوا۔

جی جی ہاں بس یوں ہی آج ذرا طبیعت اداس تھی۔تو یہاں کچھ دیر ستانے بیٹھ گیا''۔

''اس کا ڈریم لینڈ نام اسی لیے تو رکھا گیا ہے'' نگار نے مسکراتے ہوئے کہا یہاں جانے کتنے ہی تھکے ہارے جواری آرام کرتے ہوں گے۔اور پھر آگے چل دیتے ہوں گے''۔

''آپ کی باتیں بڑی دلچسپ ہیں'' ندیم نے نگار کی باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا آیئے کیبن میں چل کر بیٹھتے ہیں۔اگر آپ کو بار خاطر نہ گزرے تو.....''

نغمہ نے اپنی جھکی جھکی پلکیں اوپر اٹھائیں۔دونوں کی نظروں کا تصادم ہوا۔اور ندیم کو یوں لگا جیسے ان گہری جھیل سی نیلی آنکھوں میں اس کے دل کی پوری کیفیت درج تھی۔وہ تمام ان کہی باتیں جنہیں سننے کے لیے وہ مدت سے بیتاب تھا ان مدھر بھرے نینوں نے کہہ دی تھیں.....وہ مسکراتا ہوا کیبن کی طرف بڑھا۔

اس کے پیچھے پیچھے نگار اور نغمہ بھی چل دیں۔کیبن میں پہنچ کر ندیم نے بیرے سے کافی لانے کو کہا۔وہ تینوں ابھی خاموش بیٹھے گفتگو کے لیے موضوع تلاش کر رہے تھے۔کہ بیرا کافی لے کر آ گیا۔اس کے جانے کے بعد ندیم نے نگار سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میزبانی کے فرائض آپ انجام دیجیے''۔

''ضرور ضرور'' نگار نے مسکراتے ہوئے کافی تیار کی۔ کیبن میں پھر ایک مرتبہ سکوت چھا گیا۔

''ندیم صاحب'' نگار نے کمرے کا سکوت توڑا ''یہ آپ آج منہ اٹھائے کالج کیوں چلے آئے تھے؟''

نگار کے سوال پر ندیم نے ایک بار بھرپور نگاہ نغمہ کے چہرے پر دوڑائی اور پھر نگار کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''میں بھی اپنے دل سے یہی وجہ دریافت کرنا چاہتا تھا اور اس لیے یہاں آن بیٹھا تھا۔ میں خود بھی حیران ہوں کہ مجھ سے اتنی بڑی غلطی کیسے سرزد ہوگئی''۔

''اور پھر غلطی در غلطی کہ آئے اور نام بھی غلط بتایا۔ نگار نے شوخی سے دوسرا جملہ جڑ دیا۔

''ہاں'' ندیم نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا ''یہ بھی ایک حسین جھوٹ تھا جو میں نے اپنے خودسر دل کی ضد پوری کرنے کے لیے بولا تھا۔ لیکن اس میں بھی ناکامی ہوئی تھی۔

نگار کے بولنے سے پہلے ہی نغمہ بول اٹھی۔

''لیکن آپ کو یہ تو سوچنا چاہیے تھا کہ آپ کا کالج میں اس طرح چلے آنا کسی کے لیے کتنا باعث بدنامی ہوگا''۔

''جی.....'' ندیم نغمہ کے جملے سے پریشان ہوگیا تھا۔ اور اس کے باقی الفاظ گلے میں پھنس کر رہ گئے تھے۔

''مطلب یہ ہے کہ'' نگار نے بات سنبھالی ''اگر پرنسپل صاحبہ کو ذرا سی اطلاع مل جاتی تو آپ کی جو باز پرس ہوتی سو ہوتی ان بیچاری کا تو کریکٹر ہی تباہ ہو جاتا''۔

''اگر اطلاع مل جاتی تب ہی نا'' ندیم نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا فی الحال تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی نا''۔

''نہیں ابھی تک تو کوئی بات نہیں ہوئی'' نگار نے مسکراتے ہوئے کہا ''ہاں اگر آپ کی دیوانگی روز بروز بڑھتی چلی گئی تو شاید ایسی نوبت ہی آجائے گی''۔

نغمہ نگار کے اس جملے پر چھوئی موئی سی ہو کر رہ گئی تھی۔

''نہیں ایسی نوبت نہیں آئے گی'' ندیم کچھ اداس ہو گیا تھا ''اسی لیے تو جلد اس دیس سے جا رہا ہوں'' اس کی آواز میں درد کا گہرا پرتو تھا۔

اور نغمہ کا جی بے اختیار چاہ اٹھا کہ اس کے چرنوں میں جھک کر دھیرے سے کہے

''نہیں اب تم اس دیس سے کبھی نہیں جا سکو گے۔ ہ اس سرزمین پر ایک نئی دنیا بسائیں گے۔ اور جہاں ہ پریم کی سندر رچنا گایا کریں گے۔'' نغمہ خیالات کے انوکھے دھارے پر بہی جا رہی تھی۔ کہ نگار کی آواز نے چونکا دیا وہ ندی سے پوچھ رہی تھی۔

''آپ کتنے عرصے کے لیے جا رہے ہیں''۔

ندیم نے لمحہ بھر نگار کی طرف دیکھا اور نغمہ کی طرف اشارہ کر کے بڑے دھیمے

لہجہ میں جواب دیا۔

''یہ تو ان پر منحصر ہے۔اور یہی پوچھنے کے لیے تو میں آج.....''

'ہاں'' نگار نے درمیان ہی سے بات کاٹ لی'' آپ کا لیٹر مل گیا تھا۔

''لیکن مجھے اس کا جواب ابھی تک نہیں ملا۔ میں چاہتا ہوں میں یہاں سے جانے سے پہلے ہر غلط فہمی دور کرلوں تا کہ بعد میں کسی قسم کی پشیمانی نہ ہو''۔نگار اسی لمحہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں ابھی آتی ہوں ذرا گھر فون کر دوں۔ ڈیڈی میرا انتظار کر رہے ہوں گے''

دراصل وہ نغمہ اور ندیم کو براہ راست آپس میں گفتگو کرنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔اور پھر وہ جواب کا انتظار کیے بغیر ہی کیبن سے نکل گئی۔اس کے جاتے ہی نغمہ اپنی کرسی پر پڑی پریشانی کے عالم میں پہلو بدلنے لگی۔نگار کی موجودگی میں اس کی گھبراہٹ تقریباً ختم ہو چکی تھی۔لیکن اس کے جاتے ہی گھبراہٹ پھر عود کر آئی تھی''۔

''اگر آپ کو میرا یہاں بیٹھنا نگار کی عدم موجودگی میں برا محسوس ہوتا ہے تو میں باہر چلا جاتا ہوں'' ندیم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں'' نغمہ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا آپ بیٹھیں پھر میں اکیلی رہ جاؤں گی''۔

ندیم مسکراتا ہوا دوبارہ بیٹھ گیا۔

''لیکن آپ تو جب سے آئی ہیں یہ دوسرا جملہ آپ کے دہن مبارک سے نکلا ہے میں آپ کی اتنی گہری خاموشی کی وجہ جان سکتا ہوں'' ندیم کی آواز محبت سے پر تھی۔نغمہ کے پاس بھلا اس کا کیا جواب تھا۔وہ صرف لجا کر رہ گئی۔اسے خاموش دیکھ کر ندیم نے پھر بات آگے بڑھائی۔

''میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں پاگلوں کی طرح آپ کے کالج پہنچا واقعی مجھے یہ حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی''۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں'' نغمہ بے ساختہ بول اٹھی 'مجھے تو'' لیکن الفاظ جذباتی ہونے کی وجہ سے پورے ادا نہ کر سکی۔دونوں کی نگاہیں لمحہ بھر کے لیے ملیں اور جھک گئیں۔اور دل کا سارا حال خاموش زبان سے کہہ گئیں۔

''نغمہ'' ندیم کی آواز میں پیار کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

''جی'' وہ جھکی بیٹھی تھی مارے حیا کے سر بھی نہ اٹھا سکی۔اس کا چہرہ رنگ بدل رہا تھا وہ ناخن سے کھیل رہی تھی۔ایک بار اس نے ندیم کو سر اٹھا کر دیکھا تھا۔کیا میں یقین کر لوں مجھے میری منزل مل گئی ہے۔

نغمہ نے اپنی دبیز پلکیں اوپر اٹھائیں۔اور بڑے اطمینان سے ندیم کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

کیا اب بھی آپ کو یقین نہیں آیا۔مدت سے سینے میں ابلتے جذبات آج بہہ نکلے تھے۔اور وہ جو اپنے سینے پر ایک بہت بڑا بوجھ محسوس کر رہی تھی۔اب اپنے آپ کو بڑا ہی ہلکا پھلکا تصور کر رہی تھی جیسے کوئی فرض تھا جو اس نے صحیح طور پر ادا کر

دیا ہو۔

ندیم کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ نگار مسکراتی ہوئی کیبن میں آ گئی۔

''کیوں ندیم صاحب ایک دوسرے سے لڑ تو نہیں پڑے''۔

نغمہ تو خاموش رہی لیکن ندیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بھلا ہم کیوں لڑتے.....اور انہوں نے بڑا ہی بھرپور قہقہہ لگایا.....مسرتوں سے لبریز.....

''میرے سامنے تو منہ میں گڑ ڈال کر بیٹھی رہی۔اور میرے جاتے ہی پڑ پڑ بولنے لگیں خیر پوچھ لوں گی میں بھی اکیلے میں''۔

نغمہ نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا نگار چلو اب کافی دیر ہو گئی ہے اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاں جی میں جو کباب میں ہڈی آ گئی ہوں۔اس لیے تمہیں دیر سویر کا احساس ہونے لگا۔اگر میں ابھی دو گھنٹے نہ آتی تو گھر کا خیال ہی نہ رہتا''۔ندیم مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

آپ بڑی ہی بزلہ سنج واقع ہوئی ہیں۔

آپ کا حسن ظن ہے۔نگار نے ہنستے ہوئے ندیم سے کہا اچھا دیکھیے صاحب خدا کے لیے اب کہیں دوبارہ کالج آنے کی غلطی نہ کر بیٹھنا۔اگر دل زیادہ بے قرار ہو تو نگال نے وینٹی بیگ سے کارڈ نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دیا۔مجھے اس ٹیلیفون پر فون کر لینا۔میں آپ کے قیدی کو لے کر حاضر ہو جاؤں گی۔اور ہاں

کہیں وکیل صاحب کا فون نمبر نہ کسی دن ڈائل کر دینا۔ ورنہ..... اور نگار نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''مجھے یقین ہے اس کی نوبت نہیں آئے گی۔'' ندیم نے بڑے خلوص سے کہا ''میں آپ کی گفتگو اور اخلاق سے کافی متاثر ہوا ہوں مس نگار۔

متاثر اور محظوظ ہی نہ ہوتے رہیے خدا کے لیے اس پر عمل بھی کیجیے گا ورنہ بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔ نگار نے پھر ایک جملہ کیا اور ندیم لاجواب ہو کر رہ گیا۔

وہ تینوں ڈریم لینڈ سے باہر آ گئے تھے ''اوکے ندیم صاحب آپ کی کافی پارٹی کا بہت بہت شکریہ'' نگار نے بڑی بے تکلفی سے شیک ہینڈ کرتے ہوئے کہا۔

''ارے اب تم بھی ہاتھ ملا لو.....''

نغمہ نے خاموشی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا نگار کار میں جا بیٹھی تھی۔ ندیم اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کار تک آیا۔

''اب بیٹھ بھی چکو گاڑی میں یا میں جاؤں؟''

''ارے نہیں چل رہی ہوں'' اور پھر نغمہ نے دھیرے سے ندیم سے کہا۔

خدا حافظ میرے ندیم۔

''خدا حافظ.....'' ندیم نے گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبایا اور چھوڑ دیا۔

باب ۸

ارجمند بانو سے ریحانہ کے بارے میں ندیم کا انکار سن کر صفیہ بیگم ان دنوں کافی پریشان رہنے لگی تھیں ۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ خاندان میں ہی ندیم کی کہیں شادی ہو جائے اور ریحانہ انہیں بے حد پسند تھی ۔ ریحانہ بھی ندیم سے والہانہ محبت کرتی تھی ۔ جب سے اسے معلوم ہوا تھا کہ ندیم نے شادی سے انکار کر دیا ہے وہ اداس اور بجھی بجھی سی رہنے لگی تھی ۔

اور اب تو ریحانہ کی شادی بھی دوسری جگہ طے کر دی گئی تھی ۔ صفیہ بیگم چاہتی تھیں کہ ندیم کسی قیمت پر بھی شادی کے لی رضامند ہو جائے تو بہتر ہے انہوں نے زندگی میں کوئی خوشی نہیں دیکھی تھی ۔ اور اب ندیم کی شادی پر وہ اپنے تمام ارمان پورے کرنا چاہتی تھیں ۔

آج ندیم کو بڑی مدت کے بعد خوش دیکھ کر صفیہ بیگم بھی خوش ہوا ٹھیں کھانے کی ٹیبل پر صفیہ بیگم نے پھر شادی کا تذکرہ چھیڑ دیا ۔ بیٹے ندیم ادریس بھائی نے ریحانہ کی شادی نولکھا والوں کے لڑکے کے ساتھ طے کر دی ہے ۔

''جی ہاں امی مجھے معلوم ہے ۔ میں طفیل کو جانتا ہوں ۔ وہ بڑا شریف اور ہونہار لڑکا ہے ۔ اچھا ہوا ریحانہ کی شادی اچھے خاندان اور اچھے لوگوں میں ہو رہی ہے ۔ تمام عمر خوش رہے گی'' ندیم نے بڑے اطمینان سے شوربہ کا ڈونگا اٹھاتے ہوئے جواب دیا ۔

''میں تو چاہتی تھی ریحانہ میری بہو بنتی ۔ لڑکی بڑی خوبصورت اور خوب سیرت

تھی پر نہ جانے کیوں نہ پسند آئی''۔

''امی ریحانہ اپنی جگہ بڑی سلیقہ مند اور ہونہار لڑکی ہے لیکن مجھے پسند نہ تھی''۔

''اگر تم کہو بیٹے تو میں ارجمند سے اس کی چھوٹی بہن حسنہ کے لیے بات کروں۔تمہارے انکار سے وہ کافی رنجیدہ ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ اپنوں میں رنجشیں ہوں''۔

یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی میں تو حسنہ کو اپنی بہن سمجھتا ہوں بھلا ارجمند ارحسنہ میں کیا فرق ہے؟''

صفیہ بیگم کھلکھلا کر ہنس دیں۔

''بیٹا ماموں خالہ زاد بہنوں میں شادی جائز ہوتی ہے''۔

''امی آپ بھی کمال کرتی ہیں خواہ شادی جائز ہو یا ناجائز لیکن میں حسنہ کے ساتھ شادی کے مسئلے پر غور بھی نہیں کر سکتا''۔

''لیکن بیٹے مجھے یہ تو بتاؤ آخر تم کب تک یونہی زندگی بسر کرو گے۔ میں چاہتی ہوں جلد از جلد تمہارے سر سہرا دیکھ لوں۔ نہ جانے یہ چراغ سحری کب بجھ جائے''۔

''امی بس آپ اس قسم کی باتیں نہ کیا کریں۔''

صفیہ بیگم مسکرا دیں۔

''بیٹے اگر تمہاری نظر میں کوئی لڑکی ہے تو بتا دو''۔

''امی'' اور ندیم نے اپنے جذبات پر قابو پا لیا ماں نے خود ہی اس کے سینے کا

بوجھ ہلکا کر دیا تھا وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا اور پھر دھیرے سے بولا۔

''امی مجھے وکیل شہاب الدین کی لڑکی پسند ہے''۔

صفیہ بیگم نے اطمینان کا سانس لیا۔ ان کے سینے میں جو کھٹک تھی وہ دور ہو گئی تھی۔ ان کا خیال صحیح ثابت ہوا تھا لیکن اب ان کے سامنے دوسرا مسئلہ آن کھڑا ہوا تھا۔ وہ اپنوں کو چھوڑ کر غیروں میں شادی نہ کرنا چاہتی تھیں۔ ریحانہ کا رشتہ نہ کر لینے پر ہی برادری میں سب ان سے نالاں تھے۔ وہ ندیم کے اس جواب سے کچھ پریشان سی ہو گئی تھیں۔

بیٹے یہ کتنی بری بات ہے کہ تم اپنا خاندان اور برادری چھوڑ کر دوسری جگہ ناطہ جوڑنے جا رہے ہو تمہیں معلوم نہیں ادریس بھائی اور سراج بھائی وغیرہ پہلے ہی ہم سے کتنے نالاں ہیں اور تمہارے اس ارادے پر تو وہ اور بھی خلاف ہو جائیں گے۔

''امی کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں خاندان اور برادری کی خاطر اپنی خوشیاں برباد کروں اور پھر اپنی خوشیوں کی خاطر اپنی بیوی کے ساتھ برا سلوک کروں''۔

صفیہ بیگم کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ انہیں یقین نہ تھا۔ کہ ندیم اتنی بڑی بات کہہ دے گا۔ وہ تو کبھی یہ سوچ بھی نہ سکتی تھیں اور پھر جیسے خود ہی انہیں کچھ خیال آ گیا ہو۔

''ندیم بیٹے شہاب الدین کے ہاں ضرور جاؤں گی۔ تم اطمینان رکھو۔ اور اگر برادری نے ہم سے علیحدگی بھی اختیار کر لی تو مجھے کوئی پروا نہیں''۔

''امی'' ندیم خوشی سے سرشار ہو گیا'' آپ کتنی اچھی ہیں''۔

صفیہ بیگم اس کی والہانہ مسرت پر خود بھی بہت خوش تھیں۔ پھر انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''لیکن بیٹے یہ کام ریحانہ کی شادی کے بعد کروں گی''۔

''آپ جب بھی مناسب سمجھیں چلی جائیں'' ندیم نے اٹھتے ہوئے کہا تم جا کہاں رہے ہو؟

ندیم کو اٹھتے دیکھ کر صفیہ بیگم یکدم بول اٹھیں۔

ادریس بھائی کا کل رات ٹیلی فون آیا تھا۔ ریحانہ کی شادی کی تاریخ بدل گئی ہے مجھے انہوں نے بلوایا ہے۔ تم مجھے وہاں چھوڑ آؤ'' آپ تیار ہو جائیں میں جب تک لائبریری میں بیٹھا ہوں''۔

نغمہ گھر پہنچی تو بے حد خوش تھی۔ کتابیں کمرے میں میز پر بیٹھ کر وہ اپنے بیڈ پر گر گئی۔ اور مستقبل کے خوش آگیں خیالات میں ہلکورے کھانے لگی۔ ندیم کا خط اس کے سامنے کھلا پڑا تھا جس کے ایک ایک حرف سے اسے ندیم کی خوشبو آ رہی تھی۔ اور اس کے پلکوں کے لطیف دوش پر ندیم کا گندمی چہرہ رقص کر رہا تھا۔ وہ ان خیالات میں مگن تھی کہ نجمہ بیگم آ گئیں وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ اور خط کو بیڈ شیٹ کے نیچے کر دیا۔

''بیٹی ریحانہ کی شادی اس جمعہ کو قرار پا گئی ہے۔ تمہیں آج ہی بلایا ہے۔ ان کی ماما آج صبح ہی آئی تھیں۔

نجمہ بیگم صوفے پر بیٹھ گئیں۔

اتنی جلدی امی ۔وہ تو سنا تھا۔ اگلے مہینے کی پچیس تاریخ کو ہونی تھی نغمہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں بیٹی اچانک ہی طفیل کو ٹریننگ کے لیے سویڈن جانے کے آرڈر مل گئے ہیں وہ اگلے مہینہ کی آٹھ تاریخ کو سویڈن چلا جائے گا۔ طفیل کا خیال ہے کہ وہ ریحانہ کو بھی ساتھ لیتا جائے''۔

''لیکن امی آج میرا موڈ نہیں۔ اور اب تو کافی شام ہو چکی ہے۔ میں کل صبح ہی چلی جاؤں گی'' نغمہ نہ چاہتی تھی کہ آج کی حسین شام کا تصور وہ شادی کی گہما گہمی میں جا کر فنا کر دے۔

''تمہاری مرضی آج جی نہیں تو کل چلی جانا۔ لیکن تم یوں کرو۔ کل صبح ہی سے چلی جانا۔ اپنے چند جوڑے ابھی سے سوٹ کیس میں ڈال لو۔ ایسا نہ ہو بعد میں وہ لوگ محسوس کریں.....''

''آپ بے فکر رہیں امی میں کل صبح ہی چلی جاؤں گی۔ اور پھر نغمہ نے بات کا رخ بدل دیا'' بھائی جان کا خط مدت ہوئی نہیں آیا۔ جانے اس مرتبہ انہوں نے اتنی دیر کیوں کر دی''۔

''ہاں میں خود حیران ہوں تمہارے ابو نے انہیں ایک بیحد ضروری خط لکھا تھا۔ لیکن اس کا ابھی تک انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ نجمہ بیگم کے جی میں آیا کہ وہ نغمہ سے یوسف کے بارے میں دریافت کر لیں۔ لیکن ان کی ممتا نے اجازت نہ دی۔ وہ تو سوچے بیٹھی تھیں۔ کہ کسی دن نگار آ جائے تو اس سے کہہ کر نغمہ کے دل کا حال

معلوم کرلیں گی۔ اور اس دوران میں مسرور میاں کا خط بھی آ جائے گا۔ جس میں وکیل صاحب نے یوسف کا پورا پورا حسب نسب دریافت کروایا تھا۔

''ارے ہاں'' نجمہ بیگم نے یکدم چونک کر پوچھا۔

''وہ تمہاری چنڈال چوکڑی کی سردار نگار مدت سے نہیں آئی کیا تم پھر آپس میں لڑ تو نہیں بیٹھیں.....''

نغمہ مسکرا دی۔

''نہیں امی وہ تو مجھے روز گیٹ پر ڈراپ کر کے جاتی ہے۔ ابو نے کار تو یوسف صاحب ہی کے حوالے کر دی ہے''۔

''کیا کیا جائے بیٹی بس وقت کا تقاضہ ہے۔ وہ تو خود بھی آج کل کچہری ٹیکسی ہی میں جاتے ہیں''۔

اور نغمہ کے جی میں آئی کہ وہ ماں سے کل شام والا واقعہ سنائے لیکن اس نے مناسب نہ سمجھا۔

نجمہ بیگم اٹھتے ہوئے بولیں۔

''بوا صبین کو ساتھ ضرور لے جانا۔ میں چلوں دیکھوں تمہارے ابو کے لیے یخنی تیار ہو گئی ہے یا نہیں''۔

''بہت اچھا امی'' اسنے بڑے مودبانہ انداز میں کہا۔

ماں کے جاتے ہی اس نے گزرے ہوئے واقعات کی ٹوٹی کڑیاں جوڑنی چاہیں۔

بیڈ شیٹ کے نیچے سے خط نکال کر ایک مرتبہ پھر پورا پڑھ ڈالا۔ خط کا ایک ایک حرف اسے ازبر ہو چکا تھا وہ خوشی سے جھوم اٹھی۔ اور اس کا جی بے اختیار چاہ اٹھا کہ وہ ستار پر کوئی البیلی سی دھن چھیڑ دے۔ اس نے اٹھ کر الماری سے ستار نکالی سر درست کیے اور قالین پر دوزانو ہو کر بیٹھ کر اس نے ایک دلکش نغمہ چھیڑ دیا۔

چھوٹی سی یہ دنیا پہچانے راستے ہیں
تم کہیں تو ملو گے کبھی تو ملو گے تو پوچھیں گے حال

وہ ستار بجانے میں محو تھی۔ ہلکے گلابی رنگ کے غرارہ سٹ میں وہ سرخ دبیز قالین پر دوزانو آنکھیں بند کیے ستار کاندھے سے لگائے بیٹھی تھی۔ وہ گیت کی اتھاہ گہرائیوں میں گم سنگیت کی لہروں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی مخروطی مرمریں انگلیاں بڑی تیزی سے ستار کے تاروں پر رقص کر رہی تھیں۔

یوسف اپنے کمرے میں ہمنگوئے کا ایک ناول پڑھ رہا تھا۔ ستار کی دلکش آواز پر وہ چونک گیا۔ پہلے تو اسے گمان گزرا کہ شاید کسی نے ریڈیو آن کر دیا ہے۔ لیکن بعد میں اس نے نغمہ کی آواز پہچان لی۔ گانے کے اتار چڑھاؤ اور لے نے سوز پیدا کر دیا تھا۔ کتاب میز پر ڈال کر وہ نغمہ کے کمرے کی طرف چل دیا۔

دروازہ کے پٹ کھلے تھے اور وہ کمرے کے عین وسط میں سرخ قالین پر بیٹھی اسے بڑی بھلی دکھائی دی۔ اور وہ آنکھیں بند کیے ستار بجا رہی تھی۔ یوسف وہیں دہلیز پر ہی رک گیا۔ وہ نہ چاہتا تھا کہ یہ حسین منظر اتنی جلدی ہٹ جائے۔ وہ ٹکٹکی باندھے نغمہ کے سڈول اور مرمریں جسم کا جائزہ لے رہا تھا۔

نغمہ نے سر دھیمے کر کے نگاہیں اوپر اٹھائیں۔تو دہلیز پر یوسف کو کھڑے پایا۔ اس کی تھرکتی انگلیاں یکدم تھم گئیں۔وہ اپنے والہانہ انداز سے خود ہی پشیمان ہو گئی تھی۔ یوسف دھیرے دھیرے چلتا اس کے قریب آ گیا تھا۔اتنی دیر میں نغمہ اپنے آپ کو سنبھال چکی تھی۔

''یوں بغیر اجازت آپ کو میرے کمرے میں نہ آنا چاہیے تھا۔ یوسف صاحب یہ خلاف تہذیب ہے'' نغمہ نے ستار صوفے کے سات ٹکاتے ہوئے کہا۔

''تمہارے گانے کے بول سننے کے بعد بھلا اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے یوسف نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اس ساز کے دلکش سروں کے ساتھ مل کر تمہارے سر کی آواز نے فضا میں ایک عجیب سماں باندھ دیا تھا۔اور پھر جیسے تم بلانا چاہتی تھی اسے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔

''نکل جائیے میرے کمرے سے'' نغمہ قالین سے یکدم اٹھ کھڑی ہوئی غصہ کے مارے وہ کانپ رہی تھی۔لیکن وہ مسکراتا ہوا وہیں کھڑا رہا۔

''نغمی تم یوں کب تک ناراض رہو گی.....؟''

''میں کہتی ہوں چلے جاؤ میرے کمرے سے ورنہ ابھی نوکر کو بلوا کر دھکے دلواتی ہوں'' وہ غصے کے مارے دیوانی ہو رہی تھی۔

یوسف نے اسی ڈھٹائی سے جواب دیا۔

''تمہیں معلوم نہیں وکیل صاحب نے مجھے یہاں کس مقصد کے لیے بلوایا ہے وہ تمہاری شادی جلد از جلد مجھ سے کر دینا چاہتے ہیں''۔

''نکل جاؤ میرے کمرے سے'' نغمہ چلائی وہ غصہ سے بل کھا رہی تھی۔

یوسف نے بڑھ کر اسے کاندھے سے تھام لیا۔

''ناراض نہیں ہوتے ڈارلنگ''۔

اور نغمہ زخمی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹ پڑی۔ اور ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ اور پھر خود ہی ''امی امی'' کہتی ہوئی سیدھی ماں کے کمرے کی طرف دوڑی۔

نجمہ بیگم دیوان پر بیٹھی چھالیہ کتر رہی تھیں بیٹی کی آواز پر وہ اٹھنا ہی چاہتی تھیں کہ نغمہ دوڑتی ہوئی آئی اور وہیں دیوان پر گر گئی۔

غصے میں بھاگنے سے اس کی سانس بے قابو ہو رہی تھی۔ وہ نڈھال پڑی تھی۔ نجمہ بیگم جلدی سے اپنی بیٹی کی طرف متوجہ ہوئیں۔ نغمہ اوندھی لیٹی ہوئی مسلسل سسکیاں لیے جا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ ماں سے کس طرح ساری بات کہہ ڈالے۔

''کیا ہوا بیٹی کیا ڈر گئیں تھیں۔ تم سے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ تم شام کے وقت ستار نہ بجایا کرو.....'' نغمہ مسلسل سسکیاں لیے جا رہی تھی۔

''مجھے بتاؤ تو بیٹی'' نجمہ بیگم نے دلاسہ دیتے ہوئے بوا نصیبن کو آواز دی۔

''بوا ذرا جلدی سے ایک گلاس شربت انناس بنا لاؤ۔ اور انہوں نے اٹھ کر پنکھے کی سپیڈ تیز کر دی۔

شربت پینے کے بعد اس کی طبیعت ذرا سنبھلی تو نجمہ بیگم نے دلاسہ دیتے

ہوئے پوچھا۔

''ہاں بیٹی اب بتاؤ کیا بات تھی'' نجمہ بیگم نے اس کے بالوں کو پیار سے سنوارتے ہوئے پوچھا۔

''امی یہ یوسف صاحب میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ وہ خواہ مخواہ مجھے تنگ کیوں کرتے رہتے ہیں۔'' نغمہ رقت بھرے لہجہ میں بولی۔

''کیوں کیا بات ہوئی؟'' نجمہ بیگم نے حیرانی سے پوچھا۔

نغمہ نے کل شام اور آج کی ساری باتیں ماں سے کہہ سنائیں۔ نجمہ بیگم سکتہ کے عالم میں ساری باتیں سن رہی تھیں۔ نغمہ نے سب کچھ ماں کو سنا کر دل کا بوجھ ہلکا کر لیا تھا۔ نجمہ بیگم نے بیٹی کو دلاسہ دیا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

''میرے خیال میں تم بوا نصیبن کو ساتھ لے کر ریحانہ کے ہاں چلی جاؤ۔ میں تمہیں غفورے کو بھیج کر ٹیکسی منگوائے دیتی ہوں''۔

نغمہ اس حالت میں ریحانہ کے ہاں نہ جانا چاہتی تھی۔ لیکن مصلحت کی خاطر اسے ماں کی بات ماننی پڑی۔

اور یس منزل میں ندیم کی سیاہ پیکارڈ کھڑی دیکھ کر نغمہ پر طاری تمام کدورت دور ہو گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہاں اس وقت ندیم اسے مل جائے گا۔ اور یس منزل بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ روشنی کا اتنا انتظام کیا گیا تھا کہ دن کا گمان ہو رہا تھا۔

ابھی وہ ٹیکسی سے اتر ہی رہی تھی کہ اندر سے ندیم اور فیاض باہر نکلے۔

''اوہو یہ تو نغمہ ہیں''۔فیاض نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''آداب عرض بھائی جان'' نغمہ بڑے آداب سے جھک کر آداب بجالائی۔

''جیتی رہو'' فیاض نے مسکراتے ہوئے دعا دی۔

نغمہ نے نگاہ بھر کر ندیم کی طرف دیکھا وہ زیر لب مسکرا رہا تھا۔

''یہ ادھر برآمدے سے ہوتی ہوئی اندر چلی جاؤ ادھر کے دونوں کمرے تو مردوں کے قبضے میں ہیں''۔

بوا صبین ٹیکسی سے سامان اتروا رہی تھیں ۔نغمہ برآمدے سے ہوتی ہوئی اندر چلی گئی۔

ارجمند بانو نے بڑھ کر استقبال کیا۔اور بڑے پیار سے اسے گلے لگالیا۔ان کے قریب ہی صفیہ بیگم بیٹھی تھیں۔نغمہ نے انہیں سلام کیا۔انہوں نے بڑی محبت سے دعائیں دیں.....

نغمہ کا بھولا بھالا چہرہ انہیں پہلی ہی نظر میں بڑا جاذب اور پرکشش دکھائی دیا۔

''بھابھی ریحانہ کہاں ہیں'' نغمہ نے ہال میں ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے ارجمند بانو سے پوچھا۔

''وہ اپنے کمرے ہی میں ہیں.....''

''اچھا میں بھی وہیں چلتی ہوں'' نغمہ وہاں سے کھسکنا چاہتی تھی۔کیونکہ سب مدبر اور بوڑھی خواتین بیٹھی تھیں۔

نغمہ کے جاتے ہی صفیہ بیگم نے ارجمند بانو سے پوچھا۔

''یہ صاحبزادی کون تھیں.....؟''

''یہ شہاب الدین وکیل کی نغمہ ہیں پھوپھو''۔

''اچھا'' صفیہ بیگم نے ایک گہرا سانس لیا انہیں اپنے بیٹے کی پسند کی داد دینی پڑی۔ صفیہ بیگم نے مزید کچھ دریافت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور موضوع گفتگو بدل ڈالا۔

''سراج بھائی جوہری کے ہاں سے ابھی نہیں لوٹے''۔

'پتہ نہیں باہر سے پتہ کراتی ہوں'' ارجمند بانو باہر کی طرف لپکیں۔

ریحانہ نغمہ کو دیکھتے ہی اچھل پڑی۔ وہ اس وقت لڑکیوں کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی.....

''ارے ظالم چپکے چپکے شادی کر ڈالی۔ اور دارون تو صبر کیا ہوتا بے صبری کہیں کی'' نغمہ نے آتے ہی اس کی دکھتی رگ پر انگلی رکھ دی۔ بھلا ریحانہ کہاں ٹلنے والی تھی جھٹ بولی۔

''اے کیا بتاؤں بس ضد کرنے لگے کہ بیگم کو ساتھ ہی سویڈن لے کر جاؤں گا بس جلدی سے شادی کر ڈالو''۔

''ہائے رے بے حیائی'' نغمہ نے ایک زوردار چٹکی اس کے بازو میں بھری ''کبھی تو سنجیدہ ہو جایا کرو''۔

ریحانہ کچھ جواب دینے ہی والی تھی کہ بوا نصیبن سامان سے لدی پھندی کمرے

میں آن کھڑی ہوئیں۔

''ارے بیٹا نغمہ یہ سامان کہاں رکھوں''۔

اور نغمہ کو پہلی مرتبہ خیال آیا کہ ابھی تک بے چاری بوا نصیبن کا بوجھ ہلکا نہیں ہوا۔

''یہیں میرے کمرے میں رکھ دو'' ریحانہ نے جلدی سے کہا۔

اپنے سامان کو دیکھ کر نغمہ کو یکدم ندیم کا رقعہ یاد آ گیا۔ جو وہ اپنے بستر پر اسی طرح چھوڑ آئی تھی۔ اسی اچانک خیال نے اس کا رنگ زرد کر دیا۔ اسے خط کا بالکل ہی خیال نہ رہا تھا۔ وہ تو یوسف سے گھبرا کر ایسی بدحواس ہو کر دوڑی تھی۔ کہ تن من کا ہوش نہ رہا تھا۔ اگر یوسف نے خط اٹھا لیا ہو تو اس کے ذہن میں یہ خیال بھی نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ ضرور اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ ذہن کے کسی دوسرے گوشے سے آواز آئی اور وہ بے چین ہو گئی۔ اور وہ اسی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھی کہ کھانے کی ٹیبل لگ جانے کی اطلاع نے اسے چونکا دیا۔

چونکہ خاندان برادری ہی کے لوگ مدعو تھے لہٰذا ایک ہی جگہ کھانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ باہر شامیانے کے نیچے ڈائننگ ٹیبل لگی ہوئی تھی۔ اتفاق سے نغمہ کو کرسی ندیم کے برابر والی ملی تھی۔ کھانے کے دوران ندیم نغمہ سے کافی بے تکلف ہو گیا تھا۔ ان کے عین سامنے ریحانہ اور فرحانہ بیٹھی تھیں۔ انسے آگے صفیہ بیگم اور ارجمند بانو بیٹھی تھیں۔ میز کے ایک کنارے پر ادریس عالم بیٹھے تھے اور دوسرے کنارے پر سراج الدین۔ صفیہ بیگم نے ندیم اور نغمہ کو بڑے پیار سے

دیکھا۔انہیں اپنے بیٹے کے ساتھ بیٹھی نغمہ اور بھی حسین اور پیاری دکھائی دے رہی تھی۔

ریحانہ ندیم کو اس طرح نغمہ کے ساتھ مسکرا مسکرا کر باتیں کرتے دیکھ کر جل گئی اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔کہ ندیم اور نغمہ ایک دوسرے سے اتنے بے تکلف ہیں.....اور اسے یکدم نغمہ پر غصہ آ گیا۔اسکے ذہن کے کسی گوشے نے سرگوشی کی۔

''اسی وجہ سے تو ندیم نے تم سے شادی سے انکار کیا ہے''۔اور ریحانہ نے غصہ سے کرسی پر پہلو بدلا۔اس نے اپنے دل میں مصمم ارادہ کرلیا کہ وہ نغمہ اور ندیم کو کبھی ایک نہ ہونے دے گی۔وہ اس تگ ودو میں کھانا بھی ٹھیک سے نہ کھا سکی تھی۔

وہ رات بڑی حسین اور دلفریب تھی۔دودھیا چاندنی تمام کائنات پر چھائی ہوئی تھی۔ریحانہ اور نغمہ ایک ہی کمرے میں تھیں۔نغمہ کو نیند نہ آ رہی تھی۔کمرہ میں پنکھا فل سپیڈ پر چل رہا تھا۔اور چاند کی کرنیں دبیز پردے سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھیں۔نغمہ پردہ ہٹا کر چاندنی سے لطف اندوز ہونے لگی۔اس کے ذہن میں ندیم کا خاکہ ابھر آیا اور وہ دھیرے سے مسکرا دی

کیا سوچ رہی ہو نغمہ ریحانہ نے اس کی محویت توڑی۔

آن کچھ نہیں وہ خیالات سے چونکی۔تم ابھی تک سوئی نہیں ریحانہ.....اس نے ریحانہ سے سوال کر ڈالا۔

جب تمہیں نیند نہیں آ رہی تو تمہیں بھلا کیسے آئے گی۔

کیوں؟ وہ ریحانہ کے اس فلسفے پر حیران ہو کر اس کا چہرہ تکنے لگی۔

اس لیے کہ می بھی کبھی ان چاندنی راتوں سے پیار کرتی رہی ہوں'' وہ اپنا پلنگ چھوڑ کر اسکے بیڈ پر آ گئی ''میں گھنٹوں اسی دریچہ میں بالکل تمہاری طرح بیٹھ کر چاند کو تکا کرتی تھی۔ اس ٹھنڈی چاندنی میں میں نے بھی خیالوں کے محل سجائے ہیں۔ کیسے کیسے حسین قلعے تعمیر کیے ہیں۔ بالکل اسی طرح یہیں بیٹھ کر میں نے بھی رنگین خواب دیکھے تھے۔ امیدوں پر محل بناتی اور پھر خود ہی ڈھا دیا کرتی تھی مجھے بھی بادلوں اور چاند کی آنکھ مچولی دیکھنے میں بڑا لطف آتا تھا۔

''لیکن نغمی وہ سب سراب ثابت ہوئیں''۔

''میں سمجھی نہیں رینی تم کیا کہنا چاہتی ہو''۔ نغمہ ریحانہ کے اس طرح گفتگو کرنے پر گھبرا گئی۔

''نغمہ.....'' ریحانہ اس کے اور بھی قریب کھسک آئی۔

''تمہیں میری باتوں پر یقین تو نہ آئے گا نغمی لیکن میں تمہارے ہی بھلے کو تمہیں بتائے دیتی وہس تم ندیم سے زیادہ فری ہونے کی کوشش نہ کرو''۔

ریحانہ بڑے درد بھرے لہجہ میں مسکرائی۔

''تم نہیں جانتی نغمی یہ بڑے حضرت ہیں بڑے کائیاں اور گھاگھ قسم کے کھلاڑی ہیں کل تک یہ میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ اور آج میں نے دیکھا یہ تم میں دلچسپی لے رہے تھے''۔

نغمہ گنگ بیٹھی اس کی باتیں سن رہی تھی۔

ریحانہ نے سرگوشیانہ لہجہ میں کہا۔

''کوئی شریف لڑکی ان سے شادی کرنا پسند نہیں کرتی کیونکہ انہیں خود نہیں معلوم یہ کن کی اولاد ہیں''۔

نغمہ کی دبی سی سسکی نکل گئی۔اس کے لیے یہ انکشاف بالکل ہی انوکھا تھا۔ ریحانہ نے اس کی اندرونی کیفیت بھانپ لی تھی۔اس نے نغمہ کے گال تھپتھپاتے دھیرے سے کہا۔

''یوں لگتا ہے جیسے یہ سب سن کر تمہیں بہت دکھ ہوا ہے''۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں'' نغمہ نے ایک لمبا سانس لیا ''میں تو سوچ رہی ہوں کہ دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے کیا؟'' اور پھر اس کے ذہن میں صفیہ بیگم کا چھریرا سا خوبصورت بدن گھوم گیا۔اسے گم صم دیکھ کر ریحانہ نے ایک بھرپور وار کیا۔

اب تم خود اپنا برا بھلا سوچ لو نغمہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ویسے اگر میری مانو تو ابھی بگڑا کچھ بھی نہیں تم ابھی سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کرو''۔

نغمہ بالکل خاموش بیٹھی رہی۔

ریحانہ اپنی چارپائی پر جاتے ہوئے بولی۔

اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا میں نے تمہارے بھلے کو تمہیں بتا دیا ہے۔

اس رات نغمہ بالکل نہ سو سکی وہ تمام رات کروٹیں بدلتی رہی لیکن ریحانہ اپنے دل کا پھپھولا پھوڑ کر آرام سے سو رہی تھی۔

باب ۹

نجمہ بیگم ان دنوں بڑی پریشان تھیں ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ وکیل صاحب سے تمام باتیں کہہ دیں یا نہ کہیں۔ انہیں شہاب الدین کے غصے سے ڈر لگتا تھا۔ وہ نہ چاہتی تھی کہ وہ یکدم طیش میں آ کر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھیں جس کے نتائج برے ثابت ہوں۔ ادھر یوسف بھی دو روز سے نظر نہیں آیا تھا۔

ویسے بھی اس نے اس واقعے کے بعد سے کھانا باہر ہی کھانا شروع کر دیا تھا یا اگر کبھی کھانے کے وقت گھر پر موجود بھی ہوتا تو کھانا اپنے کمرے میں ہی منگوا لیتا۔ نجمہ بیگم خود یوسف سے اس معاملہ میں کوئی گفتگو نہ کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن وہ شہاب الدین کو بھی ایک دم تمام واقعات نہ بتانا چاہتی تھیں۔ وہ اس کوشش میں تھیں کہ اگر کسی دن شہاب الدین کا موڈ کچھ بہتر ہو تو وہ ان سے کچھ کہہ سنائیں۔ شہاب الدین ان دنوں ایک قتل کے مقدمے میں الجھے ہوئے تھے۔ وہ زیادہ تر وقت اپنے آفس میں ہی گزارتے تھے اور اگر اندر آتے بھی تو کھڑے کھڑے ہوائی گھوڑے پر سوار ضروری باتیں کیں اور پھر جا بیٹھے کئی دنوں سے وہ کلب بھی نہ جا سکے تھے۔

آج بھی وہ مقدمے کے نکتے سلجھاتے سلجھاتے تنگ آ گئے تھے۔ دوپہر کے بعد سے اب تک جانے وہ کتنی ہی کتابوں کا مطالعہ کر چکے تھے۔ اور وکالت کی ہر کتاب ان کے ذہن میں مرتب کیے ہوئے نقش کے خلاف نتیجہ بتاتی تھی۔ وہ جھلا کر اسی طرح آفس سے اٹھ کر کلب چلے گئے۔

ہال کے دروازے پر ہی انہیں مجسٹریٹ ضمیر علی مل گئے۔ان کے ساتھ گفتگو کرتے وہ ہال میں داخل ہوئے آج وہ بڑی مدت کے بعد کلب آئے تھے۔وہ دوستوں کے ہجوم میں اپنے آپ کو بڑا خوش محسوس کر رہے تھے۔ان کے ذہن میں سے تمام الجھنیں نکل گئی تھیں۔مجسٹریٹ ضمیر علی تو اپنے ایک دوسرے مجسٹریٹ نوابزادہ اکرام کی طرف بڑھ گئے۔اب شہاب الدین کی اچٹتی نگاہ تمام ہال میں سے ہوتی ہوئی بار کارنر پر جم گئی جہاں جولیا اور یوسف وسکی کے پیگ سامنے رکھے بیٹھے تھے۔

جولیا ایک کرسچن مجسٹریٹ گوم کی لڑکی تھی۔اور نہ جانے وہ کلب کے کتنے ہی ممبروں کے ساتھ رومانس لڑا چکی تھی۔اور اب اتنا بدنام ہو چکی تھی کہ کوئی بھی لفٹ دیتا تھا یوسف کے ساتھ اس حالت میں بیٹھے دیکھ کر شہاب الدین اندر ہی اندر پیچ وتاب کھا کر رہ گئے۔وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے گیلری میں چلے گئے۔

یوسف کی ایک اچٹتی نگاہ سامنے لگے ہوئے آئینے پر پڑی جس میں یوسف نے شہاب الدین کو گیلری میں جاتے دیکھ لیا تھا۔وہ جولیا کو لیے باہر لان میں نکل آیا۔

شہاب الدین جو اپنے ذہن میں جلد ہی نغمہ کی شادی کا یہ پلان مرتب کر چکے تھے۔انہیں اس کے تمام خطوط مٹتے دکھائی دے رہے تھے۔وہ تو صرف مسرور کے خط کا انتظار کر رہے تھے۔اور اگر مسرور کا خط آ گیا ہوتا تو وہ اب تک شادی کا باقاعدہ اعلان کر دیتے۔وہ ایک عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے تھے۔گیلری میں

بھی ان کا دل نہ لگا مجسٹریٹ پیر زادہ اور ان کے دوست رمی کھیل رہے تھے۔ وہ ان سے علیک سلیک کرتے ہوئے واپس گھر لوٹ آئے۔

نجمہ بیگم مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھی ہی تھیں۔ کہ میاں کو یوں پریشان حال کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ خود بھی پریشان ہو گئیں۔

''خیریت تو ہے آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں'' نجمہ بیگم کی آواز میں بڑی تشویش تھی۔

شہاب الدین نے جو کچھ کلب میں دیکھا تھا بیوی کو کہہ سنایا

''میں تو پہلے ہی جانتی تھی کہ لڑکے کے لچھن اچھے نہیں نجمہ بیگم دھیرے سے کہا

۔

''کیا مطلب کیا تم'' شہاب الدین کی آواز کافی بلند تھی وہ اس وقت غصہ میں بوکھلائے ہوئے جلدی جلدی کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ نجمہ بیگم نے درمیان ہی میں ٹوک دیا۔

''آپ تو کوٹھی سر پر اٹھائے لے رہے ہیں۔ ذرا دم لیں'' نجمہ بیگم دیوان پر ایک طرف کھسکتے ہوئے بولیں۔

''آپ یہاں اطمینان سے بیٹھیں''۔

شہاب الدین سگار کے جلدی جلدی کش لیتے ہوئے بیگم کے قریب ہی دیوان پر بیٹھ گئے نجمہ نے دبے دبے لفظوں میں اس دن والا تمام قصہ دہرا دیا۔

شہاب الدین یکدم ہی بیوی پر برس پڑے۔ ''تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا''

میں اسی وقت اس نامعقول کو گھر سے نکال دیتا۔ وہ غصے میں بھنائے ہوئے بولتے چلے جا رہے تھے۔ وہ اپنے تمام قانونی نکات بھول چکے تھے۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ یوسف کا گلا دبا دیں۔

نجمہ بیگم ان کی طبیعت سے واقف تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ شہاب الدین غصے کے تیز ہیں۔ انہوں نے جلدی سے خود اٹھ کر ایک گلاس شربت بنایا۔

''یہ لیجیے آپ اسے پی لیں طبیعت ذرا بہل جائے گی''۔

شہاب الدین غصے میں جلدی سے تمام شربت پی گئے۔ شربت کی ٹھنڈک اور فرحت نے ان کی طبیعت کی گرمی ذرا کم کی تو نجمہ بیگم دھیرے سے گویا ہوئیں۔

''اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ ہم نے کون سا نغمہ کا نکاح کر دیا ہے۔ یہ تو ابھی صرف ہمارے ذہنوں تک ہی محدود بات تھی۔ اور ہم نے تو ابھی نغمہ سے بھی اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ اور پھر تھوڑی دیر توقف کے بعد وہ بولیں۔

''میں نے تو پہلے ہی دن سے اندازہ لگا لیا تھا۔ کہ نغمہ یوسف سے کتراتی تھی۔ جہاں وہ ہوتا ہے وہاں جاتی بھی نہیں تھی''۔

شہاب الدین کا غصہ کسی حد تک کم ہو گیا تھا۔ وہ ذرا دھیمی آواز میں بولے۔

''خیر جو کچھ بھی ہوا۔ میں اب اس کا یہاں رہنا پسند نہیں کرتا۔ آج ہی اسے یہاں سے رخصت کر دینا چاہتا ہوں''۔

''نہیں جلد بازی سے کام نہ لیجیے'' نجمہ بیگم نے انہیں سمجھایا ''ادھر ادھر کے لوگوں کو پتا چلے گا تو ہماری بدنامی ہو گی اور ویسے بھی وہ جب آئے گا نشہ میں ہو

گا''۔

بیگم کی بات شہاب الدین کے ذہن میں بیٹھ چکی تھی۔

''اچھا میں صبح اس سے بات کروں گا'' اور وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

شہاب الدین تمام رات اپنے کمرے میں جاگتے رہے۔ غم اور غصے نے انہیں پاگل بنا دیا تھا۔ اور رات تقریباً ایک بجے جب یوسف آیا تو وہ نشے میں دھت تھا۔ ان کے جی میں آیا کہ ابھی جا کر اس کا گلا دبا دیں۔ لیکن وہ اپنے غصے کو دبائے رہے۔

صبح ناشتہ یوسف نے اپنے کمرے ہی میں کیا۔ تمام رات جاگنے کی وجہ سے شہاب الدین اور بھی چڑچڑے ہو گئے تھے۔ انہوں نے ناشتہ میں صرف ایک کپ دودھ کا پیا۔ اور غفور سے کہا۔

''جاؤ ذرا یوسف کو میرے پاس بھیج دو۔ میں اپنی لائبریری میں جا رہا ہوں'' وہ آج کچہری بھی نہ جانا چاہتے تھے۔

نجمہ بیگم نے چلتے چلتے پھر ان سے کہا۔

اس سے زیادہ غصے سے بات نہ کرنا۔ خواہ مخواہ وہ آگے سے کچھ اور نہ بک دے''۔

لیکن شہاب الدین نے بیگم کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ لائبریری میں چلے آئے۔

یوسف لائبریری میں آیا۔ اور بغیر سلام کیے ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''جی فرمائیے کس طرح یاد فرمایا''۔

غصے کے عالم میں ٹہلتے ٹہلتے شہاب الدین یک دم رک گئے۔ ان کے جی میں آئی کہ قریبی بک ریک پر رکھا ہوا گلدان اٹھا کر اس کے سر پر دے ماریں۔ لیکن انہوں نے اپنے غصے پر قابو پر لیا اور بڑے تحمل سے کہا۔

''یوسف صاحب مسرور میاں نے جس خیال کے تحت آپ کو یہاں بھیجا تھا۔ مجھے افسوس ہے میں ان کی مرضی پوری نہ کر سکوں گا''۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟'' یوسف نے بڑی ڈھٹائی سے شہاب الدین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''مطلب مطلب'' شہاب الدین اس کے اس تمسخرانہ انداز پر جھلا اٹھے۔

اور تمام شرافت بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ زور سے چلائے۔

''تم ابھی اور اسی وقت اس گھر سے نکل جاؤ''۔

یوسف نے ایک بلند قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''ڈیئر انکل میں تو خود آج یہاں سے جانے والا تھا۔ اور اگر آپ آج نہ بھی مجھے بلاتے تو بھی میں خود ہی قدم بوسی کے لیے ضرور حاضر ہوتا''۔ اس کا لہجہ لحظہ بہ لحظہ طنزیہ ہوتا جا رہا تھا۔

''آپ کو اپنی صاحبزادی پر بڑا ناز ہے نا۔ اور مسرور صاحب نے بھی مجھے

بڑے سبز باغ دکھا کر یہاں بھیجا تھا۔ لیجیے اپنی دختر نیک اختر کی عشق کی داستان ''یوسف نے خط نکال کر ان کے سامنے میز پر پھینک دیا۔ اور خود کمرے سے نکل گیا۔

شہاب الدین وہ خط پڑھ کر اور بھی اپنے حواس کھو بیٹھے۔ پاگلوں کی طرح وہ نجمہ بیگم کے کمرے کی طرف دوڑے۔ نجمہ بیگم برآمدے ہی میں مل گئیں۔ وہ انہیں لے کر پھر لائبریری میں آ گئے۔

''یہ دیکھو ذرا'' انہوں نے غصے سے کانپتے ہوئے پرچہ نجمہ بیگم کے ہاتھ میں تھما دیا۔

نجمہ بیگم نے جلدی جلدی عبارت پڑھ ڈالی۔ اور بڑے اطمینان سے بولیں ''ٹھیک ہے اس میں اپنے یوں اوساں خطا کرنے کی کیا بات ہے؟''

شہاب الدین نے تیوری چڑھا کر بیوی کی طرف دیکھا منہ سے کچھ نہ بولے

۔

نجمہ بیگم نے بڑے تحمل سے کہا۔

''آپ تو نہ جانے باہر مقدمے سلجھاتے کیسے ہیں۔ یہ نغمہ کی تحریر تو ہے نہیں۔ جو آپ اتنے پریشان ہو گئے ہیں۔ کسی نے نغمہ کو خط لکھا ہے۔ اور اگر اب میں آپ سے یہ سوال کروں کہ یہ خط یوسف نے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے خود ہی لکھ کر جیب میں رکھ لیا ہو اور اب آپ کو دے کر چلتا بنا ہو تو اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے''۔

شہاب الدین ٹہلتے ٹہلتے رک گئے اور بڑی محبت پاش نظروں سے بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''بیگم تم نے بڑا لاجواب عقدہ حل کیا ہے۔واللہ میں تمہارے دماغ کی داد دیتا ہوں''

پھر کچھ سوچتے ہوئے بولے ''لیکن اگر یہ سب کچھ ٹھیک ہوا تو؟''

''تو بھی آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں'' نجمہ بیگم نے جلدی سے کہا۔

''میں اس کی سہیلی نگار سے حالات معلوم کرنے کی کوشش کروں گی۔ یہ مصیبت تو اب چلی ہی جائے گی۔اس گتھی کو بھی کسی نہ کسی طرح سلجھا ہی لیں گے''۔

بیوی کے باتوں سے شہاب الدین کی طبیعت کو کچھ سکون مل گیا تھا۔وہ تیار ہو کر کچہری چلے گئے۔ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی یوسف بھی اپنا سامان لے کر چلا گیا۔وہ نجمہ بیگم کو سلام کرنے بھی نہ آیا تھا۔کار کی چابی غفورے کے ہاتھ بھیج دی تھی۔

نغمہ کی دو دن کی اچانک غیر حاضری نے کالج کی تمام چنڈال چوکڑی پریشان تھی۔

وہ کالج کینٹین میں بیٹھی قیاس آرائیاں کر رہی تھیں نگار نے سب کو تسلی دی۔

''میں آج شام کالج سے واپسی پر نغمہ کے گھر سے ہوتی ہوئی جاؤں گی''

عنبر نے کہا۔

''میں بھی ساتھ چلوں گی شاید بے چاری سچ مچ بیمار ہی نہ ہو''۔

''نہیں بھئی آج میں اکیلی ہی خبر لے آتی ہوں اگر واقعی وہ بے چاری بیمار ہوئی تو پھر کل سب چلیں گے''۔ نگار نہ چاہتی تھی کہ پوری چنڈال چوکڑی ساتھ چلے۔ اس طرح وہ اور نغمہ کھل کر بات بھی نہ کر سکتی تھیں۔

شام کو وہ شہاب منزل جا پہنچی۔ لان ہی میں نجمہ بیگم مل گئیں۔ وہ مولسری کے درخت کے نیچے کرسی بچھائے بیٹھی تھیں۔

''آداب خالہ جان'' نگار نے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔

''جیتی رہو بیٹی'' نجمہ بیگم نگار کے آجانے سے بہت خوش ہوئیں۔ وہ تو اسے بلانے کے لیے صبح سے جانے کتنے ہی منصوبے تیار کر چکی تھیں۔

''نغمہ کہاں ہیں خالہ جان'' نگار جلد از جلد نغمہ کے پاس پہنچنا چاہتی تھی۔

''وہ تو بیٹی ریحانہ کی شادی میں شرکت کرنے گئی ہوئی ہے۔ اچانک ہی سب طے پا گیا تھا آج منگل ہے اس جمعہ کو شادی ہو گی۔ وہ تو بیچاری ہفتہ کی شام کو کالج سے آتے ہی وہاں چلی گئی تھی''۔

''اچھا'' نگار نے اطمینان کا سانس لیا۔ میں تو سمجھی تھی خدانخواستہ کہیں طبیعت ناساز ہو گئی ہے''۔

برآمدے سے غفورے کو جاتے دیکھ کر نجمہ بیگم نے آواز دی۔

''غفور شربت تیار کر کے میرے کمرے میں لے آؤ'' اور پھر نگار سے کہا آؤ بیٹی کمرے میں چلیں۔ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں اور نگار حیران

پریشان نجمہ بیگم کے ساتھ ان کے کمرے میں چلی آئی۔

''بیٹھو بیٹی'' انہوں نے نگار کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں ابھی آئی'' وہ سائیڈ روم میں چلی گئیں۔ اور وہ اپنی جگہ حیران بیٹھی نجمہ بیگم کی ضروری بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ واپس آ کر دیوان پر گاؤ تکیہ کے سہارے بیٹھتے ہوئے انہوں نے نگار سے کہا۔

''بیٹی نگار تم سے بڑی ہی ضروری بات کرنا چاہتی ہوں امید ہے تم مجھے اپنے علم کے مطابق صحیح جواب دو گی''۔

نجمہ بیگم کے اس طرح گفتگو کرنے سے نگار سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''خیریت تو ہے خالہ جان'' اس کی آواز میں لرزش تھی۔

''تم اطمینان رکھو بیٹی کوئی گھبرانے کی بات نہیں'' نگار بڑی الجھن میں ایک پہلو بیٹھی ٹکٹکی لگائے نجمہ بیگم کی طرف دیکھ رہی تھی اس کا ذہن نجمہ بیگم کی ضروری بات تک پہنچنے کی تگ و دو میں مصروف تھا۔

''نگار بیٹی تمہاری اور نغمہ کی بڑی گہری دوستی ہے اور میرا خیال ہے کہ تم ہمراز بھی ہو گی۔ کیا تم جانتی ہو نغمہ کسی ندیم نامی لڑکے کو جانتی ہے؟''

نغمہ جو باتیں بنانے میں ماہر تھی اس وقت اس کی بھی سٹی گم ہو گئی تھی۔ وہ بالکل سکتہ کے عالم میں بیٹھی تھی۔ نجمہ بیگم اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ نجمہ بیگم نے نگار کے رنگ بدلتے چہرے سے اس کی اندرونی کیفیات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ معاملہ نازک ہے تب ہی نگار یوں گم صم ہو گئی ہے۔ انہوں نے یکدم دوسرا

وار کیا۔

مٹھی میں پکڑا ہوا وہی رقعہ اسے دیتے ہوئے بولیں۔

''ذرا اسے پڑھنا تو''۔

نگار نے رقعہ لے لیا یہ ندیم کا لکھا ہوا وہی پرچہ تھا جو اس نے کالج کے چوکیدار کے ہاتھ بھجوایا تھا۔

''یہ..... یہ..... نگار ہکلا گئی۔ یہ آپ کو کہاں سے ملا ہے؟''

نجمہ بیگم نے مسکراتے ہوئے بڑی شفقت سے کہا۔

''تم پریشان نہ ہو صرف جو کچھ میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دو''۔

غفورا شربت لے کر آ گیا تھا نجمہ بیگم نے ایک گلاس شربت اس کی طرف بڑھاتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

اگر یہ سب ٹھیک ہے تو مجھے بتاؤ اور کیا واقعی نغمہ بھی ندیم کو پسند کرتی ہے''۔

نگار نے شربت کا گلاس لے لیا تھوڑا سا شربت پی لینے کے بعد اس کی طبیعت ذرا بحال ہو گئی تھی۔ نجمہ بیگم خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''خالہ جان'' نگار نے دھیرے سے کہا ''یہ سچ ہے کہ یہ خط ندیم ہی نے نغمہ کو لکھا ہے۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے ندیم میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک شریف خاندان کے لڑکے میں ہونی چاہئیں۔ نغمہ ندیم کو پسند ضرور کرتی ہے لیکن اس نے ندیم کے اس خط کا کوئی تحریری جواب نہیں دیا۔

نجمہ بیگم نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور مزید کھوج لگانے کی خاطر پوچھا۔

''کیا تم جانتی ہو.....وہ کس کا لڑکا ہے؟''

''نہیں خالہ جان یہ تو مجھے معلوم نہیں ویسے میں نے ندیم کو دیکھا ہے'' نگار نے شربت کا گلاس خالی کر کے ٹیبل پر رکھتے ہوئے جواب دیا ''وہ نہایت ہی شریف اور نیک سیرت لڑکا ہے'' اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا خالہ جان اب اجازت دیجیے۔ ڈیڈی میرا انتظار کر رہے ہوں گے''۔

''جیتی رہو بیٹی'' نجمہ بیگم دعائیں دیتی ہوئی اسے پورچ تک رخصت کرنے آئیں۔ اس کے جانے کے وہ تھوڑی دیر تک اس کے بارے میں سوچتی رہیں۔

بیچاری ماں کی محبت سے بچپن ہی سے محروم ہو گئی ہے۔ اور نواب زادہ صفدر جنگ نے بچی کی خاطر دوسری شادی نہ کی۔ اور اپنی تمام عمر بچی کی خوشی میں گنوا دی کہ کہیں سوتیلی ماں بچی کو تکلیف نہ دے۔ وہ بڑی دیر تک نگار کے بارے میں سوچتی لان میں ٹہلتی رہیں۔ اور پھر ندیم اور نغمہ کے خیال نے ان کے ذہن میں گردش شروع کر دی وہ فی الحال شہاب الدین سے اس گفتگو کے بارے میں کچھ نہ کہنا چاہتی تھیں۔

بیگم ادریس عالم ریحانہ کی شادی بڑے شاندار طریقے سے کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ ان کی بیٹی نولکھا والوں کے ہاں بیاہی جا رہی تھی۔ وہ کسی صورت میں بھی ان سے کم خرچ نہ کرنا چاہتی تھیں۔ جہاں ایک روپیہ کا خرچ تھا۔ وہاں دس روپے خرچ کیے گئے۔ جہیز میں گھر کی چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی دینا چاہتی تھیں۔ لیکن طفیل کو ڈائنامائٹ کی ٹریننگ کے لیے سویڈن جانے کے پروگرام نے ان

کے تمام پروگرام پر پانی پھیر دیا۔ وہ ریحانہ کو بھی اپنے ساتھ ہی لے جانا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے بھابھی سے کہہ کر جہیز میں سے فرنیچر اور دوسری غیر ضروری اشیاء نکلوا دی تھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ جب سویڈن سے واپس آئیں۔ تب نئے مکان میں جدید طرز کا فرنیچر وغیرہ بنوالیا جائے گا۔ اور یہی کچھ انہوں نے زیورات اور ملبوسات کے لیے کہلوا دیا تھا۔ وہ نہ چاہتے تھے کہ اتنا بہت سا بوجھ سر پر لادے پھریں۔

ان کی اس ضد نے جہاں بیگم ادریس عالم کو بہت سی دردسری سے بچالیا تھا وہاں انہوں نے دل میں سوچ لیا تھا کہ وہ تمام ان چیزوں کی کسر کھانے میں نکال دیں گی۔

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کھانے کا بہت ہی عمدہ انتظام کروایا تھا۔ پاک لکشری ہوٹل کو کھانے کا آرڈر بک کروایا تھا۔ ان کے کارندے صبح ہی سے پہنچ کر انتظام میں مصروف ہو گئے تھے۔ ضروری ہدایات انہیں فیاض اور ندیم دے رہے تھے۔

برات کے آجانے کے بعد تو فیاض اور ندیم کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھ گئی تھیں۔ ان کا ایک قدم ابھی اس شامیانے میں ہوتا تو دوسرا قدم عورتوں کے شامیانے کی طرف۔ ہر طرف ایک ہنگامہ سا برپا رہتا تھا۔ اور اس ہنگامہ میں ندیم نے بے انتہا کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح نغمہ کو دیکھ لیں لیکن یہ امید بر نہ آئی۔ نغمہ ریحانہ کی باتیں سننے کے بعد سے ابھی تک نہ سنبھلی تھی۔ اور وہ نگار سے مشورہ کر لینے سے پہلے اب ندیم سے سامنا نہ کرنا چاہتی تھی۔

کسی براتی نے سگریٹ مانگی تو ندیم کو خیال آیا کہ سگریٹ ابھی تک پیش نہیں کی گئی۔ وہ فوراً اندر ڈرائنگ روم کی طرف لپکا۔ ڈرائنگ روم سے سگرٹوں کے پیکٹ لے کر وہ چلنے ہی والا تھا کہ نغمہ کسی کام سے ادھر آ نکلی۔

''نغمی'' ندیم کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا ''میں تمہیں دو دن سے تلاش کرتے کرتے تھک گیا'' وہ ٹشو کی آسمانی ساڑھی میں بہت ہی بھلی دکھائی دے رہی تھی۔

''آپ.....'' وہ ہکلا گئی۔

''اگر ناگوار خاطر گزر رہے تو میں چلا جاتا ہوں''۔ ندیم نے اس کے چہرے کا رنگ زرد ہوتے دیکھ کر کہا۔

اور نغمہ جواب دیے بغیر ہی الٹے قدموں لوٹ گئی۔ اور ندیم بڑی دیر تک اس پردے کو تکتا رہا جس نے کائنات کی ساری رعنائی نگل لی تھی۔ وہ نغمہ کی اس بے اعتنائی کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ وہ گردن جھکائے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے شامیانے میں لوٹ آیا۔ اور سگریٹ ایک بیرے کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے بڑے دھیمے لہجہ میں کہا۔

''یہ مہمانوں میں تقسیم کر دو''۔

''جی اچھا صاحب'' بیرا مستعدی سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

شہاب الدین آ کر بیٹھے ہی تھے کہ وہ ندیم کو دیکھ کر چونک گئے۔ یوسف کی مشابہت پر وہ پہلی ہی نظر میں بالکل یوسف دکھائی دیا۔ لیکن بعد میں چہرے کی

رنگت اور قد پر نظر دوڑائی تو انہیں یقین آیا کہ کوئی اور شخصیت ہیں۔

انہوں نے ادریس عالم سے جو ان کے قریب ہی بیٹھے تھے پوچھ لیا۔ادریس میاں یہ صاحبزادے کون ہیں؟ ندیم اس وقت فیاض کے برابر ہی صوفے پر بہت اداس بیٹھا اور خاموش بیٹھے تھے۔وہ تیزی پھرتی جو تھوڑی دیر پہلے ان میں تھی اب اس کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔فیاض نے یوں ندیم کو خاموش دیکھ کر پوچھا ''کیا بات ہے ندیم یہ تمہارا چہرہ یکدم ہی کیوں بدل گیا ہے۔ابھی تو تم بڑے خوش وخرم اندر گئے تھے۔اور اب آتے ہی منہ لٹکا کر بیٹھ گئے ہو''۔

لیکن ندیم نے اس کی بات کا جواب نہ دیا۔وہ اسی طرح خاموش بیٹھا خلاؤں میں گھور رہا تھا.....

''وہ جو فیاض کے برابر بیٹھے ہیں'' ادریس عالم نے وضاحت چاہی۔

''جی ہاں جی ہاں'' شہاب الدین نے وضاحت کی۔

''وہ میری بہو کا بھائی ہے'' ادریس عالم نے رشتہ بتایا۔

''لیکن یہ تو بتایئے آپ کی بہو کس کی لڑکی ہے''۔شہاب الدین جو اتہ پتہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔

''سراج الدین صاحب کی سب سے چھوٹی لڑکی''۔

''کیا کہا؟'' شہاب الدین صاحب حیرت زدہ رہ گئے۔لیکن میں نے سنا ہے کہ سراج الدین صاحب کی تو کوئی اولاد نرینہ نہیں''۔

''جی ہاں یہ سچ ہے یہ ان کا اپنا لڑکا نہیں ان کی بہن کا لڑکا ہے جسے وہ اپنا ہی

بچہ تصور کرتے ہیں'' ادریس عالم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اچھا اب سمجھا شہاب الدین نے ایک لمبا سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔ ان کے والد کہاں بیٹھے ہیں؟

وہ تو مدت سے لاپتہ ہیں۔ ادریس عالم نے دھیرے سے جواب دیا۔ شاید شادی کے دوسرے تیسرے دن ہی سے''۔

''کیا مطلب؟'' شہاب الدین چونک اٹھے ''ادریس میاں کیوں مجھ سے مذاق کرتے ہو'' شہاب الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں قبلہ میں آپ کو بالکل صحیح معلومات فراہم کر رہا ہوں۔ آپ ٹھہرے پورے وکیل قبلہ آپ سے اس قسم کا مذاق کر کے میں بھلا اس شہر میں رہ سکتا ہوں''۔

شہاب الدین بڑے زور سے قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

''خوب ادریس میاں خوب باتیں کرنے میں بھی آپ جواب نہیں رکھتے۔ وہی پرانے دم خم ہیں۔ واللہ مان گئے'' پھر کچھ سوچتے ہوئے شہاب الدین نے پوچھا۔

''کیا یہ لوگ لکھنوی کے رہنے والے ہیں ان کے والد کا کیا نام ہے؟

''ان کے والد کا نام صادق کمال ہے'' ادریس عالم نے جواب دیا۔

''ارے'' شہاب الدین چونک پڑے ''یہ وہی لڑکا ہے جس کی بات مشہور ہے'' اور انہوں نے دانستہ اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

ادریس عالم سمجھ گئے تھے کہ شہاب الدین کیا کہنا چاہتے تھے۔انہوں نے ذرا دیر کے توقف کے بعد خود ہی کہا۔

قبلہ یہ درست ہے کہ ندیم صادق کے جانے کے بعد پیدا ہوئے ہیں لیکن ہیں تو ان ہی کی اولاد وہ تھوڑی دیر کے لیے رکے پھر بات آگے بڑھائی آپ کو معلوم نہیں شاید صادق کمال ایک عیسائی ڈانسر پر فریفتہ تھے۔ ان کے والد معراج الدین کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔ کس خاندانی وقار اور دبدبہ کے مالک تھے۔انہوں نے جب لڑکے کے یہ لچھن دیکھے تو فوراً صفیہ بہن سے شادی کر دی لیکن ادریس عالم یوں خلاؤں میں گھورنے لگے جیسے گزرے لمحات ان کے سامنے ہنڈولے کی کی طرح گھومتے چلے جا رہے ہیں۔ اور وہ انہیں دیکھ دیکھ کر اپنی یادداشت مکمل کر رہے ہیں لیکن وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولے انہیں کیا معلوم تھا کہ صادق کمال بھی اپنی ہٹ اور ضد کے پکے ہیں۔شادی کے تیسرے دن ہی وہ صفیہ بہن کو چھوڑ کر اس ڈانسر کے ساتھ کہیں چلے گئے۔اور بیچاری صفیہ بہن کو دنیا جہاں کی باتیں سننے کے لیے چھوڑ گئے پہلے تو انہیں گھر والوں نے جانے سبز قدمی اور منحوس بتایا وہی لوگ جو انہیں بڑے چاؤ سے بیاہ کر لائے تھے لیکن صفیہ بیچاری ان تمام باتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتی رہیں۔وہ آج بھی اسی امید پر جی رہی ہیں۔کہ شاید صادق کمال لوٹ آئیں۔تو وہ سرخرو ہو جائیں۔اب ادریس عالم آبدیدہ ہو گئے۔شہاب بھائی آپ تو جانتے ہی ہیں۔لوگوں کو بات کا بتنگڑ بنانے کا موقع ملنا چاہیے۔لیکن میں دعوے سے کہتا ہوں کہ صفیہ بہن جیسی پارسا اور نیک

سیرت عورت اگر کوئی چراغ لے کر بھی ڈھونڈے تو نہیں مل سکتی مجھے آج سے تقریباً پچیس سال پہلے کسی نے بتایا تھا۔ کہ صادق کمال ڈانسر کے ساتھ کالی کٹ کی بندرگاہ سے ایک بحری جہاز میں سوار ہو رہے تھے لیکن اس کے بعد اب تک کوئی اطلاع نہ مل سکی۔ ادریس عالم نے ایک آہ بھری" جانے اب وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں"۔

شہاب الدین کو اپنا بچپن یاد آ گیا۔ صادق کمال ان کے بھی دوست تھے۔ وہ دونوں ایک ہی جماعت میں پڑھتے تھے۔ صادق کمال بلا کے ذہین تھے۔ طبیعت میں شروع ہی سے لاابالی پن تھا جہاں کوئی اچھی چیز دیکھی تعریف کر دی۔ قدرت کی صناعی کے تو وہ بچپن ہی سے دلدادہ تھے۔ جوانی میں تو یہ جذبہ عروج تک جا پہنچا تھا۔

شہاب الدین لکھنو یونیورسٹی میں داخل ہو گئے تھے۔ لیکن صادق کمال نے داخلہ علی گڑھ یونیورسٹی میں لے لیا تھا۔ اور اس کے بعد سے جو وہ بچھڑے تو پھر اب تک نہ ملے تھے۔ شہاب الدین بھی آبدیدہ ہو گئے تھے۔

وہ ندیم کو بلا کر باتیں کرنا چاہتے تھے۔ کہ نکاح کی رسم کے لیے انہیں متوجہ ہونا پڑا۔ اور نکاح کے فوراً بعد ہی کھانے کا بلاوا آ گیا۔ سب لوگ کھانے کے لیے دوسرے شامیانے کی طرف چل دیے۔ ندیم نے موقع غنیمت جانا وہ اس گہما گہمی میں کہیں دور چلا جانا چاہتا تھا۔ وہ نغمہ کی بے اعتنائی سے ابھی تک سنبھل نہ سکا تھا۔ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔

فیاض اور قیوم باراتیوں کے ہمراہ کھانے والے شامیانے میں جا رہے تھے۔ندیم خاموشی سے اپنی پیکارڈ لے کر باہر نکل آیا۔وہ اس وقت کسی خاموش جگہ پر بیٹھ کر آرام کرنا چاہتا تھا۔اس نے گاڑی ڈریم لینڈ کے سامنے لا کھڑی کی۔

یہی وہ جگہ تھی جہاں وہ گھنٹوں بیٹھ کر اپنے تھکے ہوئے دماغ کو آسودگی پہنچاتا تھا۔ڈریم لینڈ کا مینجر راسد اس کا اچھا خاصا شناسا بن گیا تھا۔حتیٰ کہ پرانے بیرے بھی اس کے عادات واطوار اچھی طرح جان گئے تھے۔اس کے اندر داخل ہوتے ہی ارشد کاؤنٹر پر جھک گیا۔

''ندیم صاحب آپ کے لیے ایک پیغام ہے'' اور ندیم کے بڑھتے ہوئے قدم یکدم رک گئے وہ کاؤنٹر پر جھک آیا۔

''کل ایک صاحبزادی یہاں آئی تھیں۔آپ کا پوچھ کر چلی گئیں۔اور آج صبح سے کوئی تین مرتبہ فون کر چکی ہیں۔انہوں نے نام بتایا تھا کہ ندیم صاحب گھر پر نہیں مل رہے ہیں اگر یہاں آجائیں تو ان سے کہنا کہ مجھے ٹیلی فون کر لیں۔میرا ٹیلی فون نمبر ان ہی کے پاس ہے'' اور ندیم کو یکدم خیال آ گیا نگار اسے ڈھونڈ رہی ہے۔کیونکہ نگار ہی کا ٹیلی فون نمبر اس کے پاس تھا۔

شکریہ ارشد صاحب'' ندیم نے مینجر کا مسکراتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔''میں دراصل دو چار دنوں سے ایک شادی کی تقریب میں مصروف تھا۔وہ حیران تھا کہ نگار کو ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے جو وہ اسے یوں تلاش کر رہی ہے۔اسنے جلدی سے نگار کو فون ڈائل کیا۔

''ہیلو'' دوسری طرف سے نگار ہی نے ٹیلی فون رسیو کیا تھا۔

''ہیلو میں ندیم بول رہا ہوں فرمائیے کس طرح یاد فرمایا ہے؟''

''آپ'' وہ جلدی سے بولی ''آپ اس وقت کہاں ہیں ندیم صاحب''۔

''ڈریم لینڈ میں''

''اوکے میں ابھی دس منٹ میں وہاں پہنچتی ہوں'' اور نگار نے جواب کا انتظار کیے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا.....

''خدایا خیر.....ندیم بڑبڑایا۔

ارشد نے اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے دیکھ کر پوچھا خیریت تو ہے ندیم صاحب آپ کچھ پریشان ہو گئے ہیں؟

''نہیں ایسی کوئی پریشانی کی بات نہیں''۔ندیم نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''میں آخری کیبن میں ہوں وہ ابھی تشریف لا رہی ہیں آپ انہیں اندر بھجوا دیجیے گا۔ندیم کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ نگار اس سے ملنے کے لیے کیوں اتنی پریشان ہے وہ انہی خیالوں میں الجھا بیٹھا تھا کہ نگار آ گئی.....

''اوگاڈ ندیم صاحب آج دوسرا دن ہے آپ کو تلاش کرتے کرتے میں پاگل ہو گئی ہوں۔اور آج تو میں اس لیے کالج بھی نہیں گئی۔

خیریت تو ہے مس نگار آپ تو بڑی پریشان دکھائی دے رہی ہیں ندیم اسکی پریشان صورت سے خود بھی بوکھلا گیا تھا۔

''بات تو معمولی سی ہے'' نگار نے کرسی پر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا ''لیکن کون

جانے اس کا انجام کیا ہوگا''۔

''ذرا وضاحت سے بتائیں'' ندیم نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

اور نگار نے نجمہ بیگم کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی ندیم سے کہہ سنائی۔

ندیم خاموش بیٹھا تھا۔

''اس میں یہ بات واضح نہیں ہو سکی'' نگار نے ندیم کو خاموش دیکھ کر خود ہی بات آگے بڑھائی ''کہ آپ والا خط خالہ جان تک کیسے پہنچا''۔

''میں بھی یہ سوچ رہا تھا'' ندیم نے چونکتے ہوئے کہا ''میرے خیال میں آپ ہی اس پر کچھ روشنی ڈال سکتی ہیں کیونکہ نغمہ آپ کی سہیلی ہیں اور اس کی عادات و خصائل کو آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔

''پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ دو دن سے کہاں غائب تھے۔ گھر اور ہوٹل ہر جبہ چکر لگائے اور ٹیلی فون کرتے کرتے تھک گئی ہوں''۔

''ارے ہاں یہ تو میں بتانا بھول ہی گیا۔ میں ایک شادی کی تقریب میں مصروف تھا اور نغمہ صاحبہ بھی وہیں ہیں پہلے دن جب وہ تشریف لائیں تو بڑی خندہ پیشانی سے ملیں تھیں'' ندیم نے یاد کرتے ہوئے کہا ''یہ اسی دن کا واقعہ ہے جس دن آپ دونوں مجھے یہاں ملی تھیں''۔

''اچھا'' نگار کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا ''ٹھیک تو کیا آپ بھی ریحانہ کی شادی میں گئے ہوئے تھے''؟

''ہاں'' ندیم نے نگار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''کیا آپ جانتی ہیں؟''

''مجھے نغمہ کی امی ہی سے پتہ چلا تھا'' میں اس واقعہ کو دو دن بعد گئی تھی تو خالہ جان نے مجھے وہ رقعہ دکھایا تھا''۔

''ٹھیک'' ندیم نے بڑے درد بھرے لہجے میں کہا ''ہاں تو میں بتا رہا تھا اس رات کے بعد پھر مجھے نغمہ صاحبہ کی شکل تک دکھائی نہ دی۔ اور آج بھی اگر وہ مجھ سے اتنی بے رخی اور بے اعتنائی سے پیش نہ آتیں تو شاید میں آپ کو آج بھی نہ مل پاتا''

''کیا مطلب کیسی بے رخی کیسی بے اعتنائی'' نگار نے حیرت سے ندیم کو تک رہی تھی۔

ندیم نے نغمہ سے صبح کی ملاقات مفصل طور پر نگار کو بتا دی۔

معاملہ کچھ سیریس ہوتا جا رہا ہے۔ نگار کچھ سوچتے ہوئے بولی ''اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نغمہ نے آپ والا رقعہ خالہ جان کو نہیں دیا۔ کیونکہ آپ کے بیان کے مطابق اس رات جب وہ ریحانہ کے ہاں پہنچی تو آپ سے بڑی خندہ پیشانی سے ملی تھی یہ کوئی تیسری شخصیت ہے جس نے یہ تمام بیج بویا ہے''۔

''کیا آپ کسی ایسی تیسری شخصیت کو جانتی ہیں''؟ ندیم اسی الجھاؤ سے پریشان ہو گیا تھا۔

''نہیں میں کسی ایسی تیسری شخصیت کو نہیں جانتی۔ نغمہ سے ملاقات ہو جائے تو کچھ نہ کچھ ضرور پتا چل جائے گا۔ ویسے آپ اب ذرا سنبھل کر قدم اٹھائیں۔ ایسا نہ ہو کوئی اندھیرے میں آپ پر وار کر دے''۔

''میں بہت ممنون ہوں آپ کا مس نگار'' ندیم نے بڑے دھیمے لہجے میں کہا۔

''آپ تو شرمندہ رک رہے ہیں ندیم صاحب'' نگار نے مسکراتے ہوئے کہا

''اس کا تو مطلب یہ ہے کہ آئندہ میں آپ کو بالکل ملا ہی نہ کروں'' ندیم نے نگاہیں اوپر اٹھائیں۔

''یہ حقیقت ہے مس نگار۔ کہ میں آپ کی یہ مخلصانہ دوستی ہمیشہ یاد رکھوں گا''۔

نگار نے مسکراتے ہوئے بات کا رخ پلٹ دیا۔

''یہ بتایئے شادی کی تقریب کب ختم ہو رہی ہے؟''

''بس آج رخصتی ہو جائے گی۔ اور میرا خیال ہے کہ نغمہ کل کالج آ جائے گی''۔

''اچھا ندیم صاحب'' نگار نے اٹھتے ہوئے کہا ''میری ذہنی پریشانی کافی حد تک دور ہو گئی ہے۔ اب میں مطمئن ہوں۔ آپ بھی ذرا احتیاط سے قدم اٹھائیں اور.....''

''ہم لوگ تو باتوں میں اتنے محو ہو گئے کہ چاء تک نہیں پی۔ کم از کم چاء تو پی لیں'' ندیم نے درمیان سے بات کاٹ ڈالی۔

''نہیں..... ندیم صاحب اب میں چلوں گی''۔

ندیم اسے رخصت کر کے خود بڑی دیر تک ڈریم لینڈ میں بیٹھا رہا۔ اس سلسلہ پر غور کرتا رہا لیکن وہ اس مسئلہ کا حل نہ تلاش کر سکا۔ اکتا کر وقت دیکھا تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ اسے ابھی ادریس منزل جانا تھا۔ وہ جلدی سے ہوٹل سے باہر نکل آیا۔

ادریس منزل سے ریحانہ کی رخصتی ہو چکی تھی۔ فیاض ندی کے چلے جانے سے

کافی پریشان تھا۔ اسے اس کی عدم موجودگی میں سارا کام سنبھالنا پڑا تھا اور حیران تھا کہ ندیم بن بتائے کہاں چلا گیا تھا۔ ندیم کی کار جیسے ہی گیٹ میں داخل ہوئی وہ شامیانے سے نکل کر اسکی طرف لپکا۔

''اماں کہاں چلے گئے تھے ندیم بھائی تلاش کرتے کرتے پریشان ہو گیا ہوں''

وہ دو تین کیاریاں پھلانگتا اس تک پہنچ گیا.....

''ویسے ہی یار فیاض اس شور وغل سے طبیعت گھبرا گئی تھی۔ یوں ہی ذرا باہر نکل گیا تھا'' ندیم نے بات بنائی۔

تقریباً تمام مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ قیوم اندر سے آ رہا تھا۔ وہ ندیم کو دیکھتے ہی چلایا۔

''ارے ندیم بھائی کہاں کھو گئے تھے آپ خالہ جان کئی مرتبہ چلنے کو کہہ گئی ہیں لیکن آپ کا کہیں پتہ ہی نہیں تھا میں تو اب تھانہ میں رپٹ درج کرانے چلا تھا''۔

''میں تو کہیں بھی نہیں گیا تھا'' ندیم نے مسکراتے ہوئے کہا ''ہاں اگر تمہیں تھانے جانے ہی کا شوق چرایا ہے تو ہو آؤ'' فیاض اور قیوم ہنس دیے۔

''وہ خالہ جان چلنے کے لیے بالکل تیار بیٹھی ہیں'' قیوم نے ہنستے ہوئے کہا ''کہو تو انہیں اطلاع دے دوں کہ آپ کے فرزند نور چشم آوارہ گردی کے بعد تشریف لے آئے ہیں''۔

''ہاں ہاں جاؤ کہہ دو'' ندیم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

نگار جس وقت گھر پہنچی۔ اس کے ڈیڈی اس کا انتظار کر رہے تھے اسے دیکھتے

ہی انہوں نے اسے اپنے پاس بلالیا۔

''بیٹی تمہاری آنٹی کی طبیعت سخت خراب ہے۔ ابھی ابھی مجھے ٹیلی فون سے اطلاع ملی ہے۔ میں نے تمہارے لیے سیٹ بک کروادی ہے پلین چھ بجے فلائی کرے گا تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں شاید پرسوں پہنچ سکوں''۔

اور وہ نغمہ سے ملنے کا تصور لے کر آئی تھی خاک میں مل گیا۔ اور اسے فوراً ہی عازم کراچی ہونا پڑا.....

www.Iqbalcyberlibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

باب ۱۰

ریحانہ کی شادی میں صفیہ بیگم نے نجمہ بیگم سے کافی راہ ورسم پیدا کر لی تھی نجمہ بیگم کے خلوص اور اخلاق نے صفیہ بیگم کو موہ لیا تھا۔ وہ ان کی گفتگو اور رکھ رکھاؤ سے کافی متاثر ہوئی تھیں۔ لیکن وہ پھر بھی اکیلے رشتہ لے کر جانا نہ چاہتی تھیں۔ ارجمند سے ابھی تک انہوں نے ذکر نہ کیا تھا۔ وہ دن بھر یہی سوچتی رہتی تھیں کہ اگر ارجمند بانو نے جانے سے انکار کر دیا تو کیا کریں گی۔ انہیں اس بات کا مکمل یقین تھا کہ ریحانہ کا رشتہ نہ لینے کی وجہ سے انہیں یقیناً افسوس ہوگا۔ اور اب اس حالت میں باہر رشتہ لے کر جانے میں بھی ان ہی کی مدد مانگنی انہیں عجیب سی لگتی تھی۔

لیکن پھر بھی انہوں نے ایک دن ارجمند کو بلوا کر اس سے ساری بات کہہ ہی دی۔

''پھوپھو آپ نے پہلے کیوں نہ بتایا تھا'' ارجمند نے بڑی مسرت سے کہا ''میں تو ندیم بھیا کی پسند پر داد دیتی ہوں۔ نغمہ تو لاکھوں میں ایک ہے آپ جب چاہیں میں آپ کے ساتھ چلی چلوں گی''۔

اور صفیہ بیگم جنہیں اس جواب کی کوئی امید نہ تھی خوشی سے کھل اٹھیں۔

''بیٹی میں تو چاہتی ہوں کہ جتنا جلد ہو سکے یہ کام ہو جائے اور میں اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں''۔

''اگر آپ کہیں تو کل چلے چلیں گے۔ کل جمعہ کا مبارک دن ہے کل صبح ہی آ جاؤں گی اور خالہ امی کو ساتھ لیتی آؤں گی''۔

''کیا وہ آ جائیں گی؟'' صفیہ بیگم نے بڑی حیرت سے پوچھا ان کے دل میں پھر ڈرا بھر آیا تھا۔

''کیوں بھلا اس میں نہ آنے کی کیا بات ہے'' ارجمند بانو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''بھلا اس خوشی کے موقعہ پر کون انکار کرے گا''۔

''نہیں میرا مطلب تھا کہ ریحانہ کے انکار کی وجہ سے شاید وہ ناراض ہوں۔ اور واقعی وہ ہوں گی بھی'' صفیہ بیگم نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا۔

''یہ صحیح ہے انہیں رنج ضرور ہوا ہے لیکن مجھے یقین ہے۔ وہ ندیم کی خوشی کو مد نظر رکھتے ہوئے کبھی انکار نہ کریں گی وہ ضرور اس کار خیر میں شریک ہوں گی۔ آپ مطمئن رہیں''۔ ارجمند کی باتوں سے صفیہ بیگم کو کافی حوصلہ مل گیا تھا۔ ارجمند بانو کل آنے کا وعدہ کر کے جا چکی تھیں۔ صفیہ بیگم نے تو بہتیرا انہیں کھانے کے لیے روکا لیکن وہ عجلت میں تھیں.....

اگلے دن صبح ہی نجمہ بیگم اور شہاب الدین ناشتہ سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے کہ نوکر ڈاک لے کر آ گیا۔ مسرور کا خط اپنے نام دیکھ کر شہاب الدین نے جلدی سے خط چاک کیا۔ اس خط کا یوسف کی موجودگی میں واقعی انتظار تھا۔ لیکن اب اتنی چاہت نہ رہی تھی۔ پھر انہوں نے سب سے پہلے اس خط کو کھول لیا تھا جوں جوں وہ خط پڑھتے جا رہے تھے ان کی بھویں تنتی جا رہی تھیں۔ خط پڑھنے کے بعد انہوں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے بیگم کی طرف بڑھا دیا۔

''لو پڑھ لو''۔

نجمہ بیگم جلدی جلدی خط کی تحریر پڑھنے لگیں

''قبلہ و کعبہ والد صاحب دام ظلام''

اسلام علیکم۔ آپ کا خط مجھے مدت ہوئی ملا تھا۔ چونکہ چند باتیں ان میں سے مجھے بھی معلوم تھیں اس لیے اس کی تفتیش کے لیے مجھے دو ہفتوں کے لیے پیرس جانا پڑا تھا۔ جہاں یوسف کمال صاحب کا آفس اور کاروباری مرکز ہے۔ وہ معلومات تو فراہم کر لی تھیں۔ لیکن اب میرا خیال ہے کہ ان معلومات کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ یہاں اتفاق سے گلاسکو جانے کے لیے ایک انڈر گراؤنڈ ریلوے اسٹیشن پر مجھے یوسف معہ اپنی کرسچین بیوی کے ساتھ مل گیا جسے وہ پاکستان سے بیاہ کر لایا تھا۔ اس نے مجھ سے ملاقات ی اور بڑی معنی خیز نظروں سے مسکراتا ہوا رخصت ہوا۔

میں اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ پوچھ سکا۔ اب آپ مجھے مکمل تحریر کریں کہ یہ کیا بات ہوئی۔ اور یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ میں یہاں خیریت سے ہوں نغمہ کو دعائیں امی کی خدمت میں سلام عرض کر دیجیے گا۔

فقط مسرور شہاب

نجمہ بیگم نے خط میاں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ تو وہی بات ہوئی۔ اس کی ماں بھی کرسچین تھی اور وہ بھی کرسچین ہی بیاہ کر لے گیا''۔

''چلو خدا کا شکر ہے اس کے گن جلد ہی کھل گئے۔ ورنہ ساری عمر کا پچھتاوا

رہتا''۔

شہاب الدین نے اطمینان سے سگار سلگاتے ہوئے جواب دیا۔

''اگر مسرور میاں اس کا حسب نسب بھی لکھ دیتے تو اچھا ہی تھا۔ نجمہ بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کیا ضرورت تھی اب اس کی؟'' شہاب الدین نے بھویں چڑھا کر نجمہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

نجمہ بیگم خاموش رہیں.....

شہاب الدین ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

ہمیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ہمیں ایک بڑی مصیبت سے نجات مل گئی''

شہاب الدین اٹھ کھڑے ہوئے۔

میں شاید آج کچہری سے ذرا دیر سے واپس آؤں گا۔ وہ اپنا بلیٹ کوٹ کاندھے پر ڈالتے ہوئے بیگم کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی باہر چلے گئے۔

نغمہ نگار کی غیر حاضری سے بڑی پریشان تھی۔ اور یہی حال باقی چنڈال چوکڑی کا تھا۔ نغمہ کو نگار کے ڈیڈی نے ٹیلی فون پر اطلاع دی تھی کہ وہ کراچی گئی ہے۔ اور جلد ہی لوٹ آئے گی۔ لیکن آج اسے گئے ہوئے آٹھواں روز تھا۔ اور نغمہ جو ریحانہ کی گفتگو کے بعد سے اپنے سینے میں ایک درد چھپائے بیٹھی تھی۔ کسی کے سامنے اگل دینے کے لیے بے قرار تھی۔ اسے اپنی کومل آرزوؤں اور تمناؤں کا اتنا بھیانک انجام کسی صورت میں بھی پسند تھا۔ اسے ندیم کا وہ رقعہ بھی واپسی پر اپنے

کمرے میں نہ ملا تھا۔ وہ اپنے آپکو سماج کے اندھے قانون کا مجرم سمجھنے لگی تھی۔ جس کے جواز میں وہ کچھ بھی نہ کہہ سکتی تھی۔ وہ ان دنوں بہت ہی زیادہ پریشان تھی۔ وہ اپنی امی اور ابو کے سامنے آنے سے کترانے لگی تھی۔ اسے اپنے ہی سایے سے خوف آنے لگا تھا۔ اور اس کا دل اندر ہی اندر سے بیٹھتا رہتا تھا۔ کالج میں تو آ کر اس کی طبیعت ذرا دیر کو بہل جاتی تھی۔ لیکن گھر جاتے ہی اس پر ایک عجیب سی وحشت سوار ہو جاتی۔

وہ آج بھی بڑی بد دلی سے کالج پہنچی ہی تھی کہ سامنے سے نگار کی فیٹ آتے دیکھ کر وہ خوشی سے کھل گئی۔ نگار نے بالکل اس کے قریب لا کر کار کھڑی کر دی۔ اور دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

''میم صاحبہ اندر تشریف لے آیئے آپ سے بڑی ضروری باتیں کرنی ہیں''
اس کے چہرے پر ویسی ہی شوخی تھی۔

تمہاری آنٹی تو ٹھیک ہیں ناں نغمہ نے باہر کھڑے کھڑے ہی پوچھا۔

''تم کار میں بیٹھ جاؤ پھر سب کچھ پوچھ لینا۔ کالج سے نکل چلتے ہیں ورنہ چنڈال چوکڑی تمام دن سر کھا جائے گی۔ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں''۔

اور نغمہ جو خود سینے پر ایک بوجھ سا لیے پھر رہی تھی۔ کتابیں پچھلی سیٹ پر پھینک کر اگلی سیٹ میں دھنس گئی۔ نگار کالج کے دوسرے گیٹ سے کار نکال ہی رہی تھی کہ نرگس کی کار سامنے سے آ گئی۔

''ارے کہاں تم کب آئیں'' اس نے کار روک دی فوراً ہی اوپر تلے سوال کر

ڈالے۔

''ابھی آتے ہیں میں سب کچھ بتا دوں گی'' نگار نے کھڑکی سے سر نکال کر جواب دیا اور گاڑی کی سپیڈ تیز کر دی۔

''یہ مجھے کہاں اغواء کر کے لیے جا رہی ہو''۔ نغمہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا ''نہ سلام نہ کلام نہ حال نہ احوال تم نے تو آج حد ہی کر دی''۔

تمہیں آج صبح ہی صبح ڈریم لینڈ کی سیر کرانے کا ارادہ ہے۔ وہاں سے ناشتہ کریں گے میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ اب تم چپ کر کے بیٹھ جاؤ''۔

''تم اپنی آنٹی کی خیر خیریت تو بتاؤ؟'' نغمہ نے پوچھا۔

وہ ٹھیک ہیں میرا خیال ہے وہ کل یا پرسوں لنڈن علاج کے لیے چلی جائیں گی۔

''کیا ہو گیا تھا انہیں.....'' نغمہ نے پھر سوال کیا۔

''لفٹ لیگ پر فالج گرا ہے لیکن اثر جلدی جاتا رہا۔ پاؤں میں تھوڑا سا فرق ہو گیا ہے جس کے لیے وہ انگلینڈ جا رہی ہیں''۔

ڈری لینڈ آ گیا تھا وہ اسے لیے ہال میں داخل ہوئی۔ تو منیجر ارشد نے بڑے تپاک سے اسے سلام کیا۔ اور نگار شان بے نیازی سے جواب دیتی ہوئی کیبن کی طرف بڑھ گئی۔

مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تم اس ہوٹل میں بہت آنے لگی ہو۔ یہ منیجر سے تمہاری صاحب سلام کب سے ہو گی نغمہ نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ سب تمہارے ندیم صاحب کے عشق کے چکر ہیں جنہوں نے ہمیں بھی اس مقام پر لا پہنچایا'' نگار نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

بیرا کے آجانے سے نغمہ کے ہونٹوں پر آئے الفاظ رک گئے۔

نگار نے دو بریک فاسٹ لانے کا آرڈر دیا۔

''نہیں میرے لیے نہ منگواؤ۔ میں ناشتہ کر کے آرہی ہوں'' نغمہ نے ٹوکا۔

''اور کر لینا جاؤ بیرا تم لے کر آؤ'' وہ مودبانہ کمرے سے نکل گیا تھوڑی ہی دیر میں بیرا سامان کے کر آ گیا۔ اور ٹیبل پر رکھ کر الٹے قدموں لوٹ گیا۔

''ہاں نغمہ'' نگار نے ایک سینڈوچ اٹھاتے ہوئے کہا ''اب بتاؤ تمہارے یہ دن کیسے گزرے؟''

نغمہ نے نگار کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے جواب دیا ''دن گو گزر ہی گئے تم مجھے پہلے وہ ضروری باتیں تو بتاؤ جن کے لیے تم مجھے یہاں بھگا کر لائی ہو''۔

''وہ بھی بتاتی ہوں نگار نے سلائس پر جام لگا کر کھاتے ہوئے کہا ''میں ذرا اپنی آنتیں تو گرم کر لوں تم بھی تو کھاؤ'' اور نغمہ ایک سینڈوچ اٹھا کر دھیرے دھیرے کھانے لگی۔

''ہاں'' نگار نے ایک لمبی سانس چھوڑتے ہوئے کہا ''اب تم یہ بتاؤ وہ ندیم والا رقعہ آنٹی تک کیسے پہنچا''۔

کیا نغمہ چونک اٹھی۔ چاء بناتے ہوئے ہاتھ یکدم رک گئے۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟

نغمہ کو نگار کے اس جملے نے کافی پریشان کر دیا تھا۔

''میں بالکل صحیح کہہ رہی ہوں تم چاء بناؤ تو میں تمہیں پورا واقعہ سناتی ہوں''۔

نغمہ نے جلدی جلدی چاء کی پیالیاں بنائیں۔ اور ایک پیالی نگار کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اب بتاؤ تم کیا کہنا چاہتی ہو.....؟''

ارو پھر نگار نے نجمہ بیگم کے ساتھ جو باتیں ہوئی تھیں سب نغمہ کو سنا دیں۔

نغمہ ناشتہ وغیرہ کرنا بھول گئی تھی اس کا رنگ زرد سرسوں ہو گیا تھا۔

''نگار.....'' وہ سسکیاں لینے لگی

''ارے خاموش ہو جاؤ ہوٹل ہے خواہ مخواہ لوگ اکٹھے ہو جائیں گے۔ نگار نے اسے تسلی دی۔

نغمہ نے تھوڑی دیر بعد اپنی حالت کو سنبھال لیا تھا۔

''ہاں'' نگار نے دھیرے سے پوچھا ''اب تم مجھے بتاؤ وہ خط ان تک پہنچا کیسے؟''

نغمہ نے دھیرے دھیرے اس شام کا تمام واقعہ نگار کو سنا دیا۔ اور وہ پھر روہانسی ہو گئی تھی مجھے نہیں معلوم نگار وہ لیٹر یوسف نے وہاں سے اٹھایا ہے کہ امی نے خود میں تو اس وقت اتنی گھبرائی ہوئی تھی کہ تن من کا ہوش نہ تھا۔ میں تو اسی وقت ایک سوٹ کیس لے کر ریحانہ کے ہاں چلی گئی تھی۔ اور وہ رونے لگی۔ ''تب ہی تو امی اور ابو آج کل مجھ سے کھنچے کھنچے سے رہتے ہیں نگار یہ تو بہت برا ہوا'' وہ سسکیاں

لے رہی تھی۔

خدا کے لیے نغمہ چپ کرو۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ تم تو بات بات پر رونے بیٹھ جاتی ہو۔ اگر اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کرو تو انسان کسی حل تک پہنچے بھی'' نگار اسے بڑی دیر تک تسلی دیتی رہی۔ اور جب وہ رو دھو کر ذرا سنبھلی تو پھر اسنے پوچھا۔

''ریحانہ کی شادی میں تمہاری اور ندیم کی ملاقات ہوئی تھی؟''

نگار کے اس سوال پر نغمہ یکدم چونک پڑی۔ ''تمہیں یہ سب کیسے پتا چلا''۔

نگار مسکرادی ''ہم اپنے چیلے چانٹوں کا ہر دم خیال رکھتے ہیں'' اس نے پیروں فقیروں کی طرح آواز میں رعب پیدا کرتے ہوئے کہا نغمہ بھی مسکرادی۔

''تم سے جو کچھ پوچھتی جا رہی ہوں اس کا جواب دیتی جاؤ۔ ادھر ادھر کے سوالوں میں وقت ضائع نہ کرو'' نگار نے پھر اسے اصل موضوع کی طرف لے آئی۔ ہاں بتاؤ نا کیا ندیم تمہیں ملے تھے؟

نغمہ نے ریحانہ کی شادی میں جو کچھ گزرا تھا سب من وعن سنا دیا ریحانہ کی کہی ہوئی باتیں جنہوں نے نغمہ کا سینہ چھلنی کر دیا تھا انہیں سنا کر وہ مطمئن ہو گئی تھی۔

''ہوں'' نگار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''واقعی کسی نے سچ کہا ہے عورت میں حسد کا مادہ بے انتہا ہوتا ہے۔ نغمہ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں۔ کہ ریحانہ نے اپنی ناکامی کا تم سے انتقام لیا ہے۔ وہ ضرور ندیم کو چاہتی ہوگی۔ اور ندیم نے اسے ٹھکرا دیا ہوگا۔ اور اب ندیم کو تمہاری طرف راغب دیکھ کر اس نے یہ بات تمہارے ذہن میں ڈال دی۔ نغمہ حیرت سے اس کا منہ تکے جا رہی تھی تم نے سوچا نہیں اس

نے بات کس طرح شروع کی تھی جیسے وہ خود ہی اسے چاہتی تھی اور بعد میں وہ.....

''لیکن اس میں ریحانہ کو کیا فائدہ ہوگا'' نغمہ نے حیرت سے پوچھا۔

''یہی کہ'' نگار نے اسے ناصحانہ انداز میں سمجھایا ''تم ندیم سے بددل ہو جاؤ گی اور ندیم تمہیں حاصل نہ کر سکے گا.....''

تو پھر ریحانہ نے جو کچھ بتایا ہے وہ سب جھوٹ ہے۔ نغمہ نے رقت بھرے لہجہ میں پوچھا۔

''ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گی'' نگار نے بات آگے بڑھائی ''کہ اس بات میں حقیقت کچھ بھی نہیں۔ یہ محض بدنام کرنے کا ایک ڈھنگ ہے.....''

.....نغمہ نے بے بسی سے نگار کی طرف دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

.....نگار نے سوچتے ہوئے کہا ''تم اب صرف یہ معلوم کرو کہ وہ لیٹر آنٹی کے ہتھے کیسے چڑھا۔ باقی باتیں پھر ہوں گی۔ جہاں تک میرا خیال ہے نگار تھوڑی دیر کے لیے رک گئی۔ اور سوچتے ہوئے بولی۔ ''یہ یقیناً تمہارے کمرے سے یوسف ہی نے اٹھایا ہوگا۔ اور پھر جب تمہارے ڈیڈی نے پوچھ گچھ کی ہوگی تو ان کی اسٹینشن دوسری طرف ڈائیورٹ کرنے کے لیے یہ خط نکال کر ان کے سامنے ڈال دیا ہوگا''۔

''ہائے اللہ نگار یہ سب کیا ہو گیا ہے۔ تو میں تو ابو کو شکل بھی نہیں دکھاؤں گی ابو

میرے متعلق کیا سوچتے ہوں گے؟'' نغمہ پھر رونے لگی۔

''نغمہ حوصلہ سے کام لو یوں رونے سے کام نہ چلے گا۔ دیر یا سویر آخر یہ بات کھل ہی جاتی۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ فوراً ہی بات آشکار ہو گئی'' نگار نے اسے تسلی دی اب تم ذرا احتیاط سے قدم اٹھانا۔ یہ کوشش رکھو کہ اس کا انجام خاطر خواہ نکلے''۔

''جانے میری قسمت میں کیا لکھا ہے'' نغمہ سسکتی ہوئی بولی۔

''تم ہمت سے کام لو آؤ اب چلتے ہیں دو پیریڈ تو مس ہو ہی چکے ہیں''۔

نغمہ آنچل سے آنسو خشک کرتی اٹھ کھڑی ہوئی.....

نجمہ بیگم جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر دیوان پر بیٹھی ہی تھیں کہ بوا نصیبن نے ارجمند بانو صفیہ اور خورشید جہاں کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ ان کے استقبال میں اٹھ کر جلدی سے دروازہ تک آئیں۔ صفیہ بیگم آج پہلی مرتبہ ان کے گھر آئی تھیں۔

آیئے ادھر چل کر بیٹھتے ہیں۔ نجمہ بیگم سب کو ڈائننگ روم میں لے آئیں۔

ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ بوا نصیبن آج بھی اپنے فرض سے نہ چوکیں۔ جلدی سے چاء کی کشتی اور دوسرے لوازمات انہوں نے اندر بھجوا دیے چاء کی چسکی لیتے ہوئے صفیہ بیگم نے دھیرے سے کہا۔

''نجمہ بہن میں آپ سے اپنے اجڑے گھر کے لیے نور مانگنے آئی ہوں۔ اگر آپ میرے گھر کو اجالا بخش دیں تو میں ساری عمر ممنون رہوں گی۔ اور نغمہ کو اپنی بچی کی طرح ہی رکھوں گی''۔

نجمہ بیگم نے بڑے تحمل سے ان کی بات سنی۔ وہ صفیہ بیگم کی انکساری کی دل ہی دل میں داد دے بیٹھیں۔ ان کی بردباری اور سنجیدگی کی تو وہ پہلے ہی مداح ہو گئی تھیں۔ آج قائل بھی ہو گئیں۔ ان کے جی میں آئی کہ وہ فوراً ہی اس رشتے کی حامی بھر لیں۔ لیکن اپنے اس خیال کو پس پشت ڈال کر انہوں نے بڑے دھیمے لہجے میں کہا.....

''صفیہ بہن میں نے آپ کی بات سن لی ہے۔ لیکن جب تک وکیل صاحب اور مسرور میاں سے گفتگو نہ کر لوں۔ آپ کو کوئی خاطر خواہ جواب نہ دے سکوں گی آپ مجھے کچھ مہلت دیجیے'' خورشید جہاں نے بات سنبھالی۔

''نجمہ بیگم دراصل بات یہ ہے کہ ندیم اگلے ماہ کے آخر میں امریکہ جا رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جانے سے پہلے ہی شادی ہو جائے تو بہتر ہے۔'' اور نجمہ بیگم کو پہلی مرتبہ پتہ چلا کہ ندیم صفیہ بیگم کا لڑکا ہے۔ وہ اب اور بھی سنبھل کر بیٹھ گئیں تھیں خورشید جہاں نے پھر لقمہ دیا۔

اگر آپ جلدی اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیں تو ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں نغمہ بھی ندیم کے ہمراہ امریکہ چلی جائے نجمہ بہن آج کی لڑکیاں بھی شوق رکھتی ہیں کہ دنیا دیکھیں۔ وہ ہمارا تمہارا زمانہ تو لد گیا۔ جب گھر کی چار دیواری سے نکلو تو پردہ میں بند۔ نہ اپنا ہوش نہ باہر کا سانس لینا بھی دوبھر۔ اور پھر لڑکی کا رشتہ کرنے میں تو ماں کی ممتا کا دخل زیادہ ہوتا ہے.....''

''یہ سب درست ہے خورشید بہن'' نجمہ بیگم نے بڑے تحمل سے جواب دیا

''لیکن پھر بھی میں وکیل صاحب سے پوچھے بغیر کوئی جواب نہیں دے سکتی۔ آپ اطمنان رکھیں میں جلد ہی اپنے فیصلہ سے آگاہ کردوں گی''۔

صفیہ بیگم کو نجمہ بیگم کی باتوں سے کچھ اطمینان ہو گیا تھا لہٰذا انہوں نے اس مسئلہ پر زور نہ دیا۔ اور رخصت کی اجازت چاہی لیکن چلتے ہوئے انہوں نے پھر نجمہ بیگم کو یاددہانی کرا ہی دی

''میں انتظار کروں گی نجمہ بہن''۔

آپ مطمئن رہیں میں جلد ہی اطلاع بھجوادوں گی۔ نجمہ بیگم نے انہیں تسلی دی

۔

کالج سے واپسی پر نگار نے کار شہاب منزل کے گیٹ کے باہر ہی روک کر نغمہ سے کہا تم چلو نغمی مجھے مجبور نہ کرو۔ میں چاء ڈیڈی کے ساتھ پیوں گی۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔

''اچھا جیسے تمہاری مرضی'' وہ دروازہ کھول کر نیچے اترتی ہوئی بولی۔

''لیٹر کے بارے میں ضرور پتا کرنا'' نگار نے اسے یاددہانی کرائی۔

''کوشش کروں گی'' نغمہ نے گیٹ میں داخل ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''اوکے بائی بائی'' نگار نے ایکسلیٹر پر پاؤں کا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا اور کار تیزی سے کالی ڈامر کی سڑک پر پھسلتی چلی گئی۔

وہ کاریڈور سے گزرتی اپنے کمرے میں جا رہی تھی۔ کہ ابو اور امی کی ملی جلی آوازوں میں ندیم کا ذکر سن کر وہ وہیں دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔

نجمہ بیگم کہہ رہی تھیں ندیم کی والدہ معہ خورشید بیگم اور ارجمند بانو کے یہاں آئی تھیں اور نغمہ کے لیے ندیم کا رشتہ لائی تھیں۔

باہر کھڑی نغمہ کا چہرہ حیا سے تمتما اٹھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وکیل صاحب کی گرجدار آواز نے اس کے راج محل میں آگ لگا دی۔

تم نے صاف جواب کیوں نہ دے دیا'' شہاب الدین گرج کر بولے۔ ''میں یہ رشتہ کسی صورت میں منظور نہیں کر سکتا''۔

''آخر انکار کی کوئی وجہ بھی ہو۔ کیا ندیم میں کوئی برائی ہے۔ یا محض اس وجہ سے کہ لڑکی اور لڑکا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہی''۔ نجمہ بیگم سمجھیں تھیں کہ شاید وکیل صاحب ندیم کی وجہ سے بھی ناراض ہیں۔

''میرا خیال ہے تمہیں معلوم نہیں کہ ندیم کے والد کی ابھی تک کسی نے شکل نہیں دیکھی۔ جانے یہ کس کے گناہوں کا خمیازہ ہے''۔ وکیل صاحب کی آواز میں درشتی تھی۔

صادق کمال نے ان محترمہ سے نکاح ضرور کیا تھا لیکن وہ تیسرے ہی دن انہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے کیا تم ایسے شخص کو اپنا داماد بنا لوگی انہوں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

دروازے سے لگی کھڑکی سے نغمہ اگر چوکھٹ کا سہارا نہ لیتی تو لڑکھڑا کر گر جاتی اس کے پاؤں لرز رہے تھے۔ اور اس کے ذہن میں ریحانہ کی آواز کے ساتھ ساتھ اپنے باپ کی آواز بھی گونج رہی تھی۔

اور نجمہ بیگم پھٹی پھٹی نگاہوں سے شوہر کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ان کے لیے یہ انکشاف بالکل انوکھا تھا۔وہ گنگ بیٹھی تھیں۔

مجھے یقین ہے وکیل صاحب دھاڑے۔تمہاری بیٹی نے اس لیٹر کا جواب ضرور دیا ہوگا ہو کالج سے آجائے تو میں پوچھ لوں گا۔

نجمہ بیگم کو ہوش آ گیا۔اس سے اس واقعہ کے بارے میں نہ پوچھنا۔آپ باپ ہو کر بیٹی سے کس منہ سے اس طرح کا سوال پوچھیں گے۔حد کر دی آپ نے تو۔ لوگوں پر جرح کرتے کرتے بالکل ہی سٹھیا گئے ہیں۔

''میں سٹھیا گیا ہوں یا تم'' شہاب الدین کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔وہ بھنائے ہوئے کمرے میں جلدی جلدی چکر لگا رہے تھے۔

''اچھا چھوڑیے اس قصے کو'' نجمہ بیگم نے بات ٹالی میں انہیں جواب دے دوں گی کہ ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں۔

نغمہ کے لی اب وہاں کھڑا رہنا مشکل ہو گیا تھا۔وہ لڑکھڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں پہنچی۔اور بستر پر گر گئی۔اس کی آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی بہہ نکلی۔

ارے ہاں نجمہ بیگم کو کوئی بھولی بسری بات یاد آ گئی تھی۔انہوں نے شہاب الدین کو مخاطب کیا خورشید جہاں کی بھی تو اپنی ایک لڑکی بیٹھی ہوئی ہے اور ابھی چار دن ہوئے انہوں نے ریحانہ کی شادی بھی برادری سے باہر کی کیا انہیں ندیم نظر نہیں آئے؟

''بیگم آنکھوں دیکھی مکھی کون نگلتا ہے؟'' وکیل صاحب نے فخریہ مسکراتے

ہوئے جواب دیا" یہ سب لوگ صفیہ اور ندیم سے واقف ہیں۔ تب ہی تو انہوں نے اپنوں کو چھوڑ کر غیروں میں رشتہ کرنے نکلے ہیں"۔

"تو یہ ہے میں بھی کیسی پاگل ہو گئی تھی۔ میں تو انہیں جواب لکھے دیتی ہوں" اور نجمہ بیگم نے اسی وقت کاغذ پنسل سنبھال کر جواب لکھنے بیٹھ گئیں۔ لیکن شام زیادہ گزر جانے کی وجہ سے انہوں نے جواب لکھ کر سرہانے رکھ دیا۔ کہ صبح غفور کے ہاتھ بھجوا دیں گی"۔

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

باب ۱۱

صفیہ بیگم جب سے رشتے کی بات کر کے آئیں تھیں۔ ذہن میں جانے کتنے ہی ارادے بنا چکی تھیں۔ ان کے ذہن میں ہزاروں خیال تھے۔ اور دل میں جانے کتنی ہی آشائیں تھیں۔ جنہیں وہ اس شادی میں پورا کرنا چاہتی تھیں۔ انہیں ندیم کی پسند پر بھی بڑا ناز تھا۔ اور وہ ندیم کی خوشیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اتنے اونچے پیانے پر شادی کرنا چاہتی تھیں کہ جتنے جی اس شادی کے چرچے ختم نہ ہوں۔ ان کا ایک ہی تو بچہ تھا۔ ان کی امیدوں کا ایک ہی تو مرکز تھا۔

اگلے دن صبح ہی صبح ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی صفیہ بیگم نے ندیم سے کہا۔

بیٹے ندیم آج مجھے ذرا بازار لے چلنا کچھ سامان خریدنا ہے۔

بہت اچھا امی۔ ندیم بھی خوش تھا۔ اسے یقین تھا کہ شہاب الدین ضرور اس رشتہ کی حامہ بھر لیں گے وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''امی مجھے ذرا کام ہے میں دوپہر تک آجاؤں گا۔ آپ شام کو بازار چلیے گا''۔

''جیسے تمہاری مرضی'' صفیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

وہ برآمدے میں پہنچا ہی تھا کہ برآمدے میں غفورے کو کھڑا دیکھ کر وہ رک گیا۔ جو کال بیل دبانے ہی والا تھا۔

''سلام صاحب'' اس نے جھک کر سلام کرتے ہوئے کہا ''صاحب یہ شہاب منزل سے رقعہ لایا ہوں''۔

''اچھا'' ندیم نے برے تذبذب کے عالم میں رقعہ لے لیا۔ اسے یقین نہ تھا

کہ شہاب منزل سے بھی کوئی رقعہ آئے گا۔اور وہ بھی اتنی جلدی۔لیکن پھر بھی اسنے جیب سے بٹوہ نکال کر دس روپے کا نوٹ غفور کے ہاتھ پر رکھ دیا۔''یہ تو تمہارا انعام'' اور خود رقعہ لے کر الٹے قدموں لوٹ آیا۔

''امی یہ لیجیے شہاب الدین صاحب کے ہاں سے رقعہ آیا ہے'' وہ رقعہ ماں کی طرف بڑھاتے ہوئے قریبی آرام کرسی پر بیٹھ گیا.....

''رقعہ آیا ہے'' صفیہ بیگم کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔انہوں نے جلدی جلدی پہلو بدل کر رقعہ ندیم سے لے لیا۔

''الٰہی خیر'' انہوں نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے لفافہ چاک کیا۔اور وہ پڑھنے لگیں۔ندیم ان کے چہرے کے تاثرات سے خط کی عبارت پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔رقعہ پڑھ کر وہ سکتہ کے عالم میں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔

کیا لکھا ہے امی۔وہ ماں کی خاموشی سے پریشان ہو گیا تھا لیکن ماں ابھی تک خاموش تھی۔

ندیم نے لپک کر خط ان کے ہاتھ سے لے لیا۔خط کا یہ ایک ایک جملہ ہتھوڑے کی طرح ندیم کے ذہن میں لگتا جا رہا تھا۔

''صفیہ بہن مجھے افسوس ہے کہ وکیل صاحب نے چند وجوہات کی بنا پر انکار کر دیا ہے''

ندیم نے ماں کی طرف دیکھا وہ سکتہ کے عالم میں بیٹھی بیٹھی..... رو رہی تھیں۔

''اف صادق مال تم نے مجھے برباد کر دیا۔تم نے مجھے زندہ درگور کر دیا۔آہ

مجھے کیا معلوم تھا میرے ساتھ اس معصوم بچے کی بھی زندگی اجیرن ہو جائے گی'' آہ کاش تم ایک مرتبہ آ جاتے تو میں دنیا والوں کا منہ بند کر دیتی۔ میں خوب جانتی ہوں انہوں نے کیوں انکار کیا ہے ان کے انکار کی اور دوسری وجہ کیا ہو سکتی ہے۔

ندیم اپنا غم بھول چکا تھا۔ وہ فوراً ماں کی طرف لپکا۔ ان پر بیہوشی سی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ ندیم نے انہیں سہارا دے کر دیوان پر ہی لٹا دیا۔ اور پنکھا فل سپیڈ پر چلا دیا لیکن صفیہ بیگم بے ہوش ہو گئی تھیں۔ ندیم نے جلدی سے ڈاکٹر کو فون کر کے ڈاکٹر بلا لیا تھا۔

ڈاکٹر اسلم نے معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ تشویش کی کوئی بات نہیں'' کوامین کا انجکشن لگا کر ڈاکٹر نے تھوڑی دیر نبض اور سانس کا معائنہ کیا۔ اور ندیم کو تسلی دیتے ہوئے رخصت ہو گیا.....

آپ فکر نہ کریں آدھ گھنٹے میں انہیں ہوش آ جائے گی۔ اگر فرض محال ہوش نہ آئی تو آپ مجھے پھر فون کر دیجیے گا۔ ویسے ہوش میں آنے کے بعد انہیں مکمل آرام کرنے دیجیے گا انہیں آرام کی زیادہ ضرورت ہے کمزور بہت ہیں.....

ندیم ڈاکٹر کو برآمدے تک رخصت کرنے گیا۔

وہ تمام دن ندیم نے ماں کے سرہانے گزارا۔ انہیں ایک گھنٹہ بعد ہوش آ گئی تھی۔ ندیم انہیں تسلی و تشفی دیتا رہا۔ وہ خود بھی شکستہ دل تھا۔ لیکن ماں کی ڈھارس کی خاطر وہ ہشاش بشاش رہا۔ ویسے بھی اس نے ایک ذی ہوش انسان کی طرح اس غم کو سینہ میں چھپا لیا تھا۔ اس میں نہ تو اس کا اپنا قصور تھا اور نہ ہی نغمہ کا دوش یہ تو سماج

کے قانون اور وہ بندشیں تھیں جس نے پریم کا ہمیشہ مذاق اڑایا تھا۔ جس نے دو پریمیوں کے درمیان خلیج حائل کر دی تھی۔ اور سماج کی اس خلیج کو ندیم کسی غیر ذمہ دارانہ حرکت سے عبور کرنے کا قائل نہ تھا۔ اسنے دل میں مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ کہ ہو اب جلد از جلد امریکہ چلا جائے گا۔ اس دیس سے دور..... اس دیس کے قوانین اور بندشوں سے ہزار ہا میل دور اسے صرف اس خیال سے تقویت تھی۔ کہ نغمہ اس سے محبت کرتی ہے۔ اور اسی حسین خیال کو سینے سے لگائے اپنی تمام عمر بتا دینے کے لیے تیار تھا۔

وہ صبح سے ماں کے پاس بیٹھا تھا صفیہ بیگم اب بڑے اطمینان سے تکیوں کے سہارے بیٹھی تھیں۔ شام کے پانچ بج رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے رسیور اٹھایا۔

''ہیلو ندیم بول رہا ہوں''۔

''ندیم بیٹے'' دوسری طرف سے سراج الدین صاحب کی آواز سنائی دی۔

''جی اسلام علیکم چچا جان'' ندیم نے سراج الدین صاحب کی آواز پہنچانتے ہی سلام کر دیا۔

''جیتے رہو بیٹے'' انہوں نے دعا دیتے ہوئے کہا ''بیٹے مجھے تم سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں تم فوراً ادریس منزل چلے آؤ''۔

''کیوں خیریت تو ہے چچا جان'' ندیم ماں کو چھوڑ کر نہ جانا چاہتا تھا۔ ''وہ دراصل امی کی طبیعت صبح سے خراب ہو گئی تھی'' اس نے بات بنائی۔

''کیوں کیا ہوا تھا''سراج الدین صاحب نے جلدی سے پوچھا ان کی آواز میں تشویش تھی۔اب کیا حال ہے ان کا.....''۔

جی وہ ناشتہ کے بعد ذرا طبیعت بوجھل محسوس کرنے لگی تھیں اور پھر اس کے بعد وہ اچانک بیہوش ہو گئیں تھی ندیم نے اصل واقعہ نہ بتایا۔

''پھر اب وہ کس حال میں ہیں تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی بیٹے''سراج الدین نے سوال کیا.....

''اب وہ بالکل ٹھیک ہیں ڈاکٹر اسلم صاحب کو بلوالیا تھا انہوں نے بتایا تھا کہ کوئی تشویش کی بات نہیں۔زیادہ محنت کرنے کی وجہ سے کمزوری ہو گئی ہے۔

''اچھا''سراج الدین صاحب نے اطمینان کا سانس لیا۔

صفیہ بہن کا موجود ہونا ضروری ہے۔تم انہیں بھی ساتھ لے کر چلے آؤ''۔

سراج الدین صاحب نے ہر بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''جی اچھا''وہ سراج الدین کے اس لہجے کو اچھی طرح پہچانتا تھا جب وہ کسی بات کا قطعی طور پر فیصلہ کرنا چاہتے تھے تو وہ اسی طرح ہر لفظ پر زور دے کر فیصلہ صادر کر دیتے تھے۔یہ ان کی پرانی عادت تھی۔آخر کو ساری عمر عدالت کے حکمنامے صادر فرماتے رہے تھے.....

اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔وہ حیران تھا کہ کیا ماجرا ہے۔لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔وہ سوچتا ہوا ماں کے کمرے میں آ گیا۔

''کیوں بیٹے کس کا فون تھا''صفیہ بیگم نے ندی کو گم سم دیکھ کر پوچھ لیا۔

''سراج چچا کا امی'' ندیم نے جواب دیا ''انہوں نے آپ کو اور مجھے بھی بلایا ہے میں نے تو آپ کی علالت کا بھی ذکر کیا تھا لیکن وہ نہ مانے کہنے لگے بس جیسے بھی ہو لیتے آؤ''۔

''خیریت تو ہے نا'' صفیہ بیگم نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں امی۔ انہوں نے تو کچھ بتایا ہی نہیں۔ اگر آپ کی طبیعت موزوں نہیں تو آرام کیجیے۔ میں ہی چلا جاتا ہوں۔ آپ کی طرف سے معذرت کر لوں گا۔ ندیم نے ماں کے چہرے پر کرب کے آثار دیکھ لیے تھے۔

''نہیں نہیں بیٹے کار میں تو جانا ہے کونسی ایسی تکلیف ہو گی۔ کوئی بات ہے ضرور تب ہی تو سراج بھائی نے زور دیا ہے۔ ورنہ وہ تو کبھی ایسی بات نہ کہتے۔

''اچھا تو آپ تیار ہو جائیں میں بھی کپڑے بدل لوں''۔

ادریس منزل میں سراج الدین اور ادریس صاحب دونوں ہی ندیم کے منتظر بیٹھے تھے۔ فیاض اور قیوم بھی ابھی تک حیران تھے کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

ندیم کے پہنچتے ہی صفیہ بیگم کو تو اندر بھجوا دیا گیا اور ندیم کو ڈائننگ روم میں بلوا لیا۔ ندیم کو قریب ہی صوفے پر بٹھاتے ہوئے سراج الدین صاحب نے دھیرے سے کہا۔

''بیٹے ندیم آج میں بہت خوش ہوں'' شدت جذبات سے انکی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک آئے تھے۔ ندیم حیران تھا کہ چچا جان کونسی پہیلیاں بجھوا رہے ہیں۔

''بیٹے صفیہ بہن کی قربانی آج رنگ لے آئی ہے۔آج تمام دنیا کی زبان بند ہو جائے گی۔''ان کی زبان میں تلخی اور سختی آ گئی تھی۔اور پھر خود بخود ان کا لہجہ نرم پڑ گیا۔''بیٹے تمہاری ماں کی ہمت اور حوصلہ کا میں ہمیشہ ہی سے معتقد رہا ہوں۔ان کی سلیقہ مندی اور بردباری تمام خاندان میں مشہور ہے۔چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر انہیں برادری ہی کے چند لوگوں نے بدنام کرنے کی کوشش کی۔اور اس بدنامی نے صادق بھائی کی روپوشی نے آگ کی طرح پھیلا دیا۔اور انہیں زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جانے لگا۔او جس بات کو مشہور کرنے والے اس خاندان کے فرد ہوں۔تو پھر وہ بات مشہور کیوں نہ ہو۔تمہارے رشتے کے ایک چچا تھے جو صفیہ بہن سے شادی کے خواہشمند تھے لیکن جوڑ صادق بھائی سے قدرت نے ملایا ہوا تھا۔لہذا ان کی شادی صادق بھائی سے کر دی گئی۔اور شادی کے بعد ہی صادق بھائی روپوش ہو گئے۔تو ان رشتہ کے چچا نے جو منہ میں آیا مشہور کر دیا۔بلکہ یہاں تک سراج الدین کی آواز میں رقت طاری ہو گئی تھی۔وہ حیران و پریشان ان کا منہ تکے جا رہا تھا۔اور یس عالم بھی بار بار اپنے آنسو رومال میں جذب کر رہے تھے۔

''بیٹے معاف کرنا''سراج الدین نے کہا''بلکہ یہاں تک مشور کر دیا گیا کہ تم صفیہ بہن کی ناجائز اولاد ہو''اس کی اچانک ہی تمام قوتیں مفقود ہو کر رہ گئیں تھیں''لیکن آج''سراج الدین صاحب نے گلا صاف کرتے ہوئے بات آگے بڑھائی''لیکن آج بیٹے صفیہ بہن کی لاج قدرت نے رکھ لی ہے''۔

یہ دیکھو یہ تار صادق بھائی نے بھیجا ہے انہوں نے تار ندیم کے ہاتھ میں تھما

دیا۔

ابو کا تار۔ندیم کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا۔اور آنکھیں برس پڑیں۔اس نے جلدی جلدی تار کی عبارت پڑھ لی۔

''شام کے پلین سے پہنچ رہا ہوں''۔

تار کراچی سے دیا گیا تھا۔

''میں امی کو ابھی بتاتا ہوں''ندیم مارے خوشی کے دیوانہ ہو رہا تھا آج قدرت نے اسے ایک بہت بری کشمکش سے نجات دلا دی تھی۔

''نہیں بیٹے''ادریس عالم نے ندیم کو روک دیا تم یہاں اطمینان سے بیٹھو میں خود صفیہ بیگم کو یہ خوشخبری سناؤں گا سراج الدین اٹھ کر اندر جا چکے تھے۔

اندر صفیہ بیگم خورشید جہاں اور ارجمند بانو اور سراج الدین کی بیوی فاخرہ بیگم کے پاس بیٹھی تھیں۔وہ سب حیران تھیں کہ صفیہ بیگم کو اتنی عجلت میں کیوں بلوایا گیا ہے۔

ادریس عالم کو آتے دیکھ کر صفیہ بیگم فوراً ہی بول پڑیں۔

''بھیا کچھ بتاؤ بھی یہ کیا ہوا ہے کہ گھوڑے پر سوار کر کے یہاں بلا لیا ہے؟''

ادریس عالم مسکرا دیے باجی آپ پہلے جلدی سے مٹھائی منگوائیے۔

ارے مٹھائی بھی آ جائے گی۔خورشید جہاں جو خود بھی بات سننے کے لی پریشان تھیں بول اٹھیں تم پہلیاں کیوں بجھوا رہے ہو جی سیدھی بات بتاؤ کلیجہ ہولا کر رکھ دیا ہے۔

ارے بیگم تم ناراض کیوں ہو رہی ہو ادریس عالم مسکراتے ہوئے بولے اور پھر صفیہ بہن سے متوجہ ہوئے۔

باجی ادریس عالم نے بڑے دھیمے لہجہ میں جواب دیا۔ ابھی ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ صادق بھائی سوئٹزرلینڈ میں بقید حیات ہیں۔

اور صفیہ بیگم جو ایسی خبریں آج سے پورے پچیس برس پہلے سے سنتی آ رہی تھیں ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں۔

پتہ نہیں بھیا خبر کہاں تک صحیح ہے اور کہاں تک جھوٹ ہے لیکن اب تو مجھے ان خبروں سے کوئی خوشی نہیں ہوتی جانے انہیں مجھ سے ایسی کون سی عداوت تھی جو میری زندگی برباد کر کے رکھ دی۔ اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلا۔

فاخرہ بیگم اور ارجمند بانو حیرت سے ادریس عالم کا منہ دیکھ رہی تھیں..... انہیں تو اس خبر سے بے حد خوشی ہوئی تھی لیکن اس کی صداقت کا ابھی تک کسی کو یقین نہ آیا تھا۔

''باجی'' ادریس عالم نے صفیہ بیگم کو تسلی دی ''خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں باجی آپ ذرا اطمینان سے بیٹھ کر میری بات تو سنیں''۔

صفیہ بیگم آنچل سے آنسو صاف کرتے ہوئے بیٹھ گئیں۔

خورشید جہاں پھر بولیں۔

''تم جلدی سے بات بتا کیوں نہیں دیتے خواہ مخواہ اگلے کو بولائے دے رہے ہیں۔

ادریس عالم نے بیوی کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''باجی اس مرتبہ خود صادق بھائی نے اطلاع دی ہے'' ادریس عالم دھیرے دھیرے انہیں اصلی خبر کی طرف لا رہے تھے۔

''کیا ان کا کوئی خط آیا ہے'' صفیہ بیگم نے جلدی سے پوچھا انہیں اب کچھ کچھ اس خبر پر یقین آنے لگا تھا۔

''جی ہاں انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے تحریر کیا ہے

''اچھا'' صفیہ بیگم کے چہرے پر سرخی کی لہر دوڑ گئی۔ خدایا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ مولا واقعی تیرے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں'' اور پھر وہ ادریس عالم کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''بھیا وہ خیریت سے تو ہیں نا اور کیا کیا لکھا ہے انہوں نے'' صفیہ بیگم کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور سب کے چہرے مسرت سے دمک اٹھے تھے۔

''جی ہاں باجی وہ بالکل خیریت سے ہیں'' ادریس عالم نے وہ تار نکال کر صفیہ بیگم کے آگے دھر دیا۔

باجی یہ ٹیلی گرام آج ہی ملا ہے۔

''یہ کس کا ہے بھیا'' صفیہ بیگم نے حیرانی سے پوچھا۔

''یہ صادق بھائی نے ہی ٹیلی گرام دیا ہے۔ وہ کراچی سے آج شام یہاں پہنچ رہے ہیں اور پھر انہوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ بلکہ اب تو کوئی آدھ گھنٹے میں وہ یہاں پہنچنے ہی والے ہوں گے''۔

صفیہ بیگم کو جیسے یقین نہ آیا ہو۔انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

''ادریس بھیا کیا واقعی وہ خود آ رہے ہیں''؟

''ہاں باجی وہ ابھی پہنچنے ہی والے ہیں''۔

ادریس بھائی میں کیا سن رہی ہوں'' وہ خوشی سے پاگل ہوتی جا رہی تھیں۔اور پھر فوراً ہی سجدے میں گر گئیں۔

''اے پروردگار تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تو نے میری ڈوبتی نیا سنبھال لی''۔

خورشید جہاں فاخرہ بیگم ارجمند بانو فرحانہ سب خوشی اور حیرانی سے امتزاجی لہروں میں ڈوبی کھڑی تھیں سب کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو رواں تھے پھر جیسے خورشید جہاں کو کوئی بات یاد آ گئی۔

ارے میں نے کہا کیا وہ میم صاحب بھی ساتھ ہے یا وہ اکیلے ہی آ رہے ہیں''۔

پتہ نہیں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔وہ آ جائیں تو پتہ چلے گا۔ادریس عالم نے باہر جاتے ہوئے جواب دیا۔

صفیہ بیگم سجدے سے اٹھ گئیں تھیں وہ پیچھے سے چلائیں۔

ادریس بھائی کیا ندیم کو بتا دیا یا نہیں۔

وہ دروازے میں ٹھہر گئے تھے انہوں نے پلٹ کر جواب دیا۔

''سراج بھائی نے پہلے یہ خبر ان کو سنائی تھی۔وہ اب بھی سراج بھائی کے پاس ہی بیٹھے ہیں۔

''تو بھیا ہمیں یہاں کیوں بلوایا ہے ہمیں تو اب گھر جانا چاہیے''۔

''نہیں باجی صادق بھائی کو صرف سراج بھائی کے بارے میں پتہ چلا تھا۔

انہوں نے ان کو ہی آنے کی اطلاع دی تھی۔ ہوئی اڈے پر وہی ان کو لینے بھی جائیں گے۔ اور وہ انہیں لے کر یہاں آئیں گے۔ اور یہاں ان کا باقاعدہ استقبال کیا جائے گا۔

صفیہ بیگم کو خوشی کے مارے کچھ سوجھائی نہ دے رہی تھی۔ ان کا رواں رواں مسرت سے ناچ رہا تھا۔ شروع شروع میں تو وہ ہر آہٹ پر چونک جاتی تھیں کہ شاید صادق آ گئے۔

لیکن رفتہ رفتہ وقت کا مرہم وہ رستے زخم مندمل کرتا چلا گیا۔ اور اب تو مدت ہوئی ان کے کان کبھی کسی آہٹ پر نہ چونکتے تھے۔ وہ تو مایوس ہو چکی تھیں۔ اور آج ناامیدی کے بحر بیکراں میں ایک امید کا ننھا سا جزیرہ ابھر آیا تھا۔

''انہیں صرف یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ وہ میم صاحب بھی ان کے ہمراہ ہوں گی۔ جانے اب ان کے کتنے بچے ہوں گے۔ ذہن کے کسی گوشے سے آواز آئی چاہے کتنے ہی بچے کیوں نہ ہوں یہی غنیمت ہے ندیم کو اس کا باپ مل گیا۔ ورنہ وہ تو سمجھ بیٹھی تھیں کہ دنیا کے لگائے ہوئے داغ کبھی دھو نہ سکے گی۔ بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ داغ اور بھی گہرے ہو گئے تھے۔ وہ خیالات کے تلاطم میں ڈوبتی ابھرتی جا رہی تھیں۔ اور ان کی آنکھوں سے شفاف موتی بہتے ان کے دامن میں جذب ہوتے چلے جا رہے تھے ان پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی اور باہر رات کی

تاریکی گہری ہوتی جارہی تھی۔

پورچ میں گاڑی ٹھہرنے کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ کار کا ایک دروازہ کھلا اور پھر دوسرا دروازہ اور پھر باری باری دونوں بند ہو گئے کسی نے سرگوشی کی۔ جس کے جواب میں صادق بھائی کا وہی گھمبیر قہقہہ فضا میں ارتعاش پیدا کرتا چلا گیا۔ اور صفیہ بیگم دیوان پر بیٹھی یوں چھوئی موئی بن کر رہ گئیں جیسے آج سے پچیس چھبیس برس پہلے وہ حجلہ عروسی میں بیٹھی تھیں۔ قدموں کی آہٹ دھیرے دھیرے قریب ہوتی چلی جارہی تھی۔ اور صفیہ بیگم کا سر آپ ہی آپ جھکتا جھکتا گھٹنوں کے بیچ آن ٹکا تھا۔ اور ڈوپٹہ کا آنچل کھسک کر ماتھے پر آن گرا تھا۔ ان کی نگاہیں اپنی اس انگلی پر جم کر رہ گئیں جس میں وہ رونمائی جڑاؤ انگوٹھی پہنے ہوئے تھیں۔ جو صادق کمال نے پہلی رات صفیہ کے بستر پر پٹخ دی تھی۔ اور صبح ان کے جانے کے بعد صفیہ بیگم نے اٹھا کر پہن لی تھی۔ اور تب سے آج تک وہ ان کی انگلی کی زینت تھی۔

قدموں کی آہٹ دروازے پر آن کر تھم گئی تھی۔

یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ یوں بڑبڑائیں جیسے خواب دیکھ رہی ہوں۔ بالکل اس طرح آج سے پچیس برس پہلے قدموں کی چاپ دروازے پر آ کر گم ہو گئی تھی۔ اور وہ بھی سمٹ سکڑ کر بیٹھ گئیں۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ شاید یہ گھڑیاں میری اندھیری دنیا میں اجالا بکھیر دیں گی۔

دھیرے سے دروازہ کھلا اور صادق کمال کمرے میں داخل ہوئے سامنے دیوان پر صفیہ بیگم سر نیوڑہائے بیٹھی تھیں۔ جیسے آج سے پچیس برس پہلے فرق صرف

اتنا تھا کہ اس روز وہ عروسی جوڑے میں ملبوس تھیں ان کے جسم سے کنواری خوشبو کے ساتھ ابٹن کی ملی جلی خوشبو نے ماحول کو بڑا ہی رومانی بنا دیا تھا۔ اور آج سفید لباس میں ان کا گہنایا ہوا حسن تھا۔ ندیم دروازے تک ساتھ آ کر لوٹ گیا تھا۔

صادق کمال دیوان کے قریب آن کھڑے ہوئے۔ صفیہ بیگم نے جھکی جھکی پلکیں اوپر اٹھائیں بادامی رنگ کے سوٹ میں صادق کمال یورپین دکھائی دے رہے تھے۔ وہاں کی سرد آب و ہوا نے ان کا چہرہ نکھار دیا تھا۔ ان کی صحت بہت اچھی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں اور صادق کمال کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اور انہوں نے یکدم آگے بڑھ کر صفیہ بیگم کے پاؤں پکڑ لیے۔

''مجھے معاف کر دو صفیہ میں نے تمہیں بہت دکھ پہنچائے ہیں''۔

صفیہ بیچاری خود رو رو کر ہلکان ہو چکی تھی۔ خاوند کو اس طرح پاؤں پکڑ کر رونے پر وہ اور بھی سسکیاں لے کر رو اٹھیں۔ ہر شخص سکتہ کے عالم میں کھڑا اس انوکھے ملاپ کو حیرت سے تک رہا تھا ہر آنکھ سے آنسو جاری تھے۔

ادریس عالم نے ہمت کر کے صادق کمال کو سہارا دے کر اوپر اٹھایا۔ اور دیوان پر بٹھا دیا ندیم کو دروازے پر کھڑا دیکھ کر صادق کمال نے اسے قریب بلا کر سینے سے لگا لیا۔ ندیم سوچ رہا تھا کہ چند دن پہلے کیوں نہ آ گئے۔ اب تو زندگی میں میری قسمت میں بھی اجالے کی کوئی کرن نہیں ہے رو دھو کر جب ذرا طبیعت کو سکون ملا تو ادریس عالم نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''صادق بھائی وہ تمہاری میم صاحبہ کہاں ہیں کیا انہیں ساتھ نہیں لائے''۔

صادق کمال کچھ دیر خاموشی سے ادریس عالم کا چہرہ دیکھتے رہے پھر دھیرے سے جواب دیا۔

''کیا کرو گے اس قصہ پارینہ کو کرید کر.....''

لیکن سب ہی لوگ بے چین تھے ہر کوئی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ اینگلو انڈین ڈانسر کہاں ہیں لیکن سب ہی خاموش تھے۔

صفیہ بیگم نے سکوت توڑا۔

''کیوں کہاں ہے وہ کیا انہیں ساتھ نہیں لائے آپ؟''

''کیوں شرمندہ کرتی ہو صفیہ میں پہلے کافی نادم ہوں۔اور اپنے کیے کی سزا پا چکا ہوں۔صادق کمال نے بڑے درد بھرے لہجہ میں جواب دیا۔

''صادق بھئی صاف صاف بتاؤ'' سراج الدین نے مسکراتے ہوئے کہا ''یہ ادھوری باتیں ہمارے پلے نہیں پڑتیں''۔

صادق کمال ایک ٹھنڈی آہ بھر کر تھوڑی دیر سر جھکاتے بیٹھے رہے۔ پھر دھیرے سے بولے۔

''قدرت انسان کو بڑے بڑے امتحانوں سے گزارتی ہے۔اور پھر اگر انسان ان امتحانوں میں کامیابی سے نکل جائے اور اس کا ایمان نہ ڈولے تو وہ پارس بن جاتا ہے۔ورنہ وہ دین اور دنیا دونوں ہی کھو دیتا ہے۔کچھ ایسے حالات سے اسے بھی دوچار ہونا پڑا۔ایک رات وہ اپنے کسی آشنا کے ساتھ زیورات اور کچھ نقد لے کر نکل بھاگی۔اتفاق سے برف باری شروع ہوگئی۔طوفانی رات میں کار سامنے

سے آتے ہوئے ایک وہسکی کے کریٹوں سے لدے ہوئے ٹرک سے ٹکرا گئی۔ دونوں موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔

فرحانہ یکدم پوچھ بیٹھی۔

آپ کو زیورات اور نقدی وغیرہ تو مل گیا ہو گا۔

صادق کمال یہ جملہ سن کر قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

واہ بیٹی واہ سچ ہے عورت سب سے پہلے زور پیسہ کا ہی خیال کرتی ہے۔ وہ بھاگی تو زیور اور نقدی لے کر اور انہوں نے پوچھا تو زیور اور روپے پیسے کے بارے میں پوچھا۔

فرحانہ کچھ خفیف سی ہو کر رہ گئی تھی لیکن پھر بھی اس نے بات سنبھال لی۔

''میرا مطلب تھا آپ کو کوئی مالی نقصان تو نہیں اٹھانا پڑا''۔

صادق کمال مسکرا کر فرحانہ کی طرف دیکھ رہے تھے اور پھر ایک آہ بھر کر بولے۔

''آج کچھ بخدا یوں محسوس ہو رہا ہے کہ مجھے دلی سکون مل گیا ہے''۔

''یہ سب صفیہ بہن کے صبر کا پھل ہے صادق بھائی'' ادریس عالم نے کہا جیسے دن انہوں نے گزارے ہیں کوئی ان ہی کے دل سے پوچھے''۔

اور صادق تمہیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ صفیہ بیگم نے تمہاری امانت کو اپنے خون سے سینچا ہے'' اور پھر سراج الدین ندیم کی کمر تھپتھپاتے ہوئے بولے اور بیچارے نے دن رات ایک کر کے خاندان بھر میں نمایاں حیثیت حاصل کر لی ہے

صادق کمال نے محبت پاش نظروں سے ندیم کی طرف اور پھر صفیہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''خدا مجھے اتنی ہمت عطا کر دے کہ میں ان دونوں کو دنیا جہاں کے سکھ مہیا کر سکوں'' صادق کمال پر رقت طاری ہو گئی تھی۔لیکن انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔

صادق کمال ٹکٹکی باندھے ندیم کو دیکھ رہے تھے پھر سوچتے ہوئے بولے۔

صفیہ تمہارے ندیم اور یوسف میں بڑی مشابہت ہے۔بس رنگ ہی کا فرق ہے۔یوسف کا رنگ سرخ و سپید ہے اور ندیم کا رنگ گندمی''۔

کون یوسف؟ صفیہ بیگم نے حیرت سے اپنے خاوند سے پوچھا۔

صادق کمال مسکرا دیے۔

وہ بھی اب تمہارا ہی بیٹا ہے صفیہ اسے تو میں نے دو مہینہ پہلے ہی یہاں روانہ کر دیا تھا کیا آپ لوگوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔

نہیں تو ندیم نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا لیکن آپ ابو یہ تو بتائیں کہ پاکستان بننے کے بعد آپ کو ہم لوگوں کی اطلاع کیسے ملی

صادق کمال اب بھی مسکرا رہے تھے۔انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے سراج بھائی کے بارے میں اطلاع تو نوابزادہ صفدر جنگ سے ملی تھی۔ جو میرے کاروبار کے پارٹنر ہیں۔اور کچھ تھوڑے بہت حالات شہاب الدین کے لڑکے مسرور شہاب سے معلوم ہوئے۔جو ان دنوں سوئٹزرلینڈ آئے ہوئے تھے۔

وہیں یوسف اور مسرور آپس میں گہرے دوست ہو گئے۔ اور میرا خیال ہے یوسف شہاب الدین کے ہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ کیونکہ مسرور میاں نے چلتے ہوئے مجھ سے یہی کہا تھا۔

اور پھر وہ ادریس عالم سے مخاطب ہو گئے۔ میاں ادریس عالم ذرا شہاب الدین کو اطلاع کر دو مجھے تو ان سے بچھڑے ہوئے تقریباً چالیس سال ہو گئے ہیں'' میں حیران ہوں کہ شہاب الدین نے یوسف کو آپ لوگوں سے کیوں نہ ملوایا''۔

سراج الدین نے دھیرے سے جواب دیا انہوں نے تو کبھی ایسا ذکر تک نہیں کیا ابھی دو ہفتے پہلے وہ یہاں ریحانہ کی شادی میں شریک تھے لیکن پھر بھی کوئی ذکر نہ آیا۔

بھئی حد کر دی شہاب الدین صاحب نے بھی صادق کمال نے پہلو بدل کر کہا حالانکہ مسرور میاں کو تو یہ خوشی تھی کہ یوسف اور ان کی بہن کی شادی ہو جائے۔ اور اس سلسلے میں میں نے یوسف کو پہلے روانہ کر دیا تھا۔

کمرے کا ہر فرد اس جملے پر چونک گیا اور خاص ندیم اور صفیہ بیگم کو تو یوں چونکے جیسے بچھو نے ڈنگ مار دیا ہو۔ خورشید جہاں اور ارجمند بانو کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا وہ لوگ تو جب ندیم کا رشتہ لے کر آئے تھے تب بھی یوسف کا کوئی ذکر نہ آیا تھا۔

اور ندیم بیٹھا سوچ رہا تھا کہ یہ قدرت کی سب سے بڑی سزا ہے جو اسے کسی

ناکردہ گناہ کے عوض مل رہی ہے۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر چلا گیا صفیہ بیگم کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی ارجمند جلدی سے ندیم کے پیچھے لپکی۔

لیکن ندیم ارجمند کے برآمدے میں پہنچنے سے پہلے ہی کار سٹارٹ کر کے کوٹھی کے کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہا تھا۔ اس کی کار کی بیک لائیٹ اندھیرے میں دور تک سرخی کی لکیریں بکھیر رہی تھی۔

ندیم کے یوں اٹھ کر چلے جانے سے محفل یکدم پھیکی ہی پڑ گئی۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ گم سم بیٹھا تھا۔ خورشید جہاں، ارجمند بانو اور صفیہ بیگم کے ذہن میں صادق کمال کے کہے ہوئے جملے رہ رہ کر کچوکے لگا رہے تھے۔

کمرے کا سکوت نوکر کے آ جانے کے مجبہ سے درہم برہم ہو گیا جس نے کھانا تیار ہونے کی اطلاع دی تھی۔

اور صادق کمال نے سراج الدین کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

چلیے سراج بھائی آج تو مجھے بڑے عرصے بعد چٹ پٹے کھانے کھانے کو ملیں گے۔

اور سراج الدین جواب میں قہقہہ لگاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

چلیے صادق میاں۔ وہ قدم بڑھاتے ہوئے بولے۔

کھانے کی میز پر بھی خاموشی طاری تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے عرصہ دراز سے کوئی بچھڑا ہوا اس گھر میں لوٹ کر نہیں آیا۔ بلکہ اس گھر کی کوئی بہت عزیز ہستی اس گھر سے روٹھ کر چلی گئی ہے۔

صفیہ بیگم بڑی بد دلی سے کھانا کھا رہی تھیں ۔اور یہی حال ارجمند بانو اور ان کی ساس خورشید جہاں کا تھا.....

صادق مال کو یہ خاموشی زیادہ کھلی تو بول پڑے ۔

کیوں سراج میاں ہماری آمد سے آپ لوگ خوش نہیں ہیں کیا؟

کیا مطلب؟ سراج الدین کھانا کھاتے کھاتے یکدم چونک کر بولے میں ذرا آپ کے اس جملے کی وضاحت چاہتا ہوں ۔

بھئی میرا مطلب ہے صادق مال کا وہی قہقہہ گونج گیا آخر یہ کھانے پر اتنی خاموشی کیوں ہے؟

''او اب سمجھا'' سراج الدین نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا ''صادق میاں دراصل بعض اوقات بے انتہا خوشی انسان کو گنگ کر دیتی ہے ۔اور یہی عالم یہاں سب کا ہے''۔

ابھی ادریس عالم کوئی جواب نہ دینا چاہتے تھے ۔کہ بابا رحیمو نے آ کر گفتگو کا رخ بدل ڈالا ۔

ٹیلی فون پر ڈاکٹر ارشد صاحب آپ کو بلا رہے ہیں ۔ بابا رحیمو نے سراج الدین کے پاس جا کر کہا.....

سراج الدین لپک کی ٹیلی فون سننے چلے گئے تھے ۔ڈاکٹر ارشد ان کے بہت ہی قریبی دوستوں میں سے تھے ۔

ہیلو ارشد صاحب اسلام علیکم سراج الدین نے ماؤتھ پیس اٹھا کر کہا ۔

وعلیکم اسلام ڈاکٹر راشد کی آواز دوسری طرف سے سنائی دی۔وہ ندیم صاحب کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور انہیں زخمی حالت میں ہسپتال لایا گیا ہے۔اگر آپ آجائیں تو بہتر ہے میں اپریشن روم میں جا رہا ہوں''۔

جی سراج الدین ہکلا کر رہ گئے۔ میں میں ابھی پہنچتا ہوں۔وہ پریشانی کے عالم میں سلسلہ منقطع کر کے اندر کی طرف لپکے۔

ڈائننگ روم میں جونہی اندر داخل ہوئے سب سے پہلے صفیہ بیگم کی نظریں سراج الدین کے چہرے پر پڑیں۔ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑتے دیکھ کر وہ یکدم بوکھلا کر بولیں.....

''بھیا خیریت تو ہے نصیب دشمناں چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں''۔

''نہیں ایسی گھبرانے کی بات نہیں صرف کاروباری ٹیلی فون تھا۔آپ لوگ اطمینان سے کھانا کھائیں میں ابھی لوٹ کر آتا ہوں''۔

اور سراج الدین کسی کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی کمرے سے باہر نکل گئے۔

بھئی کمال کر دیا۔سراج الدین نے صادق کمال نے حیرت سے اس در کو گھورے چلے جا رہے تھے جس کے پیچھے سراج الدین کا سراپا گم ہو گیا تھا۔

سراج الدین نہ چاہتے تھے کہ اس خوشی کے موقع پر یہ خبر سب کے ارمانوں پر بم کی طرح پھٹے۔اور سب پریشان ہو جائیں۔وہ خود ہسپتال جا کر حالات معلوم کرنا چاہتے تھے۔اور ارشد نے بلایا بھی انہیں ہی تھا۔ایکسیڈنٹ کیسے ہو گیا۔

خدایا فضل کرے۔وہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے انہی خیالوں میں الجھے ہوئے تھے اوران کے بائیں پاؤں کا دباؤ ایکسلیٹر پر بڑھتا جارہا تھا۔وہ جلد از جلد سنٹرل ہوسپٹل پہنچ جانا چاہتے تھے۔

لیکن ہوسپٹل پہنچ کران کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔انہیں اپریشن روم کے باہر ڈاکٹر راشد کا انتظار کرنا پڑا۔اگر ارشد باہر ہوتے تو وہ انہیں ضرور اپنے ہمراہ اپریشن تھیٹر لے جاتے۔انہوں نے رسٹ واچ پر نگاہ دوڑائی رات کے نو بج رہے تھے۔انہوں نے برآمدے میں ٹہلنا شروع کردیا۔

تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد ارشد اپریشن تھیٹر سے باہر نکلے ان کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر سراج الدین سکتے کے عالم کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ ڈاکٹر سراج الدین کو ہمراہ اپنے کمرے میں لے آئے۔سراج الدین اب تک ضبط کیے بیٹھے تھے۔ان سے رہا نہ گیا۔انہوں نے ڈاکٹر سے پوچھ لیا۔

''ندیم میاں کی حالت کیسی ہے''۔

ڈاکٹر ارشد نے سراج الدین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

''فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا'' ڈاکٹر ارشد کی آواز بھرائی ہوئی تھی لیکن پھر بھی ان کی آواز میں ناامیدی نہیں ٹپکتی تھی۔

''کیا زخم سیریس ہیں''۔ڈاکٹر ارشد کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بولے۔

''جی ہاں سراج بھائی۔لیکن میں نے بری محنت سے ہر زخم کو اچھی طرح سے صاف کر کے ڈریسنگ کردی ہے۔ونڈ اسکرین کا ایک کافی بڑا شیشے کا ٹکڑا ان کی

پسلیاں زخمی کر گیا ہے۔خون بے حد بہہ گیا ہے تین گھنٹے تک میں کچھ وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔

''میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں'' سراج الدین تقریباً روہانسے ہو گئے۔

''جی ہاں ضرور میں خود بھی انہیں دیکھوں گا۔ مجھے آپریشن کا ری ایکشن نوٹ کرنا ہے ذرا انہیں بیڈ پر لے جائیں تو چلتے ہیں''۔

اتنے میں ایک نرس چند ایکسرے پرنٹ لے آئی جو بالکل ہی اچھے تھے۔

ڈاکٹر ارشد نے جلدی جلدی ایکس پرنٹ دیکھنے کے بعد سراج الدین سے کہا۔

''سراج بھائی اللہ کا بڑا فضل ہے گھبرانے کی کوئی بات نہیں کوئی زخم بغیر ڈریسنگ کے نہیں رہ گیا۔میرے خیال میں صبح تک انہیں ہوش آ جائے گی''۔

''یس ڈاکٹر'' اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔اور ایکسرے پرنٹ اکٹھے کرنے لگی۔

''چلیے سراج بھائی'' ڈاکٹر نے اسٹیتھو اسکوپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

سراج الدین ڈاکٹر ارشد کے ہمراہ جب کمرے میں پہنچے تو پہلی ہی نظر میں ندیم کو بالکل نہ پہچان سکے۔ان کا تمام چہرہ اور جسم پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔اور جتنا حصہ کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا وہ بالکل سفید ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر ارشد نے ڈیوٹی نرس سے بلڈ ریزلٹ لانے کو کہا۔اور خود آگے بڑھ کر ندیم کی سانس اور نبض کا معائنہ کرنے لگے۔سراج الدین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے وہ بڑا ضبط کیے کھڑے تھے۔ڈاکٹر ارشد نے معائنہ کے بعد اطمینان کا

سانس لیتے ہوئے کہا۔

''سراج بھائی مبارک ہو سانس اور نبض کی حالت بالکل تسلی بخش ہے۔بس ذرا بلڈ رزلٹ آجائے''۔

نرس بلڈ رزلٹ لے کر آ گئی تھی۔ ڈاکٹر نے بلڈ رزلٹ پڑھا ان کی آنکھوں میں ذرا سی تشویش جھلک آئی تھی لیکن پھر اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے کاغذ کی پشت پر لکھ کر نرس کو دیتے ہوئے کہا۔

''تم جلدی سے کسی کو بھیج کر بلڈ بینک سے بلڈ باٹل منگوالو اور خود بلڈ باٹل ہینگر اور بنڈل وغیرہ تیار کرو''

''یس ڈاکٹر'' اور نرس جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

ڈاکٹر ارشد نے ندیم کے سرہانے رکھی ہوئی ٹیبل پر سے ٹرے میں سے سرنج نکالی اور انجکشن کی تیاری کرنے لگا۔

انہوں نے کورامین اور گلوکوز ملا کر ندیم کو انجکشن چڑھایا۔نرس اتنی دیر میں ہینگر اور بلڈ دینے کی نلکی اور دوسرا سامان لے کر آ گئی۔ بلڈ باٹل کے آتے ہی ڈاکٹر نے جلدی جلدی ندیم کو بلڈ دینا شروع کر دیا۔

دس منٹ تک وہ کھڑے بلڈ کی مقدار کا جائزہ لیتے رہے۔اور جب وہ ہر طرف سے مطمئن ہو گئے تو نرس سے چارٹ لے کر اس پر ہدایت لکھنے لگے۔

کھانے کے بعد سب لوگ ڈائننگ روم میں آ گئے تھے۔لیکن جو پہلے والی مسرت اور شادابی سب کے چہروں پر تھی کہیں دکھائی نہ دے رہی تھی۔سب ہی

خاموش اور آزردہ بیٹھے تھے۔ سراج الدین کو گئے تقریباً دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ انتظار کرتے کرتے سب ہی تھک چکے تھے۔ اور پھر ایک ایک کر کے سب ہی اپنے اپنے بستروں میں سونے کے لیے جانے لگے۔

ادریس عالم، صادق کمال کو لیے ہوئے اپنے کمرے میں چلے آئے۔ صادق کمال کا سفر سے تھکے ہوئے تھے۔ کمرے میں آتے ہی سو گئے۔ ادریس منزل میں ہر طرف خاموشی تھی۔ لیکن ارجمند ان کی ساس خورشید جہاں ان کی والدہ فاخرہ بیگم اور صفیہ بیگم جاگ رہی تھیں جانے کیوں صفیہ بیگم کا دل اندر ہی اندر سے بیٹھا جا رہا تھا۔ انہوں نے دو مرتبہ اس دوران اپنے گھر ٹیلی فون کیا تھا۔ لیکن دونوں ہی مرتبہ ٹیلی فون کسی نے نہ اٹھایا تھا انہیں رہ رہ کر ندیم کا خیال آ رہا تھا۔ اور دل سے دعائیں نکل رہی تھیں کہ اللہ ندیم کا تو ہی محافظ اور مددگار ہے۔

ادریس عالم بڑی دیر تک برآمدے میں ٹہلتے رہے۔ اور پھر تھک کر وہ وہیں آرام کرسی پر بیٹھ گئے۔ وہ کئی مرتبہ سوچ چکے تھے کہ خود ہی ڈاکٹر ارشد کو ٹیلی فون کر کے حالات معلوم کریں۔ انہوں نے گھڑی پر نگاہ دوڑائی رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ اب تو ان کا حوصلہ بھی جواب دے گیا تھا۔ وہ ڈاکٹر ارشد کو ٹیلی فون کرنے کے لیے اٹھنا ہی چاہتے تھے کہ سراج الدین کی کار گیٹ میں داخل ہوئی وہ لپک کر پورچ میں پہنچے۔

ادریس عالم کو یوں انتظار میں بیٹھے دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ انہیں فوراً ہی یہ خیال گزرا کہ کہیں یہ ان سب کو بھی تو ندیم کی اطلاع نہیں مل گئی جس سے یہ

پریشان اور فکر مند ہیں..... کار کا انجن بند کر کے وہ باہر نکل آئے.....

''کیوں خیریت تو ہے سراج بھائی ڈاکٹر ارشد نے کیوں بلوایا تھا؟''

ادریس عالم کے اس جملے سے انہیں احساس ہو گیا تھا کہ انہیں ابھی تک حادثہ کی اطلاع نہیں ملی ہے۔

انہوں نے اس سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

کیا سب لوگ سو گئے ہیں؟

نہیں عورتیں تقریباً سب ہی جاگ رہی ہیں۔ ادریس عالم نے کہا اور صفیہ بیگم تو کچھ زیادہ ہی پریشان ہیں۔ کیونکہ ندیم بھی تو ابھی تک نہیں آئے۔

سراج الدین کی کار کی آواز سن کر فاخرہ بیگم معہ صفیہ بیگم خورشید جہاں اور ارجمند بانو کے باہر برآمدے میں نکل آئیں۔

''ارے آپ لوگ سب ہی ابھی تک جاگ رہی ہیں''۔ سراج الدین نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''میں خدانخواستہ کہیں محاذ پر تو نہیں چلا گیا تھا۔ جو تم یوں اب تک انتظار کر رہی ہو۔ اور فاخرہ بیگم یکدم چونک کر بولیں۔

''محاذ پر گئے ہیں یا نہیں لیکن آپ کا یوں چلے جانا یقیناً کسی بہت بڑے اور اہم حادثے کی پیشگوئی ہے کیونکہ آپ اس سے پہلے تو یوں بن بتائے کہیں غائب نہیں ہوئے''۔

سراج الدین مسکرا دیے۔

''واہ بیگم واہ تم بڑی اچھی جرح کرتی ہو۔ مان گئے ہم کم از کم ہمارے ساتھ

رہنے کا اتنا فائدہ تو ہوا تمہیں'' ہنس کر انہوں نے پریشانی دور کرنی چاہی۔

ادریس عالم نے خورشید جہاں سے کہا۔

''بیگم تم سراج بھائی کے لیے کھانا لگوا دو انہوں نے کھانا بھی تو نہیں کھایا''۔

''نہیں نہیں خورشید بہن تم تکلیف نہ کرو۔ اب کھانے کی حاجت نہیں رہی''۔

''تھوڑی سی چاء پی لیجیے'' ادریس عالم نے ان کے تھکے ہوئے چہرے کو دیکھ کر کہا۔

''ہاں یہ بڑا اچھا ہوگا اگر چاء کی ایک گرم گرم پیالی مل جائے''

خورشید جہاں اندر کی طرف لپکیں۔

سراج الدین چاہتے تھے کہ سب عورتیں اندر چلی جائیں تو وہ ادریس عالم سے مکمل بات کر سکیں۔ وہ سب کو بتانے سے پہلے مشورہ لینا چاہتے تھے۔ کمرے میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

فاخرہ بیگم نے ارجمند بانو سے کہا۔

جاؤ بیٹی ذرا پاندان تو اٹھا لاؤ۔

''ارے ارے اب ہمارے حال پر رحم کرو کیا رات بھر جاگنے کا ارادہ ہے؟''

سراج الدین نے مسکراتے ہوئے کہا ''خدا کے لیے تم پاندان یہاں نہ منگواؤ کیونکہ جہاں عورتوں کو پاندان مل گیا وہاں سمجھ لو رات بھر جاگنے کا انتظام ہو گیا''۔

بس یہی ذرا سا جملہ کافی تھا فاخرہ بیگم فوراً غصہ میں آ گئیں۔

بس تمہیں تو میرا پان کھانا ہمیشہ ہی سے کھلتا ہے۔ ایک تو تمہارے جانے کی

وجہ سے جان بوکھلا کر رہ گئی تھی۔ کھانے کے بعد سے ابھی تک منہ میں ایک پتہ پان نہ رکھا تھا۔

اب طبیعت ذرا بحال ہوئی تھی تو تم نے جلا کر رکھ دی''۔

ادریس عالم مسکرا دیے۔

فاخرہ بہن آپ جا کر پان کھا لیجیے۔ سراج بھائی تو خواہ مخواہ تنگ کرتے ہیں''۔

فاخرہ بیگم اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ ان کے پیچھے پیچھے صفیہ بیگم اور ارجمند بانو بھی چلی گئیں تھیں۔ لیکن صفیہ بیگم کی تشویش ابھی تک کم نہ ہوئی تھی۔

ان سب کے جاتے ہیں سراج الدین نے ادریس عالم سے کہا۔

ادریس بھائی آپ ذرا گیلری سے ٹیلی فون اٹھا کر اندر لے آیئے۔

اور ادریس عالم حیرت سے سراج الدین کا منہ تکتے ہوئے جا کر ٹیلی فون اٹھا لائے۔

اور ان کے قریب ہی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا.....

''سراج کچھ مجھے بھی تو بتا دیں'' ادریس عالم نے دھیرے سے کہا۔

ادریس بھائی اسی لیے تو میں نے عورتوں کو یہاں سے بھگا دیا ہے'' اور پھر انہوں نے دھیرے دھیرے حادثہ کی تمام اطلاع انہیں سنا دی۔

ادریس عالم کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی۔

خدایا خیر تو ہی پالن ہار ہے وہ بڑبڑائے۔

ادریس بھیا ندیم سنٹرل ہوسپٹل میں ڈاکٹر ارشد کے زیر علاج ہے دعا کرو اللہ

انہیں جلدی صحت کل عطا فرما دے''۔

''آمین'' ادریس عالم نے دھیرے سے کہا۔

''اب تم یہ بتاؤ یہ سب کو کیسے سنائی جائے'' سراج الدین نے ادریس عالم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال میں یہ خبر صادق بھائی کو ضرور دے دینی چاہیے''۔

مجھے تو صفیہ بہن کا خیال آ رہا ہے اس حادثہ کو سن کر ان پر کیا بیتے گی''۔ سراج الدین کی آواز بڑی مدھم سی تھی۔

''سراج بھائی'' ادریس عالم نے سراج الدین کے قریب کھسکتے ہوئے کہا۔

آخر دیر سویر یہ اطلاع تو سب کو مل ہی جائے گی۔ تو کیوں نہ سب کو بتا ہی دیا جائے۔ ہمیں اس حادثہ کا مردانہ وار مقابلہ کرنا ہوگا''۔

خورشید جہاں چائے کی کشتی اٹھائے اندر آ گئی تھیں۔

ارے خورشید بہن آپ نے اتنی تکلیف کیوں کی۔ سراج الدین نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ماما کو جگا لیتیں۔

''بچاری صبح سے کام کرتے کرتے تھک جاتی ہے اب رات کو بھی اسے چین نہ لینے دیں تو کیا کہے گی انہوں نے ٹرے میز پر رکھ دی۔

''ارے آپ تو اچھا خاصا سامان اٹھا لائی ہیں'' سراج الدین نے حلوے کی پلیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ دوپہر سے بغیر کھائے پیے گھوم رہے ہیں کم از کم'' اور ان کی باقی آواز

ٹیلی فون کی گھنٹی میں دب گئی۔

سراج الدین نے رسیور اٹھالیا۔

''ہیلو ہاں ہاں میں سراج الدین ہی بول رہا ہوں۔

ندیم صاحب بالکل آؤٹ آف ڈینجر ہیں انہیں تھوڑی تھوڑی ہوش آ گئی ہے''۔

دوسری طرف سے نرس آن ڈیوٹی کی آواز آئی۔

تھینک یو نرس کیا ڈاکٹر ارشد صاحب چلے گئے ہیں یا ابھی ہوسپٹل ہی میں ہیں''۔

وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہے ہیں وہ صرف ندیم صاحب کی خاطر آج گھر نہیں گئے۔ ان کے سپیشل آرڈر ہیں کہ ذرا ذرا سی تبدیلی کی اطلاع انہیں دی جائے''۔

وہ ریسیور کریڈل میں رکھتے ہوئے بڑبڑائے

''تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے میرے معبود.....''

خورشید نے حیرت سے سراج الدین کی طرف دیکھا۔ اور پھر اپنے خاوند کی طرف دیکھنے لگیں۔

سراج بھائی خدا کے لیے یہ کیا معمہ ہے''۔ خورشید جہاں تقریباً روہانسی ہو گئی تھیں۔

''آپ بتاتے کیوں نہیں جی'' وہ ادریس عالم سے بولیں۔

ادریس عالم نے سراج الدین کی طرف دیکھا۔

سراج الدین نے چاء کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ادریس بھائی آپ خورشید بہن کو بتا دیں ندیم اب بالکل آؤٹ آف ڈینجر ہیں''۔

''کیا!''خورشید جہاں یکدم بوکھلا گئیں تھیں۔

''اوہو بیگم اس لیے تو ہم تم لوگوں کو بتانا نہ چاہتے تھے۔تم ذرا ذرا سی بات پر آسمان سر پر اٹھا لیتی ہو.....''

''اے کچھ بتاؤ بھی کیوں تمہید باندھے چلے جا رہے ہو''خورشید جہاں حیرت سے ادریس عالم کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

اور ادریس عالم نے تمام واقعہ انہیں سنا دیا۔

''اور ابھی ابھی ہوسپٹل سے نرس نے اطلاع دی تھی کہ وہ بالکل آؤٹ آف ڈینجر ہیں''سراج الدین نے دھیرے سے کہا''اب آپ خورشید بہن کسی طریقہ سے صفیہ بہن کو یہ اطلاع دیں انہیں بہت صدمہ ہوگا''۔

''وہ ہیں کون سے ہوسپٹل میں''خورشید جہاں نے پوچھا۔

''سنٹرل ہاسپٹل میں''ادریس عالم نے مختصر سا جواب دیا۔

خورشید اندر چلی گئیں.....

ان کے جاتے ہی اندر بھگدڑ مچ گئی یوں محسوس ہونے لگا جیسے یکدم ہی کوئی مچھلی بازار گرم ہو گیا ہو۔ایک شور قیامت اندر تھا۔لیکن صفیہ بیگم جن کا سب کو

اندیشہ تھا بڑے حوصلہ سے بیٹھی تھیں۔ وہ ہمیشہ سے حوصلہ مند رہیں تھیں آج بھی ان کا حوصلہ برقرار تھا۔

مولا تو ہی میرے بچے کی زندگی رکھنے والا ہے۔ انہوں نے بڑے درد بھرے لہجے میں دعا مانگی۔

شور سنکر ادریس عالم اندر آ گئے۔ انہوں نے صفیہ بیگم کا چہرہ دیکھا۔ وہاں وہی استقلال اور ہمت قائم ہے۔ اور انہیں آج اس بات کا احساس ہو گیا کہ صفی بہن وہ مجاہد ماں ہیں جن کا ذکر تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جاتا ہے۔ جو اپنے خون سے سینچے ہوئے پودوں کو اپنے ہاتھ سے زرہ بکتر اور ہتھیاروں سے لیس کر کے میدان جنگ میں روانہ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ اگر پیٹھ دکھا کر بھاگے تو دودھ نہ بخشوں گی۔ شہید ہو گئے خدا سے جا ملو گے۔ اور اگر فتح یاب ہو کر لوٹے تو غازی کہلاؤ گے۔ میرا بے بہا پیار اور محبت تمہاری منتظر ہو گی۔ وہ جانتی تھی کہ موت اور حیات خدا کے ہاتھ میں ہے۔ انسان تو ایک حقیر سا کیڑا ہے۔ جس کی اپنی کوئی وقعت نہیں.....

صبح تک سب نے یہ رات سوتے جاگتے گزاری۔ بارگاہ الٰہی میں دعائیں مانگتے گزاری۔ وہی سب سے بزرگ و برتر ہے۔ وہی سب کی بگڑی بنانے والا ہے وہی قادر مطلق ہے۔

☆☆☆

باب ۱۲

نگار ندیم کو ڈھونڈ تے ڈھونڈ تے پریشان ہو گئی تھی ۔ ڈریم لینڈ میں ٹیلی فون کرتے کرتے تھک چکی تھی ۔ آج تیسرا دن تھا۔ لیکن وہ اسے مل نہ سکا تھا۔ ہوٹل منیجر ارشد خواہ مخواہ حیران تھا کہ ندیم کہاں چلا گیا ہے ۔ کیونکہ وہ اس کا ایک ایسا مستقل گاہک بن چکا تھا جس سے اسے ہمدردی اور انس ہو گیا تھا۔

نگار کے بار بار پوچھنے پر اب تو ارشد کو بھی تشویش ہو گئی تھی ۔ اس نے نگار سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ پتا لگانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن ندیم کا سراغ نہ مل سکا۔

دوپہر بعد نگار نے ڈریم لینڈ میں پھر ٹیلی فون کیا۔

ہیلو ارشد صاحب کہیے کوئی اطلاع ملی؟

نہیں مس نگار مجھے تو بالکل مایوسی ہوئی ہے۔

اچھا تو میں آج ان کی کوٹھی جاؤں گی۔

ارے آپ کو ان کی کوٹھی کا نمبر پتہ ہے ۔ ارشد نے حیرت سے پوچھا۔ ''آپ مجھے نمبر دے دیں میں پتہ کروا لیتا ہوں ۔ ارشد نے پیش کش کی۔

نہیں آپ کا بہت بہت شکریہ ۔ پہلے کیا کم تکلیف دی ہے ۔ میں نے آپ کو مجھے تھوڑا سا اس علاقہ میں کام ہے ۔ میں خود ہی وہاں چلی جاؤں گی''۔ اور اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

نگار کے ڈیڈی آفس جا چکے تھے ۔ اس نے اپنی فیٹ گاڑی نکالی اور ندیم کی کوٹھی کی طرف چل دیں ۔ وہ جلد از جلد وہاں پہنچ جانا چاہتی تھی ۔ کالج میں امتحان

کی تیاریوں کی چھٹیاں ہو چکی تھیں۔ وہ ندیم کے بارے میں معلوم کر کے نغمہ کے پاس جانا چاہتی تھی۔

ندیم کی کوٹھی کے پورچ میں پہنچ کر اس نے کار کا انجن بند کر کے انتظار کیا کہ کہیں وہی سیاہ السیشن استقبال کرنے نہ پہنچ جائے۔ پھر چاروں طرف دیکھ کر اطمینان کرتی ہوئی وہ کار سے باہر نکل آئی.....

لان کا گوشہ گوشہ بالکل اسی طرح سجا ہوا تھا اس نے کال بیل بجائی تھوڑی دیر میں اندر سے نوکر نکلا۔

''بیگم صاحبہ گھر پر ہیں.....؟''

''جی وہ تو آج تین دن سے ادریس منزل گئی ہوئی ہیں''۔

''ادریس منزل'' نگار کو یہ نام کچھ مانوس سا سنائی دیا''۔

''اچھا تو تمہارے صاحب کہاں ہیں''۔

''جی وہ بھی ان کے ہمراہ ہیں''۔

''اچھا'' وہ تھوڑی دیر کھڑی سوچتی رہی کہ ادریس منزل کا اس سے پہلے اس نے کہاں ذکر سنا تھا اور پھر اسے یکدم ہی یاد آ گیا نغمہ نے کئی مرتبہ ادریس منزل کا نام لیا تھا اور ایک دو مرتبہ ڈیڈی نے بھی باتوں باتوں میں ادریس منزل کا ذکر کیا تھا۔

وہ خاموشی سے کار لے کر نغمہ کی طرف چل دی۔

مشرقی دالان میں انہیں نجمہ بیگم بیٹھی نظر آ گئیں۔ جو غفورے سے سودا سلف کا

حساب لے رہی تھیں۔

''آداب خالہ جان''۔

''جیتی رہو بیٹی'' نجمہ بیگم نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ اس مرتبہ تو بہت دنوں بعد آئی ہو۔ تمہاری خالہ کی طبیعت اب کیسی ہے۔ مجھے تو نغمہ نے بتایا تھا۔ کہ ان پر فالج ہو گیا تھا''

''جی ہاں خالہ جان۔ حالت کچھ بہتر ہو گئی تھی۔ لیکن وہ علاج کے لیے انگلینڈ چلی گئی ہیں''۔ نگار نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا خالہ جان یہ نغمہ بی بی کہاں ہیں..... نظر نہیں آ رہیں''۔

نجمہ بیگم مسکراتے ہوئے بولیں۔

''وہ ابھی ابھی سو کر اٹھی ہے بوا نصیبن ابھی ناشتہ لے کر گئی ہے''۔

''اچھا میں بھی وہیں چلتی ہوں۔ اور ہاں اگر تھوڑا سا بچا ہوا حلوہ.....''

''نجمہ بیگم کھلکھلا کر ہنس دیں۔ تم کمرے میں پہنچو۔ میں ابھی بھجوا دیتی ہوں''

اور نگار مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

نغمہ مسہری پر بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی۔ بوا نصیبن چارپائی کے قریب ہی بیٹھی تھی۔

''ارے تم'' وہ سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بولی ''تم کہاں راستہ بھول نکلیں جب بھی تمہارے ہاں ٹیلی فون کیا پتہ لگا بی بی جی باہر گئی ہوئی ہیں.....''

''جی ہاں تم اتنا بوکھلا کیوں گئی ہو'' نگار اس کے قریب ہی مسہری پر بیٹھ کر بے تکلفی سے بیٹھ گئی.....

''بوا'' نگار نے بوا سے کہا۔ ''ذرا تم جلدی سے ایک پلیٹ حلوہ اور کوئی بھی عمدہ سی چیز موجود ہو تو ذرا لپک کر لے آؤ.....'' بوا نصیبن ہنس دیں۔

''ابھی لائی بیٹی تم ذرا نغمہ بی بی کی طبیعت بہلا دو۔ یہ تین دن سے بس روئے چلی جا رہی ہیں''۔

''تم جاؤ بوا نصیبن میں ان سے نبٹ لوں گی''۔

بوا کے جاتے ہی وہ نغمہ سے متوجہ ہوئی.....

''ہاں تو بنو اب بتاؤ تمہیں کیا تکلیف ہے۔ تمہیں کتنا کہا ہے کہ بات بات پر یونہی رونے نہ بیٹھ جایا کرو''۔

''نگار'' وہ رقت بھرے لہجہ میں بولی ''اب تو اس زندگی میں سوائے رونے کے اور رہا ہی کیا ہے بے''۔

''ارے کیوں ایسی باتیں کرتی ہو بتاؤ تو سہی آخر کیا مصیبت آ گئی ہے'' نگار جھلا گئی۔

نغمہ نے آنکھیں اوپر اٹھائیں آنسوؤں سے تر آنکھیں دیکھ کر نگار تڑپ اٹھی۔

''خدا کے لیے نغمہ بتاؤ کیا ہوا ہے.....

اور نغمہ نے ابو اور امی کی تمام.....

وہ اب تک نہ سنبھلی تھی۔ وہ بالکل بت بنی.....

''تمہیں یقین ہے خالو جان نے بھی یہی کہا تھا.....

''ہاں ہاں نگار میں کیا کروں۔ اور کیا نہ کروں۔ میں تو اپنی ہی

نظروں.....

گئی ہوں۔ امی اور ابو مجھے نہ جانے کیسی کیسی نظروں سے گھورتے ہیں'' وہ مسلسل روئے چلی جا رہی تھی۔

''نغمہ حوصلہ رکھو'' نگار نے کچھ سوچتے ہوئے دلاسہ دیا۔ ''دیکھو انسان کو زندگی میں بڑے بڑے نشیب و فراز سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگر انسان یوں گھبرا اٹھے تو ٹھیک نہیں''۔

''لیکن نگار مجھے اب اس زندگی سے کوئی پیار نہیں۔ مجھے اب کسی سے لگاؤ نہیں۔ میں تو چاہتی ہوں مجھے موت آ جائے۔ اور میں اس ذہنی کش مکش سے نجات حاصل کر لوں''۔

''پھر وہی بے وقوفوں کی سی باتیں تم تو رو رو کر مجھے بھی پریشان کر رہی ہو۔ مجھے کچھ سوچنے کا موقع دو.....''

''کاش مجھے معلوم ہوتا..... کہ میرے قدموں کی یہ ذرا سی لغزش میرا اتنا بڑا جرم بن جائے گی۔ اور میں یوں ذلیل ہو کر رہ جاؤں گی.....!''

''پگلی'' نگار نے اس کے آنسوؤں سے تر عارض دوپٹہ سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''تم نے کوئی جرم نہیں کیا محبت تو ایک ایسا فعل ہے جو انجانے میں ہو جاتا ہے۔

.....لیے جائیں۔ تو پھر یہ جذبہ پھر بھی کسی نہ

.....اس میں نہ تمہارا قصور ہے نہ ہی ندیم کا

.....ان پھنسے ہوں۔اور محض یہ سوچ سوچ کر اپنے آپ کو

.....ابو اور امی مجھ سے نالاں ہیں۔کوئی عقلمندی نہیں''۔

نگار کی باتوں سے اسے ذرا تقویت مل گئی تھی۔نگار نے اسے چائے بنا کر پیالی دیتے ہوئے کہا۔

''تم اطمینان سے چائے پیو۔میں ذرا اس گتھی کو سلجھا لوں''۔

نغمہ دھیرے دھیرے چاء پینے لگی۔

بوا صبین دوسرے ٹرے لے کر آ گئیں تھیں۔

''لو بیٹا خوب سیر ہو کر ناشتہ کرو۔اور بیٹا کو بھی کھلاؤ۔انہوں نے تو رات کھانا بھی نہیں کھایا''۔

''تم بالکل فکر نہ کرو بوا۔اب یہ بالکل فاقہ نہ کریں گی''۔

''جیتی رہو بیٹی خدا تمہیں خوش رکھے'' بوا دعائیں دیتیں کمرے سے چلی گئیں۔

نگار نے حلوے کی پلیٹ اٹھا کر نغمہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''لو کھاؤ اور بھول جاؤ کہ تم سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے۔مجھے یقین ہے کہ صفیہ بیگم کی شرافت اور نیک سیرتی پر ان کے دشمنوں نے الزام لگایا ہے''۔

''یہ بات یقیناً ایک نہ ایک دن کھل ہی جائے گی''۔

''تم یہ سب اپنے وثوق سے کہہ رہی ہو'' نغمہ نے حیرت سے پوچھا۔

جیسے تمہارے ابو اور ریحانہ نے کہا ہے۔یہ سب صرف ریحانہ سے شادی نہ

کرنے کے جرم میں اس غریب پر الزام لگائے جا رہے ہیں مجھے یقین ہے''
اور نغمہ لاجواب ہو کر کھسیا گئی۔

''اسی لیے تو کہتی ہوں کہ عقل سے کام لیا کرو لیکن نہیں'' وہ خود ہی مسکراتے ہوئے بولی ''محبت عورت کو شکی اور جذباتی بنا دیتی ہے۔ اور اس سے اس کی عقل مفقود ہو کر رہ جاتی ہے''۔

''نگار سچ مچ تم ایل ایل بی میں داخلہ لے لو۔ وکالت خوب چلے گی۔ نغمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو۔ تمہارے ابو بھی وکیل ہیں نا۔ اور نغمہ خاموش ہو کر رہ گئی۔ جب ہی تو وہ بھی۔

''اچھا تم بتاؤ کہیں دوبارہ ندیم سے ملاقات ہوئی'' نگار نے سوچتے ہوئے نغمہ سے پوچھا۔

''نہیں اول تو میں نے ان دنوں زیادہ وقت گھر پر ہی گزارا ہے۔ ایک دو مرتبہ شاپنگ کے لیے گئی تھی لیکن ایسا کوئی اتفاق نہ ہوا''۔

''ہوں'' نگار نے ایک لمبا سا سانس لیا.....

''میں بھی انہیں تین دن سے تلاش کر رہی تھی۔ وہ ان تینوں دنوں ڈریم لینڈ میں نہیں آئے۔ آج ان کی کوٹھی پر جا کر معلوم ہوا کہ وہ تو تین دن سے ادریس منزل گئے ہوئے ہیں''۔

''ادریس منزل'' نغمہ چونک گئی اور اس کی نگاہوں میں کتنے ہی حسین منظر گھوم

گئے۔

''میں نے تم سے ادریس منزل کا نام پہلے بھی سنا ہے'' نگار نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

''ارے وہ عائشہ کے سسرال والے ہیں نا'' نغمہ نے یاد کرایا۔

''ہاں ہاں اب مجھے یاد آ گیا ہے'' نگار بول اٹھی۔ میں تو بڑی دیر سے یاد کر رہی تھی لیکن یاد ہی نہ آ رہا تھا۔

''ہوں تب تو معاملہ بالکل صاف ہے'' نگار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کہ اس رشتہ سے ادریس منزل والے تمہارے بھی رشتہ دار ہوئے۔ لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ ندیم کا اور ان کا کیا رشتہ ہے''۔

''میرا خیال ہے'' نغمہ سوچتے ہوئے بولی ''فیاض' ریاض اور قیوم ندیم کے چچا زاد یا ماموں زاد بھائی ہیں''۔

''ذات برادری تو ایک ہے۔ اب ذرا یہ بیچ کا کانٹا نکل جائے تو سمجھو معاملہ بالکل ٹھیک ٹھاک'' اور پھر اس نے بڑی بوڑھیوں کی طرح کہا ''ہڈی گودا تو صاف ہے۔

''تم پھر اپنی حرکتوں پر اتر آئی ہو.....'' نغمہ روہانسی ہو گئی۔

''نگار نے ایک گھونسا اس کی کمر پر رسید کیا تم بالکل اطمینان رکھو میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ ندیم کے بارے میں جو خبریں مشہور ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں''۔

نغمہ نے ایک آہ بھر کر کہا ''نگار تم افسانوی باتیں کر رہی ہو۔ حقیقی دنیا میں ان خیالات کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ سماج اور سماج کے ٹھیکیدار کبھی ان باتوں پر یقین نہیں کرتے اور نہ وہ کریں گے۔ وہ تو خود جس نظریہ سے سوچتے ہیں۔ وہی ان کا ایمان ہے جسے ہم تم کبھی بدل نہیں سکتے''۔

''لیکن ذات باری تعالیٰ سے مایوس ہونا بھی تو گناہ ہے۔ میں تو اب بھی یہی کہوں گی کہ یہ الزامات ان ہی سماج ٹھیکیداروں کے تراشیدہ ہیں۔ کیونکہ جب ایک عورت بے سہارا ہو تو اسے ہر طرف سے للچائی ہوئی نظروں سے گھورا جاتا ہے۔ اسے عجیب عجیب طریقوں سے حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کی جاتی ہے۔ اور جب وہ ان کی مرضی کے مطابق عمل نہیں کرتی تو اس پر بہتان لگائے جاتے ہیں۔ الزامات تراشے جاتے ہیں۔ اخیر وہ ہر جگہ سے مایوس ہو کر ان کے سامنے جھک جائے۔ نگار کی آواز میں شوخی اور تلخی آ گئی تھی لیکن نغمہ اس مرتبہ سماج کے ٹھیکیداروں کو یہ احساس ہو جائے گا کہ ہاتھوں کی انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ اور خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ اور عورت اگر ایک کام کا بیڑہ اٹھالے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ اس کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ اور اس کا دل پتھر بن جاتا ہے''۔

نغمہ حیرت سے نگار کا منہ تک رہی تھی۔ خدا کے لیے آہستہ بولو تم نہیں جانتیں'' سماج اور خاندان کی لاج اور آبرو کتنی بڑی چٹانیں ہیں۔ جنہیں تم اپنی جگہ سے کبھی ہلا بھی نہ سکو گی۔ بلکہ خود ہی ان کے پیچھے تم پس کر رہ جاؤ گی۔ اور وہ.....

نگار نے درمیان ہی سے بات اچک لی

''نغمہ میں جذبات سے زیادہ حقائق کی روشنی میں دیکھنے اور سوچنے کی عادی ہوں۔ میں کبھی بھی ایسی بات ماننے کو تیار نہیں جو بے بنیاد اور کھوکھلی ہو''۔

لیکن تم کس طرح ان حالات سے پردہ اٹھاؤ گی۔ اور کیسے یہ ثابت کرو گی جبکہ جبکہ'' نغمہ کو مناسب الفاظ نہ ملے اور ہکلا کر چپ ہو گئی۔

''تم یہ کام میرے سپرد کر دو۔ انشاء اللہ خدا میری اس معاملہ میں ضرور مدد کرے گا۔ اور پھر تم دیکھ لو گی کہ ندیم اور صفیہ بیگم کو برا کہنے والے ان کے قدموں میں جھک آئیں گے۔ میں آج ہی ڈیڈی سے کہہ کر ندیم کے والد صاحب کے بارے میں دریافت کرنے کی کوشش کروں گی۔ تمہیں معلوم ہے کہ ڈیڈی کے کاروباری مرکز تمام فارن کنٹریز میں ہیں۔ ہر جگہ ان کی فرم کی برانچ ہے مجھے امید ہے کہیں نہ کہیں سے میں یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔

تھوڑی دیر کمرے میں سکوت رہا پھر نگار نے سکوت توڑا۔

''اس وقت تو میں یہ سوچ رہی ہوں۔ کہ کس طرح ادریس منزل جاؤں۔ اور وہاں ندیم سے کس طرح ملاقات کروں جانے وہاں کون کون لوگ ہوں گے اور کس قسم کی تقریب ہے۔ وہاں یہ بھی تو معلوم نہیں ٹھہرو'' وہ یکدم چونک کر بولی۔

''ارے نغمہ وہاں ٹیلی فون ہے۔ تو تم ذرا ٹیلی فون پر کسی سے بات تو کرو وہاں۔

اور کچھ نہیں تو ریحانہ کی خیریت ہی پوچھ لینا۔ کم از کم وہاں کے حالات کا پتہ تو

چل ہی جائے گا۔

ترکیب تو اچھی ہے۔نغمہ نے نگار کو داد بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا ''تمہارا دماغ آجکل بہت اونچا اڑ رہا ہے''

نگار نے بات کاٹ لی۔

''تم بک بک نہ کیا کرو۔بس جس طرح میں کہا کروں کیا کرو چلو تم ذرا جلدی سے ٹیلی فون پر بات کرو''۔

''ارے واہ کیا رعب ہے'' نغمہ نے مسکراتے ہوئے کہا ''دیکھو تو بھلا کیسے مزے سے حکم چلا رہی ہو چلو یہ کرو وہ نہ کرو جاؤ میں نہیں کرتی ٹیلی فون''۔

''تو نہ کرو'' نگار نے بڑی سنجیدگی سے کہا ''پھر میرے پاس روتے ہوئے نہ آنا۔ہائے میں لٹ گئی برباد ہو گئی سوچ لو اپنا برا بھلا''۔

''تم تو پکی چڑیل ہو'' نغمہ پلنگ سے اتر آئی۔

نگار کے ہمراہ وہ ڈائننگ روم میں آ گئی۔اور ٹیلی فون پر ادریس منزل کا نمبر ڈائل کیا تھوڑی دیر تک تو گھنٹی بجتی رہی پھر کسی نے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو'' دوسری طرف سے ارجمند بانو نے ریسیور اٹھایا۔

''آداب باجی'' نغمہ ارجمند بانو سے ہی بات کرنا چاہتی تھی ''میں نغمہ بول رہی ہوں''

''ارے نغمہ خیریت تو ہے نا آج کیسے یاد کر لیا.....''

''جی بس امتحان کی تیاریوں میں مصروف ہوں۔آج خیال آیا شاید ریحانہ کی

خیریت سویڈن سے آئی ہو۔تو میں بھی پتہ کرلوں۔سنایئے کوئی خط آیا ہے ان کا یا نہیں''۔

''ہاں اس کا پرسوں ایک لیٹر آیا ہے وہاں کی آب وہوا ذرا اسے راس نہیں آئی ۔کچھ بیمار ہے تمہیں سلام لکھا ہے۔لیکن نغمہ بیٹی معاف کرنا اچانک بہت سی مصروفیتیں آن پڑیں جس کیوجہ سے تمہیں ٹیلی فون بھی نہ کرسکی۔سناؤ خالہ جان تو ٹھیک ہیں نا۔

''جی ہاں باجی امی بالکل خیریت سے ہیں۔ویسے باجی آخر اتنی بھی کون سی مصروفیات آنپڑی ہیں' نغمہ نے حالات کریدنے چاہے'' کہ آپ مجھے ٹیلی فون بھی نہ کرسکیں ویسے ہی کہہ دیجیے نہا کہ مجھے یاد ہی نہ رہا تھا''۔

''ارے نہیں نغمہ سچ آج کل بڑی پریشانیوں میں جان پھنسی ہوئی ہے۔وہ ندیم صاحب ہیں نا صفیہ بیگم کے لڑکے ان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔آج تین دن سے یہی پریشانی ہے اور گھبراہٹ ہے پھوپھی صفیہ بھی یہیں ہیں''۔

نغمہ کے ہاتھ سے ریسیور کانپنے لگا تھا۔اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آرہا تھا۔

'کب کیسے'' اس کے منہ سے اچانک نکل گیا۔

وہ رات کو یہاں سے واپس جارہے تھے بس قدرت کا لکھا تھا ہوکر رہ گیا۔ سامنے سے ایک ٹرک آرہا تھا اچانک ایک اندھیری گلی سے بڑی تیز سپیڈ سے موٹر سائکل سوار نکل رک سڑک پر آگیا ٹرک والے نے سوار کو بچانے کی کوشش کی تو سامنے سے ان کی کار آرہی تھی۔انہوں نے بھی بچنے کی کوشش کی لیکن بچتے بچتے

بھی ٹکر ہو گئی''۔

نغمہ کی حالت کافی غیر ہو گئی تھی اسکے ہاتھوں میں رعشہ طاری تھا۔ اور نگار خاموشی سے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ رہی تھی۔

''اب وہ کہاں ہیں'' نغمہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ ہی لیا۔ اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''سنٹرل ہوسپٹل کے پرائیویٹ روم نمبر ے میں۔ اب تو وہ اوٹ آف ڈینجر ہو گئے ہیں''

''خدایا تو ہی مددگار ہے'' نغمہ کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا پھر خود ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا'' اچھا باجی میں خود ہی کسی وقت آنے کی کوشش کروں گی'' خدا حافظ

خدا حافظ دوسری طرف سے آواز آئی۔

نغمہ ریسیور کریڈل میں رکھتے ہی رونے لگی۔ وہ اب تک نہ جانے کیسے ضبط کیے ہوئے تھی۔ سبکیاں اور سسکیاں بھرتے ہوئے اس نے نگار کو ارجمند بانو سے سنی ہوئی تمام باتیں سنا ڈالیں۔

''ہوں'' تو یہی وجہ تھی کہ ندیم صاحب سے ملاقات نہ ہوسی۔ پھر اس نے نغمہ کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

''آؤ اپنے کمرے میں چلو۔ اور خدا کے لیے یہ بات بات پر نہ رویا کرو۔ ہمت اور حوصلہ سے کام لیا کرو۔ تم تو پڑھ لکھ کر بھی بالکل احمق ہی رہیں۔ خدا سے دعا

کرو۔ یہ کیا رونے بیٹھ گئیں''۔

نگار جتنی دیر وہاں رہیں..... نغمہ کو تسلیاں دیتی رہیں۔

''تم اطمینان رکھو میں آج انہیں ہوسپٹل ہی دیکھ کر تمہیں مفصل حالات سے آگاہ کروں گی''۔

وہ نغمہ کے ساتھ ساتھ نجمہ بیگم کے پاس آئی۔

''اچھا خالہ جان اجازت دیجیے''۔

''بیٹی اب کھانے کا وقت ہو ہی گیا ہے کھانا کھا کر چلی جانا''۔

''شکریہ خالہ جان یہ دعوت ادھار رہی اس وقت ذرا جلدی ہے۔ اس نے جھک کر آداب کیا اور نغمہ کے ہمراہ باہر نکل آئی نجمہ بیگم دعائیں دیتی رہ گئیں''۔

''اچھا نغمہ اب رونا دھونا ختم خدا سے دعا مانگو کہ ندیم بہت جلد صحتیاب ہو جائے۔''

نغمہ کا چہرہ حیا سے سرخ ہو گیا۔

''بس لگیں گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے'' نگار اسے شرماتے دیکھ کر بول پڑی۔

''اوکے ٹاٹا'' وہ مسکراتی ہوئی کار میں جا بیٹھی۔

اور نغمہ اسے مسکراتے ہوئے دیکھتی رہی۔

پہلے نگار نے خیال کی اکہ وہ ارشد کو ڈریم لینڈ کو اطلاع دیتی جائے کہ ندیم کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے لیکن اس نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے ارادہ بدل دیا۔

دوپہر کا ڈیڑھ بج رہا تھا اسے معلوم تھا کہ ڈیڈی کھانے کی میز پر اس کے منتظر

ہوں گے۔اور جس وقت وہ گھر پہنچی نوابزادہ صفدر جنگ کھانے پر اس کے منتظر تھے۔

''بیٹی آج تو تم نے بڑی دیر کردی۔دیکھو تو لنچ ٹائم کب سے ہوگیا ہے۔

''ڈیڈی دراصل میں نغمہ کے ہاں چلی گئی تھی۔خالہ جان تو مجھے لنچ کے لیے روک رہی تھیں بس اسی جھگڑے میں دیر ہوگئی'

''اب تم کپڑے تبدیل کرنا چاہتی ہو؟''

''نہیں ڈیڈی اب تو مجھے بھی بڑی بھوک لگ رہی ہے آیئے پہلے کھانا کھا لیں''۔

دونوں باپ بیٹی ڈائننگ روم میں آن بیٹھے۔کھانا میز پر لگا ہوا تھا۔سفید براق وردی پہنے بیرا مودت ایک کونے میں کھڑا تھا نگار نے نیپکین زانو پر ڈال لیا۔

بیرے نے آگے بڑھ کر پلاؤ ڈش اٹھا کر پہلے نگار کی طرف بڑھائی۔اور پھر نوابزادہ صفدر جنگ کو پیش کی۔

''ڈیڈی'' نگار نے ایک شامی کباب اٹھا کر پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا ''ادریس منزل میں کون رہتا ہے؟'' وہ کسی طریقہ سے اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی تھی اور اس کے ذہن میں بات شروع کرنے کے لیے اس سے اچھا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔

''ادریس منزل'' نوابزادہ صفدر جنگ کے ہاتھ یکدم رک گئے۔اور پھر وہ یاد کرتے ہوئے بولے۔

یوں یاد آ گیا۔ جس میں گورنمنٹ کنٹریکٹر ادریس عالم صاحب رہتے ہیں۔ وہی جن کے سمدھی سراج الدین ریٹائرڈ جج ہیں'' لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو.....''

صفدر جنگ نے سوال کیا۔

''وہ دراصل آج نغمہ کے ہاں سے پتہ چلا تھا۔ کہ ادریس عالم کے کوئی بھانجے ہیں جن کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اس لیے پوچھ لیا تھا''۔

''ہوں'' نوابزادہ سوچ میں گم ہو گئے۔ اور پھر کچھ یاد کرتے ہوئے بولے۔

تم نے اچھا یاد دلایا مجھے میرے پارٹنر صادق کمال صاحب نے انگلینڈ سے چلتے ہوئے ایک لیٹر ڈراپ کیا تھا کہ وہ عنقریب پاکستان پہنچنے والے ہیں اور ان کی اور سراج الدین کی آپس میں کچھ رشتہ داری ہے۔ وہ ان سے ملنا چاہتے تھے۔ کراچی پہنچ کر انہوں نے اطلاع دی تھی۔ لیکن اس کے بعد ان کا کوئی پتہ نہیں چلا'' وہ دھیرے دھیرے کھانا کھا رہے تھے۔

صادق کمال کا نام سن کر نگار کے کان کھڑے ہو گئے۔ اور ان کا اور سراج الدین صاحب کا رشتہ دار ہونا یہ ثابت کر رہا تھا کہ یہ وہی صادق کمال ہیں جن کے بارے میں نگار معلوم کرنا چاہتی تھی۔

ڈیڈی صادق کمال سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے کیا؟

نہیں بیٹی میں جب پچھلی مرتبہ انگلینڈ گیا تھا تو یہ برانچ کے دوروں پر انگلینڈ سے باہر تھے۔ ان کے لڑکے یوسف کمال سے ملاقات ہوئی تھی۔

''یوسف کمال'' نگار چونک گئی۔

نوابزادہ صفدر جنگ نے نگاہیں اٹھا کر بیٹی کی طرف دیکھا ''تم کیوں چونک گئیں''۔

''یوسف کمال کے نام کے ایک صاحب تو وکیل شہاب الدین کے ہاں پچھلے دنوں مقیم رہے ہیں''۔ نغمہ نے مجھے بتایا تھا۔ کہ وہ انگلینڈ سے آئے ہیں۔ اور ان کے بھائی مسرور صاحب کے دوست ہیں''۔

ہوں صادق کمال نے اس کی اطلاع نہ دی تھی۔ لیکن کل مجھے لنڈن آفس سے اطلاع ملی ہے کہ یوسف کمال نے اپنا ذاتی سرمایہ بزنس سے علیحدہ کرلیا ہے۔ میں اس سلسلہ میں صادق کمال سے ملنا چاہتا تھا کراچی میں میں نے تمام ہوٹلوں میں فون کر لیے ہیں صرف وہ کراچی میں دو دن ٹھہرے ہیں اس کے بعد جانے کہاں چلے گئے ہیں۔ اگر یہاں آتے تو مجھے ضرور اطلاع دیتے''۔

اب تو نگار کو یقین ہو گیا تھا کہ ندیم کے والد یہی صادق کمال ہیں۔ وہ اتنا الجھا ہوا مسئلہ اتنی جلدی سلجھ جانے پر قدرت کی اس مدد پر مسکرا اٹھی۔

ڈیڈی یہ ادریس عالم صاحب کے بھانجے ندیم جن کی کار کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے صادق کمال کے لڑکے ہیں.....''

''صادق کمال کے لڑکے۔ تو گویا ادریس عالم اور صادق کمال آپس میں اتنے قریبی رشتہ دار ہیں..... لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا'' وہ پھر خود ہی ہنس پڑے۔

''یہ عورتوں کی پرانی عادت ہے۔ کہ وہ جانے کہاں کہاں سے رشتے ناطے جوڑ نکالتی ہیں مجھے تو تمہاری کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی صادق کمال مدت سے

انگلینڈ میں آباد ہیں۔ان کی بیوی اور بچے بھی وہیں ہیں یہ ندیم ان کا لڑکا کیسے ہو گیا''۔

نگار نے اپنے ڈیڈی سے تمام باتیں بتا دیں۔

''اور ڈیڈی صرف اس وجہ سے ندیم اور نغمہ کا رشتہ نہیں ہو سکا کہ ان کے والد لاپتہ ہیں۔اور بھی بہت سے الزامات ہیں'' اس پر فطری حیاء غالب آ گئی تھی.....

''ہوں میں سمجھ گیا جب ہی تم اتنا کرید رہی تھیں۔اچھا اب اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ وہی صادق کمال ہیں اور ندیم ان ہی کا بیٹا ہے تو.....'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا۔

''تو.....تو.....وہ بوکھلا گئی''۔

''ہاں تو پھر میں کیا کروں.....'' نوابزادہ صفدر جنگ مسکرا دیے۔

''تو آپ کو ندیم اور نغمہ کا رشتہ کرانا ہوگا ڈیڈی۔بس یہ میری خواہش ہے۔اور میں نے نغمہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں ندیم پر لگائے ہوئے سب بہتان جھوٹے ثابت کروں گی''۔

نوابزادہ صفدر جنگ کھلکھلا کر ہنس دیے یہ خوب رہی۔لڑکا کسی کا۔لڑکی کسی کی اور رشتہ میں کراؤں۔یعنی وہ جو پچھلے زمانے میں نائی ہوتے تھے ان کا.....''

اور نگار بھی مسکرا دی۔

''ڈیڈی سوری میرا مطلب یہ نہ تھا۔میں تو یہ چاہتی ہوں کہ شہاب الدین صاحب نے جو الزام ندیم کی امی پر لگایا ہے وہ دھل جائے''۔

''وہ تو ڈھل ہی جائے گا اگر صادق کمال وہی صادق کمال ہوئے۔ باقی رہ گیا رشتہ والا معاملہ تو جب تک حالات کا جائزہ نہ لیا جائے کچھ نہیں کہہ سکتا''۔

نگار نے باپ کی بات کا جواب نہ دیا۔ وہ جانتی تھی ڈیڈی اس کی بات رد نہ کریں گے۔ لیکن یہ بھی سچ تھا کہ وہ جب تک حالات کا مفصل جائزہ نہ لے لیں گے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھائیں گے۔

کھانا کھا کر وہ اپنی لائبریری میں چلے گئے اور وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

باب ۱۳

دو ہفتہ ہوسپٹل میں رہ کر ندیم چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اس کے زخم تقریباً مندمل ہو چکے تھے۔ اس دوران میں نوابزادہ صفدر جنگ، سراج الدین اور صادق کمال سے مل چکے تھے۔ نوابزادہ صفدر جنگ کی زبانی یوسف کی اوارگی اور بدعنوانیوں کے حالات سن کر صادق کمال نے اپنے بیٹے یوسف کمال کو اپنی موروثی جائیداد سے عاق کر دیا تھا۔ جو جائیداد لنڈن اور دوسرے ملکوں میں تھی۔ اب پر تو یوسف نے پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا۔ نوابزادہ صفدر جنگ ان دنوں بہت ہی زیادہ مصروف تھے۔ وہ تقریباً تمام دن گھر سے باہر رہتے تھے۔

نگار کو نوابزادہ صفدر جنگ نے ابھی تک کچھ نہ بتایا تھا۔ دو چار مرتبہ نگار نے پوچھا بھی لیکن انہوں نے کام کی زیادتی کا عذر کر کے بات ٹال دی۔ اور پھر ایک روز بتایا۔ کہ انہوں نے اپنے تمام فارن آفس میں اطلاع دے دی ہے۔ دیکھیے وہاں سے کیا پتا چلتا ہے۔ نغمہ ہر دوسرے تیسرے دن ٹیلی فون پر نگار سے حالات معلوم کرتی۔ لیکن نگار اسے کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکی تھی۔ نغمہ کے دن یونہی گزر رہے تھے۔ اسے یقین تھا کہ وہ امسال بی اے فائنل کلیئر نہ کر سکے گی۔ پڑھائی سے اس کی طبیعت بالکل اچاٹ ہو گئی تھی بس وہ ہر دم خلاؤں میں گھورتی جانے کن خیالوں میں گم رہتی۔

اور آج غسل صحت کے دن صفیہ بیگم نے پانچ سو فقیروں کو کھانا کھلانے کا بندوبست کیا تھا۔ اور غربا میں صدقے کے روپے تقسیم کیے تھے۔ اندر ڈرائنگ روم

میں سب ہی بیٹھے تھے۔

صادق کمال نے سراج الدین سے کہا۔

آپ نے شہاب الدین کو بھی اطلاع پہنچا دی ہے؟

جی ہاں۔ انہیں پہلے بالکل یقین نہ آیا اور جب میں نے یقین دلایا تو خوشی کے مارے چلا اٹھے میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔

اور ابھی سراج الدین بات مکمل بھی نہ کر پائے تھے کہ شہاب الدین کی کار پورچ میں آن ٹھہری۔ کار کی آواز سنتے ہی ادریس عالم سراج الدین اور صادق کمال فوراً برآمدے میں نکل آئے شہاب الدین کے ہمراہ نغمہ اور نجمہ بھی تھیں۔

مدت سے بچھڑے دوست ایک دوسرے سے مل کر دنیا و عافیت بھول گئے تھے۔ نجمہ بیگم دونوں کو یوں لپٹے دیکھ کر مسکراتی ہوئی اندر چلی گئیں۔ اور ان کے پیچھے پیچھے نغمہ بھی اندر کی طرف لپکی۔

صفیہ بیگم چوکی پر بیٹھی کھانا اور روپے تقسیم کر رہی تھیں خورشید جہاں، فاخرہ بیگم، ارجمند بانو فرحانہ اور نگار بھی وہیں بیٹھی تھیں۔ نجمہ بیگم کو یوں اچانک دیکھ کر صفیہ بیگم حیران رہ گئیں۔

نجمہ بیگم بہت ہی خفیف اور شرمندہ دکھائی دے رہی تھیں۔ صفیہ بیگم کے ذہن میں نجمہ بیگم کے لکھے ہوئے الفاظ یکدم بازگشت کی طرح گونج گئے۔ لیکن انہوں نے سرکش خیالات کو تھپک تھپک کر سلا دیا۔ اور لپک کر نجمہ بیگم کو گلے سے لگا لیا۔

صفیہ بہن مبارک ہو نجمہ بیگم کی رقت بھری آواز صفیہ بیگم کے کانوں سے

ٹکرائی۔

''ہاں نجمہ بہن خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔اور دعا خدا نے اس وقت سنی جب میں بالکل مایوس ہو چکی تھی''۔

یہ سچ ہے صفیہ بہن آپ نے زندگی کا سکھ دیکھا ہی نہیں۔شادی کے فوراً بعد ہی یہ افتاد آپڑی تھی خدا کا بڑا کرم ہے''۔

خیرات تقریباً تقسیم ہو چکی تھی۔صفیہ بیگم سب کو لے کر اندر کمرے میں چلی آئیں شہاب الدین صفیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''بھابھی اب تو بس جلدی سے منہ میٹھا کرا دیں۔صادق بھائی کو یہاں آئے تقریباً مہینہ ہو چلا ہے۔لیکن آپ نے تو کانوں کان خبر نہ ہونے دی'' شہاب الدین نے گلا کیا.....

''کیا کروں بھیا'' عطیا بیگم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''بس یہی خیال رہتا تھا کہ اگر کہیں چرچا کر دیا کوئی موٹی ڈانسر گلے نہ آن پڑے''۔

صفیہ بیگم کی اس حاضر جوابی پر حاضرین محفل کھلکھلا کر ہنس پڑے جن میں صادق کمال کا قہقہہ سب سے بلند تھا۔

نغمہ کی جھکی جھکی نگاہیں ندیم کی نگاہوں سے ٹکرائیں۔لمحہ بھر کے لیے بجلیاں کوندیں۔اور جانے کتنے ہی گلے شکوے آنکھوں ہی آنکھوں میں کر دیے گئے۔ ندیم کے اداس چہرے پر ایک بڑی ہی اداس اور درد بھری مسکراہٹ کھل گئی۔نغمہ سے ندیم کا درد بھرا چہرہ نہ دیکھا گیا۔وہ سر جھکا کر نگار کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

نوابزادہ صفدر جنگ سے دونوں کی کیفیت چھپی نہ رہ سکی ۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے پہلے ندیم کی طرف دیکھا اور پھر نغمہ کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں کی دلی کیفیات کا اندازہ لگا چکے تھے۔

شہاب الدین نے کمرے کا سکوت توڑا۔

صادق یار میں تو بار بار یہ سوچ رہا ہوں کہ کہیں یہ سب خواب تو نہیں''۔

نوابزادہ صفدر جنگ نے ہنستے ہوئے جواب دیا

''وکیل صاحب یہ سوتے جاگتے کی کہانی نہیں ہے حقیقتاً صاحق کمال صاحب آپ کے سامنے بیٹھے ہیں'' سب ہی مسکرا دیے۔

''خوب بہت خوب نواب صاحب۔ شہاب الدین نے سر دھنتے ہوئے کہا۔ واقعی آپ کی باتیں بڑی دلچسپ ہیں''۔

کہاں وکیل صاحب ابھی تو میں نے باتیں کی ہی نہیں۔ میں تو ڈر رہا ہو کہ اگر میں نے باتیں کیں تو کہیں آپ ناراض نہ ہو جائیں''۔

''خوب بہت خوب کیا کسر نفسی کی نئی طرز نکالی ہے کیوں ادریس میاں آپ بتائیے..... یہ باتیں نہیں کر رہے ہیں کیا.....؟''

ادریس عالم کی بجائے سراج الدین نے جواب دیا۔

''کہاں وکیل صاحب نواب صاحب واقعی باتیں نہیں کر رہے ہیں۔ یہ تو محض آپ کی باتوں کا ہوں ہاں کر کے جواب دے رہے ہیں''۔

''واہ بھئی واہ یک نہ شد دو شد۔ سراج بھائی آپ کو تو مدت ہوئی میں اپنا بزرگ

مان چکا ہوں۔ لیکن مجھے اب یہ خیال آ رہا ہے کہ نواب صاحب کو بھی اپنا بزرگ ماننا پڑے گا''۔

ادریس عالم فوراً بولے۔

'جانے شہاب بھائی آپ عدالت میں جرح کیا کرتے ہوں گے مجھے تو یہ خیال ہے کہ عدالت میں جانے آپ نے یوں کتنے ہی بزرگ بنا لیے ہوں گے''۔

اور اس پر وہ قہقہہ پڑا کہ کوٹھی کے در و دیوار گونج اٹھے۔

''بھئی اب تو مجھے خاموش بیٹھنا پڑے گا'' شہاب الدین بالکل کھسیانے ہو گئے۔

ادریس عالم نے نواب صاحب سے یکدم پوچھ لیا۔

''نواب صاحب وہ قاضی صاحب تشریف نہیں لائے ابھی تک''۔

''وہ'' صفدر جنگ نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے جواب دیا وہ میرا خیال ہے معہ ڈیموکریسی کے یہاں پہنچنے والے ہیں مجھے مغرب کے بعد کا وقت دیا تھا''۔

نجمہ بیگم اور شہاب الدین کے کان کھڑے ہو گئے تھے ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ قاضی صاحب کیوں بلائے گئے ہیں۔

''کیوں خیریت تو ہے شہاب الدین نے حیرت سے پوچھ لیا۔ ان کی جرح کرنے کی حس عود کر آئی تھی۔

''جی ہاں بالکل خیریت ہے'' نوابزادہ صفدر جنگ نے فوراً جواب دیا ''وہ ذرا برخوردار ندیم میاں کی رسم نکاح ادا کرنی ہے''۔

اور شہاب الدین اپنی جگہ سے تقریباً اچھل ہی تو گئے۔ ان کی آنکھیں حیرت

سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں تھیں نغمہ کا چہرہ بھی ہلدی ہو گیا تھا۔ اسے یہاں بیٹھنا دوبھر ہو گیا تھا اور وہ بمشکل لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اٹھ کر جلدی سے کمرے سے نکل گئی۔ نگار اور فرحانہ بھی اس کے پیچھے لپکیں نجمہ بیگم جہاں بیٹھی تھیں۔ وہیں سکتہ کے عالم میں بیٹھی رہ گئیں۔ انہیں نواب صاحب کی بات پر کسی طرح یقین نہ آ رہا تھا لیکن پھر بھی ان کا دل اندر ہی اندر بیٹھا چلا جا رہا تھا۔

کمرے کی فضا بالکل ساکت ہو کر رہ گئی تھی۔ سب ہی ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ نجمہ بیگم کف افسوس مل رہی تھیں۔ اور شہاب الدین سر نیوڑھائے یوں خاموش بیٹھے تھے جیسے ان کا آج سب کچھ لٹ گیا ہو۔ اور زندگی بالکل خالی خولی ہو کر رہ گئی ہو۔

اپنے نکاح کا سن کر ندیم بھی حیران پریشان نوابزادہ صفدر جنگ کا چہرہ تک رہا تھا۔ حتیٰ کہ صفیہ بیگم، فاخرہ بیگم، جہاں آرا اور ارجمند بانو سب ہی حیران و ششدر بیٹھی تھیں وہ سوچ رہی تھیں کہ یہ نوابزادہ صفدر جنگ نے کیا کہہ دیا ہے۔ صادق کمال ادریس عالم سراج الدین اور خود نواب صاحب بڑے مطمئن بیٹھے ہوئے تھے۔ یوں جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو.....

فیاض اور قیوم کو پتہ تھا کہ آج رسم نکاح ادا ہو گی لیکن اس سے آگے وہ بھی کچھ نہ جانتے تھے۔

''ہاں تو کیا خیال ہے شہاب الدین صاحب آپ کا میرے خیال میں ندیم میاں کا نکاح ہو ہی جانا چاہیے۔ نوابزادہ صفدر جنگ کی آواز نے سب کو اپنی

طرف متوجہ کرلیا تھا۔انہوں نے سگار کا ڈبہ شہاب الدین کی طرف بڑھایا یہ لیجیے۔

''جی''شہاب الدین یکدم چونک اٹھے اور جلدی سے ہاتھ بڑھا کر سگار لیتے ہوئے انہوں نے استفہامیہ نظروں سے نواب صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''نواب صاحب یہ تو بڑا نیک کام ہے بھلا اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔شہاب الدین کچھ کچھ اپنے حواس میں آتے جارہے تھے انہوں نے مسکراتے ہوئے بات آگے بڑھائی''لیکن یہ رمز میری سمجھ میں نہیں آسکی کہ آپ نے یہ آناً فاناً فیصلہ کیسے کرلیا ہے یا کسی سوچے سمجھے پروگرام کے تحت یہ سب کچھ ہورہا ہے۔یا ممکن ہے شاید آپ کی چھٹی حس پھڑک اٹھی ہو''۔

شہاب الدین کی جرح پر سب ہی ہنس دیے۔سراج نے ہنستے ہوئے کہا۔

''شہاب بھائی میں نواب بھائی کی بات کی تصدیق کرتا ہوں انہوں نے جو کچھ کہا ہے حرف بحرف سچ ہے''۔

''یہ بھی خوب ہوئی مدعی سست اور گواہ چست ارے بھی جن کا لڑکا ہے وہ تو چپ بیٹھے ہیں اور یہ لوگ ہیں کہ بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں''۔

شہاب الدین نے صادق کمال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

صادق کمال نے ہنستے ہوئے سگار کا کش لیا اور دھیرے سے جواب دیا۔

''اور اگر میں بھی ان دونوں کے بیان کی تصدیق کردوں تو''۔

''تو''شہاب الدین گڑبڑا گئے''تو بھئی ہم بھی ایمان لے آئے بسم اللہ کیجیے

نیک کام میں دیر کس بات کی ہم تو چھوہارے کھانے والوں میں سے ہیں''۔

نجمہ بیگم سے چپ نہ رہا گیا۔

''کم از کم یہ تو پتہ چلے شادی کہاں ہو رہی ہے برات کہاں جائے گی؟''

''بھابھی'' نوابزادہ صفدر جنگ نے بڑے اطمینان سے سگار کا کش لیتے ہوئے کہا۔

''شادی ابھی اور اسی کمرے میں ہو جائے گی بالکل سیدھے سادھے طریقہ سے اگر آپ اور شہاب بھائی کی اجازت ہو تو.....''

اور ندیم کے چہرے پر چھائی زردی میں سرخی کی لہر دوڑ گئی۔

شہاب الدین نے حیرت سے نوابزادہ صفدر جنگ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا میں مطلب نہیں سمجھا نواب صاحب بھلا اس نکاح میں ہم دونوں میاں بیوی کی اجازت کی کیا ضرورت پیش آ گئی''۔

نوابزادہ صفدر جنگ اپنے صوفے سے اٹھ کر شہاب الدین کے قریب آن بیٹھے اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

''شہاب بھائی میں صادق بھائی کی طرف سے برخوردار ندیم میاں کو آپ کی فرزندی میں دینا چاہتا ہوں مجھے امید ہے آپ مجھے مایوس نہ کریں گے''۔

ندیم کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ یوں جیسے سوکھے دھانوں پر پانی پڑ گیا ہو۔ فرط مسرت سے انہوں نے فیاض کے کاندھے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

صفیہ بیگم' ارجمند بانو' فاخرہ بیگم اور جہاں آرا سب حیرت سے نواب صاحب

اور شہاب الدین کی طرف دیکھ رہے تھے۔ نجمہ بیگم اور شہاب الدین کی نظریں ملیں۔ اور شہاب الدین نے بڑی گرمجوشی سے نوابزادہ صفدر جنگ کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

''نواب بھائی بسم اللہ کیجیے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ وہ بچی بھی آپ ہی کی ہے۔

صادق کمال اٹھ کر شہاب الدین کے گلے لگ گئے۔

صفیہ بیگم اور نجمہ بیگم کی نگاہیں ملیں۔ اور تمام گلے شکوے آناً فاناً دور ہو گئے نجمہ بیگم نے بڑی محبت سے صفیہ بیگم کا ہاتھ تھام لیا.....

''نجمہ بہن میں تا عمر تمہاری احسان مند رہوں گی'' صفیہ بیگم نے رقت بھری آواز میں کہا۔

اور نجمہ بیگم نے انہیں سینے سے لگاتے ہوئے کہا ان کی آواز بھی بھرا گئی تھی۔

''آپ شرمندہ نہ کریں صفیہ بہن۔ میں پہلے ہی بہت نادم ہوں''۔

سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے اور ندیم ندیم تو مستقبل کے خوش آگین لمحات میں ہلکورے کھا رہا تھا.....

نواب صاحب نے ارجمند بانو کو مخاطب کیا۔

''بیٹی ارجمند بانو تم جاؤ اور نغمہ کو تیار کراؤ۔ صادق کمال کے کمرے میں سب سامان موجود ہے۔ بس قاضی صاحب تشریف لاتے ہی ہوں گے''۔

اور ارجمند بانو کے اٹھتے ہی فاخرہ بیگم اور نگار اندر کی طرف لپکیں۔

اختتام ---------- The End